تیسرا حصّہ

پہلا باب

دونوں وقت ملے دیر ہو چکی تھی۔ رات ہو گئی تھی جب میں اس ہولناک خواب پریشان سے چونکا اور حال کی دنیا میں واپس آیا۔

"نیلی" میں نے اس سے کہا "تم بیمار بھی ہو اور اس وقت تمہاری طبیعت بھی پریشان ہے۔ لیکن پھر بھی تمہیں اکیلا روتا دھوتا اور بےقرار چھوڑ کر جانا پڑے گا۔ وجہ ہے میری دوست، معاف کرنا۔ میں تمہیں بتا دوں کہ کوئی اور بھی ہے جس سے پہلے محبت کی جاتی تھی مگر اس کا قصور معاف نہیں کیا گیا، وہ غم‌زدہ ہے، دکھیا ہے اور سب طرف سے دھتکاری ہوئی ہے، وہ میرے انتظار میں ہے۔ اور اب تمہاری کہانی سن کر میرا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا ہے اس قدر کہ میں محسوس کرتا ہوں جیسے میں تاب نہیں لا سکوں گا اگر فوراً اسی لمحے اس سے نہیں ملا..."

معلوم نہیں نیلی سمجھی بھی میری بات یا نہیں۔ نیلی کی بیان کی ہوئی کہانی نے اور خود میری بیماری نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ لیکن میں نتاشا کے مکان کی طرف دوڑا۔ کافی دیر ہو چکی تھی، آٹھ بج چکے تھے جب میں اس کے ہاں پہنچا ہوں۔

سڑک پر میں نے مکان کے دروازے کے سامنے، جس میں نتاشا رہتی تھی، کوئی گاڑی کھڑی دیکھی اور قیاس ہوا کہ پرنس کی گاڑی ہوگی۔ احاطے میں سے ہوکر اندر جانا ہوتا تھا۔ جب میں زینے پر چڑھنے لگا تو دیکھا کہ مجھ سے اوپر بھی کوئی زینہ چڑھ رہا ہے، کوئی ہے جو بہت ٹٹول کر قدم اوپر رکھ رہا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اس زینے پر چڑھنے کا عادی نہیں۔ سوچا کہ پرنس ہوں گے، لیکن فوراً ہی اس بات پر مجھ کو شبہ ہوا۔ اجنبی شخص اوپر چڑھتے ہوئے بگڑ رہا تھا اور منہ سے سیڑھیوں کو برا بھلا کہتا جا رہا تھا۔ آگے بڑھتے بڑھتے اس کی زبان سے

اور سخت اور بڑے بڑے کلمے نکلتے جاتے تھے۔ زینہ واقعی تنگ و تاریک تھا، کھڑا زینہ، گندا اور روشنی سے بےبہرہ۔ لیکن تیسری منزل پر پہنچ کر جس قسم کی زبان مجھے سنائی دی وہ ایسی تھی کہ پرنس سے اس کو منسوب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور چڑھتا ہوا شخص تانگے والوں کی سی گالی گلوچ کرتا جا رہا تھا۔ البتہ تیسری منزل سے روشنی کی جھلک ملتی تھی۔ نتاشا کے دروازے پر چھوٹی سی لالٹین روشن تھی۔ میں نے بالکل دروازے کے پاس ہی اجنبی کو پکڑ لیا اور مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوئی کہ یہ شخص خود پرنس ہی تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے یہ بات بہت ناگوار گزری ہے کہ یوں اچانک مجھ سے ٹکر ہو گئی۔ پہلی نظر میں تو اس نے مجھے پہچانا ہی نہیں۔ لیکن فوراً اس کا چہرہ بدل گیا۔ نفرت اور حقارت کی جو پہلی جھلک تھی وہ اچانک سلام دعا اور خوشگواری میں حل ہو گئی اور اس نے انتہائی مسرت کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ میری جانب بڑھا دئے۔

"اچھا، تو آپ ہیں یہ! میں ابھی ابھی گھٹنوں کے بل جھک کر دعا کرنے والا تھا کہ میری جان بچ جائے۔ آپ نے تو سنا ہوگا کیسی گالیاں کوستے میرے منہ سے نکل رہے تھے؟"

اور وہ سادہ‌دلی کے انداز سے خوب ہنسا۔ لیکن ایک دم اس کے چہرے پر ایک سنجیدہ اور فکرمند کیفیت پیدا ہوئی۔

"مگر یہ الیوشا کو کیا ہوا کہ وہ نتالیا نکولائیونا کو ایسے مکان میں رکھے ہوئے ہے؟" اس نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہی چھوٹی چھوٹی باتیں تو ہیں جو آدمی کی اصلیت ظاہر کرتی ہیں۔ مجھے اس لڑکے کی طرف سے اندیشہ رہتا ہے۔ شریف ہے۔ بڑا دل رکھتا ہے۔ لیکن یہ نمونہ دیکھ لیجئے — دیوانگی کی حد تک محبت کرتا ہے اور جس سے محبت ہے اسے ایسے بل میں ٹھونس رکھا ہے۔ بعض اوقات تو میرے کانوں میں یہ بھنک بھی پڑی کہ گھر میں کھانے پینے کا بھی ٹوٹا رہتا ہے،" اس نے سرگوشی کے طور پر آہستہ سے کہا گھنٹی کے لٹکن کو ٹٹولتے ہوئے۔ "میرا سر پھٹنے لگتا ہے جب میں الیوشا کے مستقبل پر غور کرتا ہوں، اور اس سے بھی زیادہ آننا نکولائیونا کے مستقبل پر جب وہ الیوشا کی بیوی بن جائے گی..."

نام لینے میں اس سے غلطی ہو گئی اور اس کا احساس بھی نہ ہوا

کیونکہ گھنٹی کا لٹکن نہ ملنے کی وجہ سے وہ الجھن میں پڑا ہوا تھا۔ گھنٹی اصل میں موجود ہی نہیں تھی۔ میں نے دروازے کی کنڈی کھڑکائی اور ماورا نے فوراً دروازہ کھول دیا اور ہماری آؤبھگت میں لگ گئی۔ کھلے دروازے سے باورچی‌خانے تک، جو لکڑی کی دیوار بنا کر چھوٹے سے پیش‌دالان سے الگ کیا گیا تھا یہ بات صاف نظر آ رہی تھی کہ کچھ تیاریاں کی گئی ہیں۔ ہر ایک چیز معمول سے مختلف دکھائی دے رہی تھی۔ صاف ستھری، جھاڑی پونچھی۔ چولھے میں آگ جل رہی تھی۔ میز پر کوئی نئی قسم کا برتن رکھا تھا۔ صاف یہ لگا کہ ہمارا انتظار کیا جا رہا تھا۔ ماورا ہمارے کوٹ اتروانے دوڑی۔

"الیوشا موجود ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"آیا ہی نہیں" اس نے گویا پراسرار طریقے سے سرگوشی کی۔

ہم نتاشا کے کمرے میں چلے گئے۔ وہاں کسی قسم کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ ہر چیز جوں کی توں تھی۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس کے کمرے میں ہمیشہ اس قدر صفائی اور پاکیزگی رہتی تھی کہ کسی خاص اہتمام صفائی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ نتاشا ہمیں دروازے پر کھڑی مل گئی۔ اس کے چہرے کی اجاڑ کیفیت اور حددرجہ زردی دیکھ کر میں حیران رہ گیا اگرچہ اس کے ستے ہوئے گالوں پر لمحے بھر کو چمک اور تمتماہٹ دوڑ گئی۔ آنکھیں تپ رہی تھیں۔ منہ سے کوئی لفظ کہے بغیر اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ پرنس کی طرف بڑھا دیا۔ دیکھنے سے ہی وہ الجھن اور اضطراب میں نظر آتی تھی۔ اس نے مجھ سے آنکھ تک چار نہیں کی، میں کھڑا خاموشی سے دیکھتا رہ گیا۔

"تو میں موجود ہوں!" پرنس نے دوستانہ تپاک سے کہا۔ "میں ابھی چند گھنٹے پہلے واپس آیا ہوں۔ اس تمام مدت میں آپ میرے ذہن میں رہی ہیں" (اس نے نزاکت سے نتاشا کے ہاتھ کو بوسہ دیا) "اور مجھے آپ کا، کس قدر کتنا زیادہ خیال رہا کہ کہہ نہیں سکتا۔ اتنی بہت سی باتیں آپ سے کرنے کی ہیں۔ بہت سی باتیں کہنی ہیں... اب ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ اول تو یہ کہ وہ میرے ہوائی دیدہ صاحب‌زادے جو میں دیکھتا ہوں کہ یہاں موجود نہیں ہیں..."

"معاف کیجئے گا، پرنس صاحب" نتاشا نے جھینپتے ہوئے اور

سرخ ہوتے ہوئے بیچ میں ٹوکا ''ذرا مجھے ایوان پتروویچ سے ایک بات کرنی ہے۔ وانیا... چلو، ذرا دو لفظ...''
اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھے پردے کی اوٹ میں لے گئی۔
''وانیا'' اس نے مجھے دور کے کونے میں لے جاتے ہوئے سرگوشی میں کہا ''مجھے معاف کر دوگے تم؟''
''کیوں نتاشا، یہ معافی کی کیا بات ہے؟''
''نہیں، نہیں، وانیا، تم نے مجھے بہت بہت معاف کیا ہے۔ اکثر بار معاف کیا ہے۔ لیکن آدمی کے صبر و ضبط کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں، تمہارے دل سے میری محبت نہیں جائے گی۔ لیکن تم مجھے ناشکری کہوگے۔ میں نے کل تمہارے ساتھ بڑا ناشکراپن کیا اور پرسوں بھی۔ بہت خودغرضی، بےدردی...''
ایک دم اس کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے اور اس نے میرے کاندھے پر اپنا منہ چھپا لیا۔
''بس کرو، نتاشا'' میں نے اسے یقین‌دہانی کرنے میں جلدی کی۔ ''دیکھتی ہو رات بھر میری طبیعت خراب رہی۔ بلکہ اب بھی بمشکل پیروں پر کھڑا ہوں۔ اسی وجہ سے کل شام تمہارے ہاں نہیں آسکا اور آج بھی آنا نہیں ہوا۔ تم سمجھیں کہ میں ناراض ہوں... میری عزیز، کیا میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری روح پر کیا صدمہ گزر رہا ہے؟''
''اچھا، اچھا، تو مطلب یہ کہ تم نے ہمیشہ کی طرح مجھے معاف کر دیا'' اس نے آنسوؤں میں سے مسکراتے ہوئے کہا اور میرا ہاتھ اس زور سے دبایا کہ دکھنے لگا۔ ''باقی پھر، تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں، وانیا۔ اب چلو، ان کے پاس چلیں...''
''ہاں، جلدی کرو۔ ہم نے انہیں یوں ایک دم اکیلا چھوڑ دیا...''
''ہاں، اب دیکھ لینا تم، دیکھ لینا، جو کچھ ہونے والا ہے'' اس نے جلدی سے میرے کان میں کہا۔ ''اب میں سب کچھ جان گئی ہوں۔ سب بوجھ لیا ہے میں نے۔ سب باتوں کی ذمہ‌داری انہی صاحب پر ہے۔ آج کی شام بہت کچھ فیصلہ کر دے گی۔ چلو، چلیں!''

میں کچھ نہیں سمجھا اور پوچھنے کی مہلت بھی کہاں تھی۔ نتاشا پرنس کی طرف خندہ‌پیشانی سے بڑھی۔ وہ ابھی تک ہیٹ ہاتھ میں لئے کھڑا ہوا تھا۔ اس نے خوب مسکرا کر اس سے معافی چاہی، ہیٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا، کرسی بڑھا دی اور ہم تینوں اس چھوٹی سی میز کے گرد بیٹھ گئے۔
''ہاں، میں جو اپنے ہوائی دیدہ صاحب‌زادے کا ذکر کر رہا تھا تو'' پرنس نے پھر بات کا سلسلہ چھیڑا ''صرف دم بھر کو وہ نظر آیا تھا اور وہ بھی سڑک پر جب وہ کاؤنٹیس زینائیدا فیودوروونا کے ہاں جانے کے لئے گاڑی میں سوار ہو رہا تھا۔ اس پر بہت جلدی سوار تھی۔ اور آپ یقین کیجئے گا کہ میرے کمرے تک آنے کو گاڑی سے بھی نہیں اترا حالانکہ چار دن سے میں باہر تھا۔ اب مجھے یقین آیا کہ میری ہی غلطی ہے یہ، نتالیا نکولائیونا کہ وہ یہاں موجود نہیں اور ہم اس سے پہلے ہی آ پہنچے۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر کاؤنٹیس صاحبہ کے ہاں پیغام اس کے ذریعے بھجوا دیا کہ آج خود حاضر نہیں ہو سکوں گا۔ لیکن وہ اب آتا ہی ہوگا۔''
''تو اس نے آپ سے آج یہاں آنے کا پکا وعدہ کیا؟'' نتاشا نے نہایت سادہ‌دلی کی کیفیت چہرے پر لا کر پرنس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''توبہ ہے خدایا — گویا اسے آنا ہی نہیں تھا۔ آپ یہ کیسا سوال کر رہی ہیں؟'' وہ تعجب سے اس کی صورت دیکھ کر چیخ پڑا۔ ''اچھا تو سمجھا میں۔ آپ اس سے خفا ہیں۔ ہے تو یہ واقعی اس کی غلطی کہ سب کے پہنچ چکنے کے بعد وہ پہنچے۔ مگر میں پھر آپ سے کہتا ہوں کہ یہ قصور میرا ہے۔ آپ اس پر ناراض نہ ہوں۔ وہ اوچھا اور بن‌سوچی آدمی ہے۔ میں اس کی طرف سے صفائی نہیں دے رہا ہوں لیکن بعض خاص حالات ہیں جن کا تقاضا ہے کہ کاؤنٹیس اور بعض دوسرے رشتوں کو فی‌الحال بالکل چھوڑ نہ دے بلکہ اس کے برخلاف اکثر جتنا زیادہ ہو سکے وہاں آنا جانا قائم رکھے۔ مگر میرے اندازے سے، چونکہ وہ ادھر ہر وقت آپ کے ہی پاس رہتا ہے اور دنیا میں باقی تمام چیزوں کی طرف سے قطعی غافل ہو گیا ہے، اس لئے آپ ناراض نہ ہوں کہ میں زیادہ تو نہیں، البتہ گھنٹے دو گھنٹے کے لئے اسے اپنے کام میں لگا لیتا ہوں۔ میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ وہ پرنسس 'ک' سے

اس رات کے بعد ملنے تک نہیں گیا اور افسوس کہ میں اس کے بارے میں اس سے پوچھ کچھ بھی نہیں کر سکا۔“

میں نے نتاشا پر نظر ڈالی۔ وہ پرنس کی بات کو ہلکے سے تبسم کے ساتھ، جس میں ذرا تمسخر پایا جاتا تھا، سن رہی تھی۔ مگر وہ تھا کہ نہایت بےتکلفی کے ساتھ قدرتی انداز میں بولتا چلا گیا۔ ممکن نہیں تھا کہ اس کی نیت پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکے۔

”کیا واقعی، آپ کو نہیں معلوم کہ وہ اتنے دنوں میں ایک بار بھی ادھر نہیں آیا میرے پاس؟“ نتاشا نے پرسکون اور ہموار لہجے میں پوچھا جیسے وہ کسی ایسی بات کے متعلق گفتگو کر رہی ہو جو اس کے نزدیک بہت ہی معمولی درجے کی ہے۔

”کیا؟ ایک بار بھی نہیں آیا؟ معاف کیجئے گا۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں یہ؟“ پرنس نے ایسے کہا کہ وہ بظاہر بہت حیرت‌زدہ نظر آتا تھا۔

”آپ یہاں منگل کی رات کو تشریف لائے تھے۔ دوسرے دن صبح کو وہ کوئی آدھے گھنٹے کے لئے آیا۔ اور اس کے بعد سے میں نے اس کی صورت نہیں دیکھی۔“

”ایسی بات ہے کہ یقین نہیں آتا!“ (اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔) ”مجھے تو پورا یقین تھا کہ وہ تمام وقت یہیں آپ کے پاس رہا ہوگا۔ معاف کیجئے گا مگر ہے بڑی عجیب بات... بالکل یقین نہیں ہوتا۔“

”مگر ہے بالکل درست۔ اور اس پر طرہ یہ کہ میں جان بوجھ کر آپ کا انتظار کرتی رہی اور سوچتی رہی کہ آپ سے ہی پتہ چلے گا کہ وہ ہے کہاں؟“

”اف خدایا! مگر اب تو وہ یہیں پہنچے گا ذرا دیر میں! بہرحال، آپ نے جو بتایا، تو مجھے اتنی حیرت ہوئی کہ میں... میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس سے میرے نزدیک کچھ بھی بعید نہیں، تاہم یہ تو ایسی بات ہے... ایسی بات کہ!..“

”آپ کو کس قدر تعجب ہو رہا ہے۔ اور مجھے دیکھئے کہ میں سمجھی کہ صرف یہی نہیں کہ آپ کو تعجب نہ ہوگا بلکہ پہلے سے جانتے ہوں گے کہ ایسا ہونا ہے۔“

”جانتا تھا؟ اور میں؟ میں تو آپ کو یقین دلاتا ہوں، نتالیا نکولائیونا کہ اس سے صرف منٹ بھر کو ملاقات ہوئی ہے اور وہ

بھی آج۔ اور اس کے بارے میں کسی سے پوچھا تک نہیں۔ اور یہ بات مجھے عجیب لگ رہی ہے کہ گویا آپ کو میرے کہنے کا یقین نہیں“ اس نے ہم دونوں کو غور سے دیکھتے ہوئے بیان جاری رکھا۔

”خدا بچائے،“ نتاشا پکار اٹھی ”مجھے پکا یقین ہے کہ آپ نے سچ ہی کہا۔“

وہ پھر ہنس پڑی، ٹھیک پرنس کے منہ پر — ایسے کہ خود پرنس بوکھلا گیا۔

”مجھے سمجھائیے،“ اس نے گھبراہٹ میں کہا۔

”اس میں سمجھانے کو رکھا ہی کیا ہے۔ میں بہت سیدھی سی بات کہہ رہی ہوں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ وہ کس قدر بےفکرا اور بھلکڑ آدمی ہے۔ اور اب جب کہ اس کو کھلی چھٹی مل گئی تو وہ بےلگام ہو گیا۔“

”مگر یوں بےلگام ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی اور بات ہے۔ اسے آنے دو، میں کہوں گا کہ وہ اس معاملے کو صاف کرے۔ لیکن سب سے بڑھ کر جو چیز مجھے تعجب میں ڈال رہی ہے وہ یہ کہ گویا آپ مجھے کسی طور سے قابل الزام سمجھتی ہیں جب کہ میں بذات خود یہاں موجود بھی نہیں تھا۔ میں تو سمجھتا ہوں، نتالیا نکولائیونا کہ آپ کو اس پر بڑا غصہ ہے۔ اور آپ کو اس کا حق بھی پہنچتا ہے اور... اور... واقعی پہلے قصور میرا ہی ٹھیرتا ہے، خواہ وہ صرف اس لئے ہو کہ میں ہی یہاں سب سے پہلے پہنچا۔ ہے نا سچ؟“ اس نے ایک ناگوار تمسخر کے ساتھ میری طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔

نتاشا بالکل سرخ ہو گئی۔

”یقیناً نتالیا نکولائیونا،“ اس نے سنبھل کر بات جاری رکھی ”میں مانتا ہوں کہ قصوروار ہوں۔ لیکن قصور صرف اس قدر ہے کہ جس روز آپ سے ملاقات ہوئی اس کے دوسرے دن میں باہر سفر پر چلا گیا۔ چنانچہ آپ کے مزاج میں جو ذرا شکی‌پن میں پاتا ہوں اس نے میرے بارے میں آپ کی رائے بالکل بدل دی، خصوصاً حالات نے بھی اس کا موقع پیدا کر دیا۔ اگر میں یہاں سے باہر نہ چلا گیا ہوتا تو آپ مجھے بہتر طور پر سمجھ سکتیں اور الیوشا بھی میری نگرانی میں رہ کر اس قدر جامے سے باہر نہ ہوا ہوتا۔ آج

اسے آنے دیجئے، آپ خود سن لیں گی کہ میں اس سے کیا کہتا ہوں۔“

”ہاں تو، اب یہ کرنا ہے کہ وہ مجھے بارِخاطر سمجھنے لگے۔ ممکن نہیں ہے کہ آپ جیسا ہوشیار آدمی اور آپ نے واقعی سوچا ہو کہ یہ تدبیر میرے لئے مفید رہے گی۔“

”تو کہیں آپ کا اشارہ اس طرف تو نہیں ہے کہ میں جان بوجھ کر اسے یہ محسوس کرانے کی کوشش میں ہوں کہ وہ آپ کو بار سمجھے؟ آپ مجھے سخت شکایت کا موقع دے رہی ہیں، نتالیا نکولائیونا!“

”ویسے میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ چاہے کسی سے بھی بات کر رہی ہوں، کم سے کم اشاروں سے کام لوں“، نتاشا نے جواب دیا ”بلکہ ہمیشہ اس کا خیال کرتی ہوں کہ جتنا زیادہ ہو سکے صاف صاف کھل کر بات کروں۔ اور ممکن ہے کہ آپ آج ہی یہ بات دیکھ لیں۔ میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی۔ اس سے حاصل بھی کیا۔ اور یہ ہونے سے رہا کہ میں چاہے کچھ بھی آپ سے کہوں، آپ کو وہی ناگوار گزرے۔ اس طرف سے مجھے اطمینان ہے کیونکہ ہمارے درمیان جو رشتہ ہے اس کو میں بخوبی سمجھتی ہوں۔ آپ اس کی طرف سنجیدگی سے دھیان ہی کیوں دیں، ہے نا؟ اور اگر واقعی میں نے کوئی ناگوار بات آپ سے کہہ دی ہے تو میں معافی مانگنے کو تیار ہوں تاکہ آپ کی خدمت میں عہدہ برآ ہو سکوں... مہمانداری کے فرائض سے۔“

باوجودے کہ نتاشا نے جو یہ الفاظ کہے ان میں ہلکے پن بلکہ تمسخر کا لہجہ پایا جاتا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی تاہم میں نے کبھی نتاشا کو اس قدر بپھرا ہوا نہیں دیکھا۔ اب میں سمجھا کہ ان تین دنوں میں جو نتاشا کے دل میں درد ہوتا رہا تھا اس کی کیا حقیقت تھی۔ اس کا پہلی میں یہ کہنا کہ اب سب کچھ پتہ لگ چکا ہے اور اس نے اصل معاملہ بوجھ لیا ہے، مجھے اندیشے میں مبتلا کر چکا تھا۔ اس بات میں پرنس کی طرف حوالہ تھا۔ نتاشا اس کے بارے میں اپنی رائے بدل چکی تھی اور اب اسے اپنا دشمن سمجھتی تھی، یہ قطعی صاف تھا۔ اور نظر آ رہا تھا کہ الیوشا کے سلسلے میں جو مشکلات اسے سہنی پڑی ہیں ان کی ذمہ داری وہ الیوشا پر پرنس کے اثر کو قرار دیتی ہے اور اس کے غالباً کچھ اسباب بھی ضرور ہیں۔ مجھے خطرہ تھا کہ کسی لمحے

بھی ان دونوں فریقوں کے درمیان ہنگامہ برپا ہو سکتا ہے۔ نتاشا کا تمسخر بھرا لہجہ بہت ہی کھلا ہوا اور بے نقاب تھا۔ پرنس سے اس کے آخری الفاظ کہ آپ ان رشتوں کی طرف سنجیدگی سے دھیان ہی کیوں دیں گے، مہمانداری کے فرائض کے بارے میں اس کا جملہ، اس کا وعدہ، ایک دھمکی کے طور پر، کہ دیکھ لینا، آج ہی رات کو سب صاف صاف منہ پر کہہ ڈالوں گی — ان سب باتوں میں طنز کی دھار اتنی تیکھی اور بے نیام تھی کہ ممکن نہیں جو پرنس اسے نہ سمجھا ہو۔ میں نے اس کے چہرے کو متغیر پایا لیکن وہ ضبط کئے ہوئے تھا۔ وہ فوراً ایسا بن گیا جیسے ان الفاظ کو سمجھا ہی نہیں، ان کے وزن کی طرف اس کا خیال گیا ہی نہیں اور اس نے فوراً مذاق کے پردے میں پناہ لی۔

”خدا بچائے مجھے کہ میں کسی سے معافی منگوانے کا ملزم ٹھیروں!“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ میرے اصولوں کے خلاف بات ہے کہ میں عورت سے معافی منگواؤں۔ پہلی ہی ملاقات میں آپ کو میں نے آگاہ کر دیا تھا کہ دیکھئے میں کس قسم کا آدمی ہوں۔ تو مجھے امید ہے کہ اب جو میں ایک کلیہ بیان کرنے والا ہوں اس سے آپ ناراض نہ ہوں گی کیونکہ یہ سب عورتوں پر صادق آتا ہے۔ عجب نہیں کہ جناب آپ بھی اس سے اتفاق کریں“، اس نے میری طرف منہ کرکے نہایت تمیزداری سے کہا۔ ”ہاں تو سنئے۔ میں نے دیکھا ہے کہ عورت ذات میں ایک خصلت پائی جاتی ہے۔ اگر کسی عورت سے کسی صورت بھی کوئی قصور ہو گیا ہے تو وہ فوراً اس پر راضی ہو جائے گی کہ اپنی ایک زیادتی کو بعد میں ایک ہزار بار گلے لگا کر برابر کر دے، بمقابلہ اس کے کہ اس لمحے جب قصور اس سے سرزد ہوا ہے اس کا اقرار کرے یا معافی مانگ لے۔ چنانچہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ نے مجھ پر زیادتی کی تو میں نہیں چاہوں گا کہ اسی وقت ابھی آپ معافی مانگ لیں۔ انتظار کر لینے میں میرا فائدہ ہے، جب آپ خود بعد میں محسوس کریں گی کہ آپ نے زیادتی کی تھی اور اسے برابر کرنا چاہیں گی... ہزار بار گلے لگا کر۔ اور آپ اس قدر شریف، نیک سیرت، پاکیزہ اور کھلے دل کی ہیں کہ پہلے سے میرا اندازہ ہے کہ زیادتی کو برابر کرنے کا لمحہ بڑا دل کش اور خوشگوار ہوگا۔ اب میری خواہش ہے کہ

معافی طلب کرنے کے بجائے مجھے بتا دیا جائے کہ کیا میں آج کسی صورت سے آپ کے سامنے اس کا ثبوت دے سکتا ہوں کہ آپ کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ خلوص اور راست‌بازی برت رہا ہوں جتنا آپ میرے بارے میں خیال کرتی ہیں؟"

نتاشا کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ مجھے بھی لگا کہ پرنس کے جواب کا لہجہ بہت بےوزن اور بےاثر رہا بلکہ اس میں ذرا بےوقار مسخراپن بھی تھا۔

"تو آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میرے ساتھ آپ کا بیوہار سیدھا اور صاف ستھرا ہے؟"، نتاشا نے اس کی طرف للکار کے تیور لئے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اگر یہ بات ہے تو میری آپ سے ایک درخواست ہے۔"

"پیشگی وعدہ کرتا ہوں۔"

"درخواست یہ ہے کہ آپ ایک لفظ سے، ایک اشارے سے بھی آج یا کل میرے بارے میں الیوشا کو پریشان نہ کیجئےگا۔ وہ مجھے بھول گیا، اس کے متعلق کسی طرح کی کوئی ملامت نہ کی جائے۔ کوئی بری بھلی بات نہ کہی جائے۔ میں اس سے ٹھیک اس طرح ملنا چاہتی ہوں جیسے ہمارے درمیان کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوئی اور کچھ بھی اس کی نظر میں نہ آنے پائے۔ مجھے بھی چاہئے۔ آپ مجھ سے اس کا وعدہ کریں گے، کیا؟"

"بےحد خوشی کے ساتھ" پرنس نے جواب دیا "اور مجھے پورے دل سے اتنا اور کہنے کی اجازت دیجئے کہ شاید ہی آپ سے زیادہ کبھی کسی میں اس قدر معقولیت اور صاحب‌نظری پانے کا اتفاق ہوا ہوگا، وہ بھی ایسے معاملات میں... ہاں تو خیر، وہ الیوشا بھی آ پہنچا۔"

واقعی ڈیوڑھی میں آہٹ سی ہوئی۔ نتاشا چونک پڑی اور گویا کسی بات کے لئے اس نے خود کو تیار کر لیا۔ پرنس چہرے پر سنجیدگی طاری کئے بیٹھا رہا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ وہ نتاشا کو غور سے دیکھنے لگا۔ دروازہ کھلا اور الیوشا جھٹ سے ہماری طرف لپکا۔

دوسرا باب

وہ ہماری طرف لپکا تو اس کے چہرے پر ایک طرح کی تب و تاب تھی۔ خوشی کے مارے مکھڑا کھلا جا رہا تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس نے یہ چار دن بڑے مزے میں، چین آرام سے گزارے ہیں۔ صرف صورت دیکھ کر ہی یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ ہم سے کوئی بات کہنے کو بےتاب ہے۔

"ہاں تو میں موجود ہوں!" وہ ایسی آواز میں بولا جو سارے کمرے میں گونج گئی۔ "وہ جیسے اوروں سے پہلے یہاں موجود ہونا چاہئے تھا۔ لیکن ابھی آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائےگا، سب کچھ! مجھے وقت نہیں تھا بالکل کہ میں آج تم سے دو لفظ بھی کہہ سکتا، پیارے پاپا اور کہنے کو بہت باتیں تھیں۔ جب وہ ذرا اچھے موڈ میں ہوتے ہیں تبھی ان سے اس طرح 'تم' کہہ کر بات کرنے کی اجازت ہوتی ہے"، اس نے اپنی بات کاٹ کر میری طرف خطاب کرتے ہوئے یہ جملہ کہا "ورنہ خدا بچائے، اور وقت میں تو اس کی ممانعت ہے۔ اور اس کی ترکیب بھی کیا نکال رکھی ہے کہ خود مجھ سے بات کرتے ہیں تو 'آپ' کہہ کر۔ لیکن آج کے دن سے میرا دل چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہی اچھے موڈ میں رہیں اور میں یہ کر کے دکھا دوں‌گا۔ ہاں، کہنا یہ ہے کہ ان چار دنوں کے اندر میں بالکل ہی بدل چکا ہوں، قطعی، بالکل ایک سرے سے بدل گیا ہوں اور ابھی آپ کو سنائے دیتا ہوں۔ یہ تو خیر آگے کی بات ہے۔ فی‌الحال جو بات سب سے اہم ہے وہ ہیں یہ! یہ بیٹھی ہیں! موجود ہیں پھر! نتاشا، میری کبوتری۔ سلام میری پیاری!" اس نے نتاشا کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے اور زوروں میں اس کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں ان دنوں کتنا بےچینی سے یاد کیا ہے۔ لیکن چاہے کچھ بھی ہو جاتا ملنا ممکن ہی نہ تھا! میری جان، کوئی صورت اس کی ہو نہیں سکتی تھی۔ میری پیاری! ایسا لگتا ہے جیسے تم ذرا دبلی ہو گئی ہو اور یہ کیا پیلی پڑی ہوئی ہو!..."

اس نے مزے میں آ کر نتاشا کے ہاتھوں پر اپنے بوسوں کی تہہ چڑھا دی اور اپنی خوبصورت آنکھوں سے اسے للچا کے دیکھنے لگا جیسے دیکھنے سے جی نہ بھرا ہو۔ میں نے نتاشا پر نظر ڈالی

اور اس کے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ ہم دونوں کے خیالات
ایک ہی تھے کہ وہ ذرا بھی قصوروار نہیں ہے۔ اور ہاں، واقعی،
یہ بےتصور آدمی بھلا کب اور کیسے قصوروار قرار دیا جا سکتا
تھا؟ نتاشا کے زرد رخساروں پر ایک دم تیزی سے تمتماہٹ پھیل
گئی، جیسے سارا لہو اس کے دل سے کھنچ کر سر کو چڑھ گیا ہو۔
اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی اور اکڑ کے اس نے پرنس کو دیکھا۔
"مگر آخر کہاں... تم تھے کہاں... اتنے دن؟" اس نے تھمی
ہوئی اور رکتی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ بڑی مشکل سے سانس لے
رہی تھی جیسے ہانپ رہی ہو۔ خدا کی پناہ، نتاشا اسے کس قدر
چاہتی تھی!

"اصل بات یہ ہے کہ میں گویا قصوروار ہوں تمہارے سامنے۔
اور گویا کیا معنی — واقعی خطاوار ہوں۔ میں خود یہ جانتا ہوں
اور یہی جان کر تو آیا بھی ہوں۔ کاتیا مجھ سے کل بھی کہتی
تھی اور آج بھی کہا کہ کوئی عورت ایسی لاپروائی کو معاف نہیں
کر سکتی (اسے وہ سب معلوم ہے جو کچھ منگل کے روز یہاں ہوا۔
میں نے دوسرے ہی دن بتا دیا تھا)۔ میں نے کاتیا سے بحث کی
اور کہا کہ کیوں نہیں۔ ایک عورت تو ضرور ایسی ہے جو
معاف کر سکتی ہے اور اس کا نام ہے نتاشا۔ اور غالباً ساری دنیا
میں ایک ہی عورت اور ہے جو اس بات میں اس کی ہمسر ہو
سکتی ہے، یعنی کاتیا۔ میں یہاں لازماً یہ جان کے آیا ہوں کہ اس
شرط میں میری جیت رہی۔ کیا تم جیسی فرشتہ سیرت لڑکی مجھے
معاف کرنے سے انکار کر دے گی؟ 'اگر وہ نہیں آیا ہے تو کوئی
بات ایسی ضرور ہوگی جس نے روک لیا، ورنہ یہ تھوڑئی ہو سکتا
ہے کہ وہ مجھ سے محبت نہ کرتا ہو' — میری نتاشا نے یوں ہی سوچا
ہوگا! بھلا میں اپنے دل سے تمہاری محبت کیسے نکال سکتا ہوں؟
ممکن ہے یہ؟ میرا دل تم سے ملنے کو ایسا تڑپتا رہا ہے۔ بہرحال
قصور میرا ہی ہے۔ لیکن جب تم کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا
تو سب سے پہلے تم ہی مجھے حق بجانب سمجھوگی۔ میں ابھی
سب بتائے دیتا ہوں۔ میں تم لوگوں کے سامنے اپنا دل نکال کے
رکھ دوں گا۔ اسی لئے آیا ہوں۔ میں آج ادھر سے ہوتا ہوا گزرنا
چاہتا تھا (صرف آدھے منٹ کی فرصت تھی مجھے) تاکہ اڑتا ہوا
پیار کرتا چلوں تمہیں لیکن اس کا بھی موقع نہیں ملا۔ کاتیا نے مجھے

ایک ضروری کام سے اپنے ہاں فوراً جھٹ پٹ بلوا لیا۔ یہ اس وقت کی
بات ہے جب میں گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو رہا تھا اور بابا تم
نے مجھے دیکھا۔ اس دفعہ میں دوسری بار، دوسرے رقعے پر کاتیا
کے ہاں جا رہا تھا۔ تم جانو، ہمارے ہاں آجکل سارے سارے
دن قاصد ایک گھر سے دوسرے گھر دوڑتے رہتے ہیں۔ ایوان
پترووچ، آپ کا پرزہ مجھے کل رات پڑھنے کا موقع ملا۔ آپ نے اس
میں جو کچھ لکھا تھا بالکل قطعی اور صحیح لکھا تھا۔ مگر کیا
کیا جائے — جسمانی طور پر ناممکن تھا۔ تو میں نے سوچا، اچھا
کل رات کو میں اپنے اوپر سے سب الزام ہٹا دوں گا۔ کیونکہ آج
رات کو تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ نتاشا تمہارے ہاں میں نہ
پہنچتا۔"

"وہ پرزہ بھلا کیسا تھا؟" نتاشا نے سوال کیا۔

"یہ میرے ہاں آئے تھے۔ میں ملا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے
اپنے پرزے میں اس پر کہ میں تمہارے پاس نہیں آیا مجھے سخت
سست کہا اور لکھ کر وہاں رکھ آئے۔ انہوں نے بالکل صحیح
کیا۔ کل کی بات ہے یہ۔"

نتاشا نے مجھ پر نظر ڈالی۔

"لیکن اگر تمہارے پاس اتنا وقت تھا کہ صبح سے شام تک
کاتیرینا فیودوروونا کے پاس رہو تو..." پرنس نے بات چھیڑی۔

"جانتا ہوں، میں جانتا ہوں جو تم کہنے والے ہو..." الیوشا
نے باپ کا جملہ کاٹا۔ "'اگر کاتیا کے پاس جاسکتا تھا تو اس
سے دو گنی وجہیں تھیں یہاں آنے کی'۔ ابا جان، میں تم سے بالکل
اتفاق رکھتا ہوں، بلکہ اور اپنی طرف سے بڑھاؤں گا کہ دوگنی ہی
کیوں، لاکھوں کروڑوں گنی وجہیں تھیں یہاں پہنچنے کی! لیکن
اول بات یہ ہے کہ زندگی میں، تم جانو، عجیب عجیب اور انجانے
واقعات پیش آجاتے ہیں جو ہر چیز میں رکاوٹ ڈال دیتے ہیں
اور سب کچھ الٹ پلٹ کے رکھ دیتے ہیں۔ کچھ اسی قسم کی
صورتیں مجھے پیش آ گئیں۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں نا کہ ان
دنوں میں بالکل بدل گیا، قطعی بدل گیا، سر سے پاؤں کے ناخون
تک۔ اس کا مطلب ہوا کہ جو صورتیں پیش آئیں وہ نہایت اہمیت
رکھتی تھیں!"

"افوہ، توبہ ہے، مگر ہوا کیا تمہارے ساتھ؟ اچنبھے میں مت

ڈالیے دیکھو براہ مہربانی!،، نتاشا اس کے جوش و خروش پر مسکراتے ہوئے چیخی۔

واقعی اس کی حالت کچھ مضحکہ انگیز تھی۔ وہ جلدی مچا رہا تھا اور جلدی کے مارے منہ سے الفاظ ایسے پرواز کر رہے تھے کہ اکثر ان میں ربط تک نہیں ہوتا تھا جیسے اگزم بگزم بولے چلا جا رہا ہو۔ اسے بےقراری تھی کہ سب کچھ کہہ ڈالے، بولتا چلا جائے، بیان کر دے۔ لیکن بیان کرتے وقت نتاشا کا ہاتھ برابر تھامے ہوئے تھا اور اسے ہونٹوں تک لاتا تھا جیسے پیار کر ہی نہیں چکتا۔

''اصل بات وہی ہے کہ مجھے پیش کیا آیا،، الیوشا نے کہنا جاری رکھا۔ ''اوف، میرے عزیزو! کیا میں نے دیکھا، کیا میں نے کیا۔ کیسے کیسے لوگوں کو جانا! پہلے کاتیا کو ہی لے لیجئے — وہ سراپا کمال ہے۔ میں اب تک اسے قطعی بالکل نہیں سمجھا تھا۔ اس روز منگل کو جب میں نے، نتاشا تمہیں یاد ہے، اس کے بارے میں بتایا تھا اس جوش و خروش کے ساتھ، اس وقت بھی میں کاتیا کو قطعی نہیں سمجھا تھا۔ تب بھی اس نے اپنا اصلی چہرہ مجھے نہیں دکھایا تھا۔ لیکن اب تو ہم ایک دوسرے کو پوری طرح سمجھ گئے ہیں اور تکلف اٹھ گیا ہے اس حد تک کہ آپس میں الیوشا اور کاتیا کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ مگر میں شروع سے ہی کہوں گا۔ اول تو یہ کہ نتاشا کاش تم وہ سب کچھ سن سکتیں جو کاتیا نے اس روز تمہارے بارے میں کہا — بدھ کا دن تھا — جب میں نے اسے یہاں کا تمام قصہ سنایا... ہاں یہ کہتا چلوں کہ بدھ کو میں تمہارے سامنے سچ مچ بالکل ہی بےوقوف بنا جب اس روز صبح کے وقت ملنے آیا تھا۔ تم تو بڑے تپاک سے مجھ سے ملیں، ہمارے لئے جو نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی اس کی وجہ سے تم میں تو نئی حرارت تھی اور اس پورے معاملے کے بارے میں بات چیت کرنا چاہتی تھیں، تم اداس بھی تھیں مگر ساتھ ساتھ مزے میں تھیں اور مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرنے پر تلی ہوئی تھیں اور میں تھا کہ خود کو بہت لئے دئے اور روکے ہوئے۔ اوف، کیا حماقت ہوئی ہے۔ سخت بےوقوفی! یقین کرنا میری بات کا — میں یہ جتانا چاہتا تھا اور اس بات پر اکڑا ہوا تھا کہ عنقریب شوہر بن جاؤں گا یعنی ایک ذمہ دار آدمی۔ اور اس کی اکڑ بھی جتانے

چلا تو کس کے سامنے — تمہارے سامنے! اوف، تم مجھ پر اس وقت کتنا ہنسی ہوگی، اور واقعی میری حرکت ایسی تھی کہ میرا مذاق اڑایا جاتا!،،

پرنس خاموش بیٹھا تھا اور کسی فاتحانہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ الیوشا کو تکے جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے اس بات کی خوشی ہے کہ بیٹا اپنے آپ کو اس قدر کچے ذہن کا بلکہ حماقت کی پوٹ ظاہر کر رہا ہے۔ میں اس رات پرنس کو بہت غور سے دیکھتا رہا اور قطعی اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ اگرچہ پدرانہ شفقت کی کتنی ہی باتیں بنائی گئی ہوں لیکن اس شخص کو اپنے بیٹے سے ذرا بھی محبت نہیں۔

''میں یہاں سے کاتیا کے ہاں پہنچا،، الیوشا نے اپنا قصہ پھر انڈیلا۔ ''میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ صرف اس دن جا کے ہم دونوں نے ایک دوسرے کو ٹھیک طرح سمجھا۔ مگر یہ ہوا کیسے، عجیب بات ہے... بلکہ یاد تک نہیں... کچھ محبت بھرے لفظ، کچھ جذبات، خیالات جو بےتکلفانہ ظاہر ہوئے اور بس، ہم دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ تمہیں کاتیا سے ملنا ہوگا، سمجھیں، واقعی نتاشا، تمہیں اس سے ملنا چاہئے۔ کیسے اس نے ہر بات کھول کر، سمجھا کر، ایک ایک بات صاف کر کے مجھے جتایا کہ تم کیا ہو، میرے لئے کیسا خزانہ ہو! رفتہ رفتہ اس نے مجھ پر اپنے خیالات ظاہر کئے اور زندگی کے متعلق تمام اپنے تصورات مجھے بتائے۔ کیا سنجیدہ، کتنے جوشیلے دل و دماغ کی لڑکی ہے! اس نے فرض کی بات کی، زندگی کے مقصد کی گفتگو کی، یہ کہا کہ ہمیں کس طرح انسانیت کی خدمت کرنی چاہئے۔ اور کوئی پانچ چھ گھنٹے کے تبادلۂ خیالات کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے سے بالکل متفق ہو گئے۔ بات اس عہد و پیمان پر ختم ہوئی کہ ہمارے درمیان ہمیشہ دوستی برقرار رہے گی اور ساری زندگی مل کر کام کریں گے۔،،

''کام — کس معنی میں؟،، پرنس نے تعجب سے پوچھا۔

''میں اس قدر بدل گیا ہوں والد بزرگوار کہ تم کو واقعی ان باتوں سے حیرت ہوگی۔ میں تمہارے دل کی باتوں کو پہلے سے ہی جانتا ہوں،، الیوشا نے ایک دھمک کے ساتھ جواب دیا۔ ''آپ سب دنیادار لوگ ہیں۔ آپ کے پاس محض دقیانوسی اصول ہیں —

گمبھیر اور بےدرد۔ آپ لوگ ہر نئی چیز کو، جو بھی نئی اور اچھوتی ہے، ہر اس چیز کو بےاعتباری سے، ناگواری سے اور نفرت سے دیکھتے ہیں۔ مگر میں اب وہ بالکل نہیں رہا ہوں جو تم مجھے چند روز پہلے تک سمجھتے رہے ہو۔ اب میں بالکل مختلف ہو چکا ہوں! اب میں دنیا میں ہر چیز کو اور ہر ایک کو آنکھ چار کرکے سامنے سے دیکھتا ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ میرا عقیدہ درست ہے تو میں اس عقیدے کے لئے آخری حد تک چلا جاؤں گا۔ اور اگر میں اپنے راستے سے ڈگمگاتا نہیں ہوں تو ایمان‌دار ہوں۔ میرے لئے بس، اسی قدر کافی ہے۔ اب آپ اس کے بعد جو چاہیں کہے جائیں۔ مجھے اپنے اوپر پکا اعتقاد ہے۔"

"افوہ"، پرنس نے اس پر چھینٹا مارتے ہوئے کہا۔

نتاشا نے ہم کو بےچینی سے دیکھا۔ اسے الیوشا کی طرف سے فکر تھی۔ اکثر ایسا ہوا کہ الیوشا بولنے پر آتا تو ایسی باتیں بھی اس کے منہ سے نکل جاتیں جو اس کے حق میں اچھی نہ ہوتی تھیں۔ اور وہ اس بات کو جانتی تھی۔ اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ الیوشا ہمارے مذاق کا نشانہ بنے اور وہ بھی خاص طور پر اس وقت جب کہ باپ بیٹھا ہے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو، الیوشا؟ بھلا کیا فلسفے کی باتیں چھانٹ رہے ہو"، نتاشا نے ٹوکا۔ "کسی نے تمہیں سکھا پڑھا دیا ہے، میں جانوں... بہتر ہو کہ تم ہمیں یہ بتا دیتے کہ کرتے کیا رہے اتنے دن؟"

"یہی تو بتا رہا ہوں!"، الیوشا چلایا۔ "سنو، کاتیا کے دو رشتہ‌دار ہیں دور کے۔ دونوں دور کے رشتے سے بھائی لگتے ہیں — لیوینکا اور بورینکا۔ ان میں سے ایک طالب‌علم ہے، دوسرا محض ایک نوجوان ہے۔ ان سے کاتیا کے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اور دونوں واقعی غیرمعمولی آدمی ہیں۔ اصولی طور پر شاید ہی کبھی وہ کاؤنٹیس صاحبہ کے ہاں جاتے ہوں گے ورنہ نہیں۔ جب کاتیا کی اور میری بات ہوئی انسان کے فرائض کے بارے میں، مقصدحیات کے بارے میں وغیرہ — تو اس نے مجھ سے ان رشتہ‌داروں کا ذکر کیا اور ان کے نام فوراً پرزہ لکھ کر دیا۔ میں ایک دم ان لوگوں سے ملنے دوڑا۔ اور اسی شام کو ان سے میری بہت گاڑھی دوستی ہو گئی۔ ان کے ہاں کوئی درجن بھر آدمی تھے — طالب‌علم،

افسر، آرٹسٹ۔ ایک ان میں سے ادیب بھی تھا۔ سب آپ سے واقف ہیں، ایوان پتروورچ۔ یعنی آپ کی تصانیف پڑھ چکے ہیں اور مستقبل میں آپ سے بہت امیدیں رکھتے ہیں۔ خود انہوں نے مجھ سے یہ بات کہی۔ میں نے بتایا کہ آپ سے میری ملاقات ہے اور انہیں آپ سے ملانے کا وعدہ بھی کر لیا۔ ان سب لوگوں نے مجھ سے بےتکلفانہ تپاک برتا، بھائی کی طرح۔ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ جناب عن‌قریب میں ایک شادی‌شدہ آدمی ہو جاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے میرے ساتھ شادی شدہ آدمی کا سا برتاؤ کیا۔ وہ سب کے سب پانچویں منزل پر رہتے ہیں، بالکل آخری منزل پر۔ اکثر ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں، عام طور پر بدھ کے دن، لیوینکا اور بورینکا کے مکان پر۔ وہ سب کے سب تازہ‌دم نوجوان ہیں جن میں انسانیت کی خدمت کی بڑی زبردست امنگ پائی جاتی ہے۔ ہم لوگ آپس میں حال کے متعلق، مستقبل کے متعلق، سائنس اور ادب کے متعلق بات کرتے رہے۔ ایسے مزے کی باتیں ہوئیں، ایسی بےتکلفی اور سادگی سے کہ بس... ایک ہائی اسکول کا طالب‌علم بھی وہاں آتا ہے۔ دیکھنے کے قابل ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے سے کس طرح پیش آتے ہیں۔ کتنے نیک‌سیرت شریف لوگ ہیں یہ! اس سے پہلے کبھی اس قسم کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ میں اس تمام عرصے کہاں رہا؟ کیا میں نے دیکھا؟ کس ماحول میں پلا بڑھا؟ نتاشا، اکیلی تم ہو جس نے مجھ سے کبھی اس قسم کی بات کی تھی۔ ہائے نتاشا، تم کو تو ان لوگوں سے ملنا ہی چاہئے۔ کاتیا انہیں پہلے سے جانتی ہے۔ وہ لوگ بھی اس کا ذکر بڑی عقیدت اور احترام سے کرتے ہیں۔ اور کاتیا نے لیوینکا اور بورینکا ان دونوں سے پہلے ہی کہہ رکھا ہے کہ جیسے ہی وہ بالغ ہوگی اور رقم ہاتھ میں آجائے گی تو اپنی دولت میں سے دس لاکھ روبل فوراً اس مشترک مقصد کے لئے نذر کر دے گی۔"

"اور میں سمجھتا ہوں کہ لیوینکا اور بورینکا اور ان کی ساری ٹولی اس دس لاکھ کی رقم کو اپنی نگرانی میں لے لے گی؟"، پرنس نے پوچھا۔

"یہ صحیح نہیں ہے۔ بالکل بےجا بات ہے۔ اس طرح سے بات کرنا بالکل بےجا ہے ابا جان!"، الیوشا گرم ہوکر چیخ پڑا۔ "میں

قیاس کر سکتا ہوں کہ آپ اپنی جگہ کیا سوچ رہے ہیں! ہم اس دس لاکھ کی رقم کے بارے میں یقیناً کافی بات‌چیت کر چکے ہیں اور پھر طے کیا گیا ہے کہ کیونکر اسے مناسب طور پر خرچ کیا جائے۔ آخر میں فیصلہ ہوا ہے کہ سب سے پہلے سماجی بیداری کے کام پر یہ روپیہ لگایا جائے...‘‘

’’میں بھی واقعی اب تک کاتیرینا فیودوروونا سے ٹھیک طرح واقف نہیں تھا،‘‘ پرنس نے گویا اپنے آپ سے کہا لیکن اب بھی اس کے لہجے میں تمسخر بھری مسکراہٹ موجود تھی۔ ’’میں ان کی ذات سے اور بہت سی باتیں وابستہ کرنے کو تیار تھا — یہ صحیح ہے۔ مگر ایسی بات...‘‘

’’کیوں، ایسی کیا بات؟‘‘ الیوشا بیچ میں بول پڑا۔ ’’آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی بےجوڑ بات ہے؟ کیونکہ یہ آپ کے مقررہ دستور سے الگ پڑتی ہے؟ کیونکہ آج تک کسی نے دس لاکھ کی رقم اس طرح چندے میں نہیں دی ہے۔ اور وہ دے دےگی، یہی نا؟ تو پھر کیا ہوا اگر وہ دوسروں کی مصیبت سے اپنی راحت نہیں سمیٹنا چاہتی، کیونکہ لاکھوں کی اس رقم پر زندگی بسر کرنے کے معنی ہیں دوسروں کی مصیبت سے اپنی راحت سمیٹنا (یہ بات مجھے حال میں ہی معلوم ہوئی ہے)۔ وہ چاہتی ہے کہ اپنے ملک کے اور دوسروں کے کام آئے اور اپنی دولت کا ایک حصہ عام فائدے کے کام میں لگا دے۔ ہم نے اسکول کی کتابوں میں خیرات کے پیسوں کا ذکر پڑھا تھا لیکن یہ کیا کہ جب لاکھوں کی رقم خیرات میں دینے کا سوال آ گیا تو بات ہی کچھ اور ہو گئی؟ تو پھر جس دانش‌مندی پر مجھے اس قدر اعتقاد تھا، اس میں کیا دھرا ہے؟ کچھ نہیں۔ تم اس طرح میری صورت کیوں تک رہے ہو ابا جان؟ جیسے تم کسی مسخرے کو، بےعقل آدمی کو دیکھ رہے ہو! اور اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے اگر میں کوئی مسخرا بےعقل ہوں۔ نتاشا، تمھارے سننے کے قابل تھا کاتیا نے اس بارے میں جو کچھ کہا۔ اس نے کہا کہ 'عقل ہی سب سے اہم شے نہیں ہے۔ بلکہ سب سے اہم ہے وہ جو عقل کی رہنمائی کرتا ہے — یعنی کردار، دل، عالی‌ظرفی کی صلاحیتیں، ارتقا'۔ اس سلسلے میں بیزمیگین کا قول‌فیصل بہت اہمیت رکھتا ہے۔ بیزمیگین یہ لیونکا اور بورینکا کا ملنےوالا ہے اور ہمارے درمیان وہ نہایت

صاحب‌عقل اور عالی‌دماغ انسان ہے۔ کل ہی کی بات ہے کہ دوران گفتگو میں وہ بولا 'بےوقوف جو خود اعتراف کر لے کہ وہ بےوقوف ہے، بےوقوف نہیں رہ جاتا!' واہ کیا حقیقت بیان کر دی ہے بیزمیگین نے! ہر منٹ اس کے منہ سے اس طرح کی باتیں نکلتی ہیں۔ وہ صداقتیں بکھیرتا ہے۔‘‘

’’یہ تو واقعی عالی‌دماغ ہونے کی نشانی ہے،‘‘ پرنس نے جملہ کسا۔

’’تم پھر مجھ پر ہنس رہے ہو۔ لیکن تمھاری زبان سے تو میں نے کبھی ایسی بات نہیں سنی۔ اور آپ ہی کیا، آپ کے دوستوں میں سے بھی کسی کی زبان سے کبھی ایسی بات سننے میں نہیں آئی۔ بلکہ اس کے برخلاف ایسا لگتا ہے کہ آپ کے حلقے کے لوگ ان باتوں کو چھپاتے ہیں۔ جیسے یہ تمام باتیں زمین کے برابر کر دی گئی ہوں تاکہ تمام صورتیں، تمام ناکیں ایک ہی قسم کے ڈھروں پر چلتی رہیں، کچھ خاص قسم کے اصولوں کی پیروی کریں — جیسے یہ ممکن ہے! جیسے یہ ان باتوں کے مقابلے میں ہزار بار ناممکن نہ ہو جن پر ہم گفتگو کرتے ہیں، جن کو ہم سوچتے ہیں۔ اس کے باوجود الٹا ہم کو ہی یوٹوپین (خیالی دنیا بسانےوالے) کہا جاتا ہے۔ کاش تم سنتے کہ کل ان سے میری کیا باتیں ہوئی ہیں...‘‘

’’ہاں، تو خیر، تم سناؤ الیوشا، کس چیز کے بارے میں باتیں ہوئیں، کیا سوچا گیا؟ میں ابھی تک اچھی طرح نہیں سمجھ رہی ہوں،‘‘ نتاشا بولی۔

’’عام طور پر ان تمام چیزوں کے بارے میں جو ترقی کی جانب، انسانیت کی طرف اور محبت کی سمت لےجاتی ہیں۔ آجکل کے مسائل کے تعلق سے۔ ہم آزاد پریس کے بارے میں، آنےوالی اصلاحات کے بارے میں، انسان‌دوستی کے بارے میں، موجودہ دور کی نمایاں شخصیتوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہم ان کی چھان‌بین کرتے ہیں، ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہم نے ایک دوسرے سے عہد کیا ہے کہ آپس میں بالکل کھل کر بات کریں‌گے اور اپنے متعلق ایک دوسرے سے کچھ بھی چھپا کر نہیں رکھیں‌گے، اس میں ذرا بھی ہچکچائیں‌گے نہیں۔ صرف صاف‌دلی، دوٹوک اظہار خیال ہی سے ہمارا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی پر بیزمیگین سب سے زیادہ کوشش کرتا ہے۔

میں نے اس کے متعلق دنیا کو بتایا، وہ بھی بیزمیگن سے پورا
اتفاق کرتی ہے۔ چنانچہ ہم سب نے بیزمیگن کی رہنمائی میں عہد
کیا ہے کہ تمام عمر ایمانداری اور کھلے پن سے کام لیں گے اور
کوئی چیز ہمیں اس راہ سے ہٹا نہ سکے گی، چاہے ہمارے بارے
میں لوگ کچھ ہی کہیں، کوئی بھی فیصلہ دیں، لیکن ہمارے
سر میں جو سودا ہے، جو ہم نے ٹھانی ہے، جو غلطیاں ہم سے
ہوں گی، ان سے بالکل شرمائیں گے نہیں، ہچکچائیں گے نہیں اور برابر
آگے بڑھتے جائیں گے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ دوسرے آپ کی
عزت کریں تو شرط اول ہے کہ آپ خود اپنی عزت کیجئے۔ صرف
اسی خودداری سے آپ دوسروں کو اپنی عزت کرنے پر مجبور
کر سکتے ہیں۔ بیزمیگن یہی بات کہتا ہے اور کاتیا اس سے مکمل
اتفاق کرتی ہے۔ اب ہم لوگ اپنے عقائد کے بارے میں عام طور
سے اعلان کرتے ہیں اور ہم نے طے کیا ہے کہ خود اپنے اوپر
کڑی نگاہ رکھیں گے اور اس کے ساتھ ہی ایک دوسرے کا جائزہ
بھی لیتے رہیں گے۔۔۔۔
"کیا بکواس کی جھڑی لگا دی ہے!" پرنس بے چینی سے چیخ پڑا۔
"اور یہ شخص بیزمیگن کون ہے؟ نہیں، اس معاملے کو یوں ہی
نہیں چھوڑا جا سکتا۔۔۔۔"
"کس کو یوں ہی نہیں چھوڑا جا سکتا؟" الیوشا نے ان کا جملہ
پکڑ لیا۔ "سنئے، ابا جان، یہ سب باتیں میں تمہارے سامنے اب
کیوں کہہ رہا ہوں؟ صرف اس لئے اور اس امید میں کہ تم کو
بھی اپنے حلقے میں لے آؤں۔ بلکہ میں نے تو تمہاری طرف سے بھی
وعدہ کر لیا ہے۔ تم ہنستے ہو، اچھا ہے۔ میں جانتا تھا کہ
تم ہنسی اڑاؤ گے۔ لیکن میری پوری بات تو سن لو۔ تم دل کے
اچھے اور عالی ظرف ہو۔ سمجھ لو گے۔ تم ابھی جانتے نہیں، ان
لوگوں سے ملے نہیں، ان کی باتیں نہیں سنیں تم نے۔ مانے لیتا ہوں
کہ تم نے یہ سب کچھ سنا ہوگا اور ان تمام معاملات کا مطالعہ بھی
کیا ہوگا، کیونکہ تم بڑے عالم فاضل آدمی ہو۔ لیکن اس کے
باوجود یہ بھی درست ہے کہ تم ان لوگوں سے نہیں ملے۔ کبھی
ان کے یہاں نہیں گئے ہو۔ تب بھلا ان کے بارے میں صحیح
فیصلہ کیسے کر سکتے ہو؟ تم نے صرف فرض کر لیا ہے کہ ان سے
واقف ہو۔ ان کے ساتھ رہو، ان کی بات سنو اور پھر، میں پیشگوئی کئے

دیتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ ہو جاؤ گے۔ اور سب سے بڑھ کر
یہ کہ جہاں تک میرا بس چلے گا میں اس کی کوشش کروں گا کہ
تم کو اس حلقے میں برباد ہونے سے بچاؤں جس سے تم نے خود کو
اس درجہ وابستہ کر رکھا ہے اور جو عقیدے تم نے بنا رکھے
ہیں ان سے تم کو نجات دلاؤں۔"
پرنس خاموشی سے اس جھپٹے کو سنتا رہا۔ ہونٹوں پر زہریلی
مسکراہٹ تھی اور چہرے پر نفرت کے آثار۔ نتاشا اسے یوں
دیکھ رہی تھی کہ صاف بے پردہ گھن ظاہر ہوتی تھی۔ پرنس نے
نتاشا کی اس کیفیت کو دیکھا ضرور، مگر انجان بن گیا۔ جوں ہی
الیوشا نے بات پوری کی باپ پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ وہ کرسی پر
ایسے گرا جیسے ضبط نہ کر پا رہا ہو۔ پھر بھی ہنسی قطعی طور
پر بناوٹی تھی، اصلی نہیں۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ صرف اس
لئے ہنس رہا ہے کہ جتنا ہو سکے اپنے بیٹے کو سخت سے سخت
کچوکہ دے اور اس کو ذلیل کرے۔ واقعی لیوشا پر مردنی
چھا گئی۔ اس کے چہرے پر انتہائی غم و غصے کی کیفیت طاری
ہو گئی۔ لیکن وہ صبروسکون سے کام لیتا رہا جب تک کہ باپ
کا ہنسی ٹھٹھا ختم نہیں ہو گیا۔
"ابا جان، تم کس وجہ سے ہنس رہے ہو مجھ پر؟" اس نے
رنج سے پوچھا۔ "میں نے تو سیدھے صاف طریقے سے تمہاری طرف
قدم بڑھایا۔ اگر میں تمہاری رائے میں حماقت کی بات کر رہا
تھا تو غلطی کو درست کر دو لیکن مجھ پر ہنسو مت۔ اور اس
میں ہنسنے کی بھلا کیا بات؟ وہ بات جو میرے لئے اب مقدس اور
قابل قدر بن چکی ہے؟ اچھا، فرض کر لو — میں غلطی پر ہوں، جو
کچھ میں نے کہا وہ سب فضول احمقانہ بات ہے، مان لو کہ میں
نہایت کند ذہن اور عقل سے عاری ہوں جیسا کہ تم کئی بار خود کہہ
چکے ہو، لیکن غلطی بھی کروں تب بھی ایمانداری اور صدق دل
سے کر رہا ہوں۔ میں نے اپنی عزت و شرافت کو تو نہیں کھویا۔
مجھے اعلیٰ خیالات کی قدر ہے۔ وہ چاہے غلط ہی ہوں لیکن ان کی
بنیاد پاک پاکیزہ ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تم نے یا
تمہارے لوگوں نے کبھی مجھ سے اس قسم کی کوئی بات نہیں
کی، جو مجھے راہ راست پر لگا سکتی یا اپنی طرف کھینچ سکتی۔ تم
انہیں رد کر دو، ان کی کہی ہوئی باتوں کے مقابلے میں بہتر

باپ بنوؤ اور میں تمہارے پیچھے پیچھے چلوں گا۔ لیکن مجھ پر ہنسو نہیں کیونکہ اس سے مجھے قلق ہوتا ہے۔،،

الیوشا نے یہ الفاظ نہایت شرافت اور ذرا اکھڑپن کی آن کے ساتھ کہے۔ نتاشا اسے ہمدردی سے دیکھتی رہی۔ پرنس نے بیٹے کی باتیں حیرت سے سنیں اور فوراً اپنا انداز تبدیل کر دیا۔

"میں ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں رنج پہنچاؤں، میرے عزیز،، پرنس نے جواب دیا "بلکہ اس کے برعکس مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ اب تم زندگی میں ایسا قدم اٹھانے کی تیاری میں ہو کہ تمہیں اس طرح کا منموجی لڑکا نہ ہونا چاہئے۔ میرے دماغ میں بھی ایک بات تھی۔ میں بے اختیار ہنس پڑا تھا اور میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ تمہاری تذلیل کروں۔،،

"تو پھر مجھے ایسا کیوں لگا؟،، الیوشا نے تلخی سے کہنا جاری رکھا۔ "مجھے بہت دنوں سے ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے کہ تم مجھے معاندانہ، بے رحمانہ تمسخر کی نظروں سے دیکھتے ہو اور وہ نظر نہیں ہے جس سے کوئی باپ اپنے بیٹے کو دیکھتا ہے۔ یہ آخر میں کیوں محسوس کرتا ہوں کہ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو میں اس طرح تمسخر کے ساتھ اپنے بیٹے پر نہ ہنستا جیسے اب تم مجھ پر ہنس رہے تھے۔ سنو، ہم ابھی کھلے طریقے سے صفائی کئے لیتے ہیں ہمیشہ کے لئے تاکہ آئندہ کسی قسم کی غلط فہمیاں ہمارے درمیان نہ رہ جائیں۔ اور... میں تم سے تمام سچ سچ کہہ دینا چاہتا ہوں — جب میں نے یہاں قدم رکھا تو مجھے ایسا لگا کہ یہاں پر بھی کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہے۔ آپ لوگ مجھ سے اس طرح نہیں ملے جیسے امید تھی مجھ کو۔ ہے یہ بات یا نہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم میں سے ہر ایک جو کچھ محسوس کر رہا ہے اسے صاف طور سے بیان کر دے۔ صاف گوئی سے کتنا شر دور ہو سکتا ہے!،،

"بولو، بولو الیوشا،، پرنس نے کہا۔ "تمہارے سامنے جو تجویز تم رکھ رہے ہو، وہ دانشمندی کی ہے۔ شاید ہمیں اسی سے شروع کرنا چاہئے تھا،، اس نے نتاشا پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"تو اتنی میری بھرپور صاف گوئی کا برا نہ ماننا،، الیوشا نے کہنا شروع کیا۔ "تم خود بھی چاہتے ہو اور تم ہی اس کی فرمائش کر رہے ہو۔ چلو تو سنو۔ تم نتاشا سے میری شادی

ہو جانے پر راضی ہو۔ تم نے ہمیں یہ خوشی عطا کی اور اس کی خاطر خود اپنے جذبات کو دبا دیا۔ تم نے عالی حوصلگی دکھائی اور ہم سب اس شریفانہ رویے کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ تو پھر اب تم کچھ مزا لے کر لگاتار کیوں اشاروں کنایوں میں کہتے رہتے ہو کہ میں ابھی تک ایسا لڑکا ہوں جس کا مذاق اڑایا جائے اور اس قابل نہیں کہ شوہر بن سکوں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایسا لگتا ہے جیسے تم نتاشا کی نظر میں میری توہین کر رہے ہو اور مجھے بے وقوف دکھا رہے ہو بلکہ ذلیل کر رہے ہو۔ تم کو ہمیشہ اس میں مزا آتا ہے کہ تمہارے ہاتھوں احمق نظر آؤں۔ یہ بات میں نے اسی وقت نہیں دیکھی بلکہ بہت دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ گویا تم کسی وجہ سے جتانا چاہتے ہو کہ لو، دیکھو، تم دونوں کی شادی بالکل بے جوڑ اور احمقانہ ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے۔ واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم جو ہمیں بتا رہے ہو، خود تم کو اس کا یقین نہیں ہے اور گویا تم خود ہی اس معاملے کو مذاق سمجھ رہے ہو، کوئی خواہ مخواہ کا خیالی پلاؤ اور مضحکہ خیز ہوائی قلعہ خیال کرتے ہو۔ جو کچھ آج تم نے کہا، میں صرف اسی سے یہ نتیجہ نہیں نکال رہا ہوں۔ بلکہ اسی روز منگل کی رات کو، جب میں یہاں سے لوٹ کر تمہارے پاس گیا ہوں تو میں نے تمہاری زبان سے عجب قسم کے کچھ جملے سنے، جنہیں سن کر حیرت بھی ہوئی اور تکلیف بھی۔ بدھ کے دن بھی جب تم باہر جا رہے تھے تو تم نے ہماری موجودہ پوزیشن کے بارے میں کچھ اشارے کنایے کئے، نتاشا کے متعلق بھی کچھ کہا جو توہین آمیز تو نہیں تھا بلکہ بالکل اس کے برعکس۔ مگر ویسا بھی نہیں تھا جیسا میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ بس یوں ہی سطحی بات، جس میں محبت یا جذبے کا یا نتاشا کے لئے دل میں عزت کا کوئی شائبہ نہ تھا... اسے بیان کرنا مشکل ہے مگر اندازہ یہی بتاتا تھا۔ دل سمجھتا ہے۔ اچھا کہہ دو کہ میں غلطی پر ہوں۔ میرا وسوسہ دور کر دو۔ میرے دل سے یہ کانٹا نکال دو۔ اور... اور نتاشا کے دل سے بھی — کیونکہ تم نے اس کو بھی رنج پہنچایا ہے۔ یہ میں نے پہلی نظر میں تاڑ لیا تھا جیسے ہی اندر قدم رکھا ہے...،،

الیوشا نے یہ باتیں جذبے اور عزم سے کہیں۔ نتاشا اس کی

گفتگو سنجیدگی کے ساتھ سنتی رہی اور اس کا چہرہ اندرونی اضطراب
سے دمکتا رہا۔ تقریر کے دوران ایک آدھ بار اس کے منہ سے دبی
آواز نکل گئی — ''بالکل سچ ہے، صحیح ہے!''

پرنس سناٹے میں آگیا۔

''میرے عزیز،'' اس نے جواب دیا ''مجھے وہ سب تو یاد نہیں
رہ سکا جو میں نے تم سے کہا لیکن یہ عجیب لگ رہا ہے کہ تم
نے میری باتوں کا یہ مطلب نکالا۔ خیر، جس طرح بھی مجھ سے ہو
سکے، میں تمہاری تشفی کر سکتا ہوں۔ اگر میں اس وقت تم پر
ہنس رہا تھا تو اس کی وجہ ظاہر ہے، سمجھ میں آسکتی ہے۔ میں
معمولاً [illegible] اس ہنسی سے میں چاہتا تھا کہ اپنے اندر کی ناگواری
تم پر ظاہر نہ ہونے دوں۔ جب خیال کرتا ہوں کہ تم شوہر
ہونے والے ہو تو یہ بات اس قدر ممکن سے باہر، اتنی واہیات اور
بےمعنی اور اس قدر، معاف کرنا ان الفاظ کو، مضحکہ‌خیز معلوم ہوتی
ہے۔ تم اس ہنسی پر مجھے قصوروار ٹھیراتے ہو اور میں کہتا
ہوں کہ یہ سب تمہاری بدولت ہے۔ خطا میری بھی ہے — غالباً
ادھر کچھ عرصے سے تم پر میری نظر کچھ کم رہی اور اسی لئے
اب جاکر کہیں آج شام مجھے پتہ چلا کہ تم میں کیا کچھ کر
گزرنے کی اہلیت ہے۔ اور اب تو مجھے اس تصور سے ہی ڈر
لگتا ہے کہ تمہارے ساتھ نتالیا نکولائیونا کا مستقبل کیسا گزرے گا۔
میں نے ذرا جلدی کی۔ مجھے صاف نظر آتا ہے کہ تمہارا دونوں
کا کوئی جوڑ نہیں۔ محبت تو ہمیشہ گزران ہوتی ہے مگر
بےجوڑپن ہمیشہ کے لئے باقی رہ جاتا ہے۔ میں اکیلے تمہاری قسمت
کا ہی رونا نہیں رو رہا ہوں بلکہ اگر تمہارے ارادے اس درجہ
شریفانہ ہیں تو تم اپنے ساتھ نتالیا نکولائیونا کو بھی لے ڈوبوگے،
قطعی لے ڈوبوگے! اب تم کوئی گھنٹہ بھر سے انسانیت کی محبت،
شرافت کی بلندی، ان شریف آدمیوں کا تذکرہ، جن سے تمہاری
نئی نئی دوستی ہوئی ہے، لئے بیٹھے ہو، لیکن ایوان پتروویچ سے
پوچھو کہ ابھی اس بیہودہ زینے پر چوتھی منزل تک چڑھتے ہوئے میرے
منہ سے کس قدر [illegible] جب میں اوپر دروازے تک پہنچا ہوں
تو خدا کا شکر ادا کیا کہ جسم و جان تو سلامت بچ گئے۔ تم
جانتے ہو، مجھے خودبخود کیا خیال آیا اس وقت؟ مجھے اس پر
حیرت ہو گئی کہ نتالیا نکولائیونا سے تم تو محبت کرتے ہو تم

اور اس کے باوجود انہیں اس قسم کے مکان میں رکھ چھوڑا ہے۔
یہ کیونکر ہوا کہ تمہیں اس کا خیال نہ آیا کہ اگر تمہارے
پاس کوئی سبیل نہ ہو اور تم اس حالت میں نہ ہو کہ اپنا فرض
ادا کر سکو تو تم کو اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ شوہر
بن سکو اور ذمہ داریاں اپنے سر لے سکو۔ صرف محبت کرنا ہی
نہیں ہے۔ بلکہ محبت کو عمل میں ظاہر ہونا چاہئے۔ لیکن
تمہارا عقیدہ یہ معلوم ہوتا ہے — 'میرے ساتھ رہو چاہے ساتھ رہنے
میں بھگتنا ہی کیوں نہ پڑے'۔ یہ کوئی انسانیت نہیں ہے، تم
جانو، کوئی شریفانہ عمل نہیں ہے۔ ساری دنیائے انسانیت سے
محبت کی باتیں بنانا، سنسار بھر کے مسائل پر جوش و خروش
دکھانا اور اسی کے ساتھ خیال تک کئے بغیر محبت کے خلاف جرم
کرنا۔ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا! آپ، نتالیا نکولائیونا، میری
بات نہ کاٹئے گا، مجھے اپنی بات پوری کر لینے دیجئے۔ میں اپنے دل
کی بھڑاس نکال لوں جو محسوس کرتا ہوں، کہہ ہی ڈالوں۔ الیوشا،
تم ابھی ہم سے کہہ رہے تھے کہ پچھلے چند دنوں میں تمہاری
رغبت ہر اس چیز کی طرف ہو گئی ہے جو شریفانہ ہے، عمدہ
ہے اور منصفانہ ہے، اور مجھے ملامت کر رہے تھے کہ ہماری
سوسائٹی میں اس قسم کی کوئی کشش موجود نہیں ہے۔ وہاں
لے دے کے صرف دو اور دو چار کی عقلیت ہے اور بس۔ اچھا تو
اب دیکھو — اونچی اعلی درجے کی اور نفیس چیزوں سے تو رغبت
ہو آدمی کو اور اس کے بعد منگل کو جو کچھ ہوا تھا اسے اب
چار دن ہو گئے۔ چار دن سے اس ہستی کو نظر انداز کردیا
جائے جو غالباً دنیا میں تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہونی چاہئے۔
تم خود اس حد تک اپنی زبانی کہہ چکے ہو کہ تم نے کاتیرینا
فیودوروونا سے بحث کی کہ نتالیا نکولائیونا اس قدر تمہیں چاہتی
ہیں اور اتنی عالی‌ظرف ہیں کہ تمہارے غلط رویے کو معاف
کر دیں گی۔ مگر تمہیں کیا حق ہے کہ ان کی طرف سے معافی
کی امید رکھو اور اس پر شرط لگاتے پھرو۔ اور کیا یہ ممکن ہے
کہ تمہیں ایک بار بھی یہ خیال نہ آیا ہو کہ کتنے تلخ خیالات،
کتنے شکوک و شبہات اور بدگمانیاں ان دنوں تم نے نتالیا نکولائیونا
کے دل میں پیدا کی ہوں گی؟ کیا، تم یہ سمجھتے ہو کہ چونکہ
کچھ نئے خیالات نے تمہارے تخیل کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے

میں نے ولیٰ فرض کی طرف سے غفلت برتنے کا حق مل گیا تمہیں؟
آپ مجھے معاف کیجئے نتالیا نکولائیونا کہ میں اپنے وعدے سے
مکر رہا ہوں۔ لیکن موجودہ صورت‌حال کسی بھی وعدے سے کہیں
زیادہ اہم ہے۔ یہ آپ خود اپنی جگہ محسوس کریں گی... الیوشا،
کیا تم جانتے ہو کہ میں نے نتالیا نکولائیونا کو اس کرب کی
حالت میں دیکھا اور دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا کہ تم نے ان چار
دنوں میں ان کی زندگی کو جہنم بنا دیا جو ان کے لئے بہترین
خوشیوں کے دن ہونے چاہئیں۔ ایک طرف تو تمہارا یہ برتاؤ، یہ
عمل ہے، اور دوسری طرف — الفاظ، الفاظ اور الفاظ... بتاؤ کیا میں
حق بجانب نہیں ہوں؟ اور اس کے بعد، جب کہ خود تم ہر
طرف سے قصوروار ٹھہرتے ہو، مجھے الزام دیتے ہو؟"
پرنس کہہ چکا۔ وہ اپنے زورِ بیان سے خود ہی محظوظ ہو
اور اپنا فاتحانہ اصرار ہم سے چھپ نہیں سکا۔ جب الیوشا نے نتاشا
کی بات سنی تو اس نے درد بھری نظر سے نتاشا کو دیکھا، لیکن
نتاشا پہلے ہی فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔
"بس، الیوشا، رنج نہ کرو،" نتاشا نے کہا۔ "دوسرے لوگ تم
سے زیادہ قصوروار ہیں۔ بیٹھ جاؤ اور سنو میں جو کچھ تمہارے
والد بزرگوار سے کہنے والی ہوں۔ وقت آ گیا ہے کہ قصہ ختم
کیا جائے!"
"ہاں ہاں، نتالیا نکولائیونا، جو کچھ جی میں ہے کہہ ڈالئے!"
پرنس نے جھک کر کہا۔ "میں آپ سے اصرار کرتا ہوں۔ میں
کوئی دو گھنٹے سے یہ پہیلیاں سن رہا ہوں، اور اب میری برداشت
سے باہر ہو رہا ہے۔ میں صاف کہے دیتا ہوں کہ مجھے یہاں
اس قسم کے خیرمقدم کی امید نہ تھی۔"
"شاید ایسا ہو۔ کیونکہ آپ نے سوچ لیا تھا کہ ہمیں لفظوں کے
طلسم میں گرفتار کر لیں گے اور آپ کی درپردہ نیت کی طرف ہمارا
دھیان ہی نہیں جائے گا۔ آپ سے کہنا کیا، آپ خود سب کچھ
جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ الیوشا صحیح کہتا ہے۔ آپ کی
اولین خواہش یہ ہے کہ ہم دونوں میں کینہ ڈال دی جائے۔ آپ
پہلے سے، بہت اچھی طرح سے اپنے دل میں جانتے تھے کہ منگل
کی شام کے بعد یہاں کیا ہونے والا ہے اور آپ ہی نے گویا انگلیوں
پر گن گن کر اس کا حساب لگایا تھا۔ میں آپ سے پہلے ہی

کہہ چکی ہوں کہ آپ سنجیدگی سے نہ تو مجھے دیکھتے ہیں اور نہ
اپنی اس تجویز کو جو خود آپ کی طرف سے آئی۔ آپ ہم سے
مذاق کر رہے ہیں، کھیل رہے ہیں اور اپنا کام نکالنے پر تلے
ہوئے ہیں۔ کھیل آپ کا پکا ہے۔ لیونٹ بالکل حق بجانب تھا جب
اس نے آپ کو برا بھلا کہا کہ آپ اس پورے معاملے کو شیخ چلی
کی کہانی بنائے دے رہے ہیں۔ آپ کو تو چاہئے تھا کہ نہ
الیوشا کو ملامت کرتے، اور خوش ہوتے چاہئے تھا کہ اس نے
نجانے میں وہی سب کیا جو آپ اس سے توقع کرتے تھے۔"
میں حیرت سے پتھرا گیا۔ مجھے پہلے سے اندیشہ تھا کہ آج
کی شام کوئی نہ کوئی ہنگامہ برپا ہو کر رہے گا۔ لیکن نتاشا نے
جو کھل کر بےباکی سے اپنے جی کی کہہ ڈالی اور وہ بھی بےپردہ
توہین آمیز لب و لہجے میں، اس نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔
تو اسے ضرور کچھ نہ کچھ معلوم ہوگا، میں نے جی میں سوچا اور
تبھی اس نے اٹل فیصلہ کر لیا ہے کہ آر یا پار کر کے چھوڑے گی۔
ممکن ہے کہ نتاشا کو پرنس کی آمد کا بہت بےچینی سے انتظار
رہا ہو تاکہ جو کہنا ہے سب کچھ اس کے منہ پر کہہ ڈالے۔
پرنس کا چہرہ ذرا پیلا پڑ گیا۔ الیوشا کے چہرے سے ایک بےمعنی
خوف اور تکلیف‌دہ اندیشہ ٹپک رہا تھا۔
"ذرا آپ سوچئے تو، کس بات کا الزام ابھی ابھی آپ نے مجھے
دیا ہے!" پرنس ایک دم بول پڑا۔ "اچھا ہوتا کہ آپ اپنے الفاظ
پر ذرا غور کر لیتیں... میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"
"اوہو! تو آپ مختصر لفظوں میں سننے کو تیار نہیں ہیں"
نتاشا بولی۔ "اور تو اور، یہ لیجئے خود الیوشا بھی آپ کو ٹھیک
اسی طرح سمجھا جیسے میں۔ حالانکہ ہماری ایک دوسرے سے
بات بھی نہیں ہوئی، ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں۔
اسے بھی یہی خیال گزرا کہ آپ ہمارے ساتھ بہت گرا ہوا اور
توہین‌آمیز کھیل کھیل رہے ہیں۔ اور الیوشا تو بہرحال آپ
سے محبت کرتا ہے، آپ کے ایک ایک لفظ پر ایسا ایمان رکھتا
ہے جیسے آسمان سے نازل ہوا ہو۔ آپ نے اسے بھی ضروری نہیں
سمجھا کہ اس کے سامنے احتیاط برتیں اور ہوشیاری سے کام لیں،
آپ نے سوچا کہ الیوشا آپ کے دل کی بات کیا بھانپ سکتا ہے۔ لیکن
اس کے پاس نازک، حساس اور اثر قبول کرنے والا دل ہے اور آپ

کے الفاظ، آپ کا سمجھ، جیسا کہ اس کا بیان ہے، اس کے دل میں
زخم کا نشان چھوڑ گئے ہیں...''
''میں کچھ نہیں سمجھ رہا ہوں، کچھ نہیں!'' پرنس نے میری
طرف منہ کرکے اور ایسی صورت بنا کے جیسے وہ حیرت اور الجھن
میں ڈوبا ہوا ہو، وہی جملہ دہرایا گویا وہ مجھے گواہ بنا رہا ہو۔
وہ بدحواس بھی ہو رہا تھا اور اضطراب کے عالم میں بھی تھا۔
''آپ شکی ہو رہی ہیں، آپ اندیشے میں پڑ گئی ہیں'' وہ ناتاشا کو
خطاب کرکے بولتا چلا گیا۔ ''حقیقت صرف اتنی ہے کہ آپ کو
کاترینا فیودورونا سے جلن ہو رہی ہے۔ اور اس غصے میں ہر
ایک کو قصوروار ٹھیرانے پر تلی ہوئی ہیں۔ خاص طور پر مجھے...
اور یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ کے مزاج کے بارے میں
عجیب سی رائے قائم کی جا سکتی ہے... مجھے اس قسم کی صورت‌حال
بھگتنے کی عادت نہیں ہے۔ اگر میرے بیٹے کی غرض نہ ہوتی
تو میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں ٹھیرتا... خیر، میں پھر
بھی توقع کرتا ہوں کہ آپ مہربانی فرما کر اپنی بات صاف کر
دیں گی؟''
''یعنی تو آپ کا اصرار ابھی بدستور قائم ہے اور آپ باوجود ے
کہ اس معاملے کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں مگر دو لفظوں میں
سمجھنے کو تیار نہیں۔ تو کیوں آپ کی مرضی یہی ہے کہ میں
صاف صاف آپ کے منہ پر سب کچھ کہہ ڈالوں!''
''مجھے صرف اسی کی بےتابی ہے۔''
''اچھا یوں ہے، تو پھر سنئے'' ناتاشا ڈٹ کر بولی۔ اس کی
آنکھیں غصے سے چمک رہی تھیں۔ ''میں سب کچھ کہے دیتی
ہوں، سب کچھ! اول سے آخر تک!''

تیسرا باب

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کھڑے ہو کر بولنے لگی۔ جوش
کے مارے سے خود اس کا احساس نہیں تھا۔ پرنس سنتا رہا، سنتا
رہا، پھر وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ سارا منظر بہت سنجیدہ ہوتا جا
رہا تھا۔
''آپ اپنے منگل کے روز کے الفاظ یاد کیجئے'' ناتاشا نے کہنا

شروع کیا۔ ''آپ نے کہا تھا کہ آپ کو روپیہ چاہئے، وہی تو
ہوا راستہ کہ سماج میں حیثیت چاہئے۔ آپ کو یاد ہے...
''یاد ہے۔''
''اچھا تو اس غرض سے کہ یہ روپیہ کھینچا جائے، وہ جو
وعدے آپ کے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں انہیں تھام لیا جائے، آپ
منگل کے روز یہاں تشریف لائے تھے اور آپ نے منگنی کا ڈرامہ
کھیلا تھا، یہ سمجھ کر کہ مذاق کی حرکت سے آپ اسے گرفت میں
لے سکیں گے جو چھوٹا جا رہا ہے۔''
''ناتاشا'' میں چیخ پڑا ''تمہیں ہوش ہے، کیا کہہ رہی ہو؟''
''مذاق کی حرکت! حساب‌فہمی!'' پرنس نے اس انداز سے یہ
لفظ دہرایا گویا اس کی شان میں سخت گستاخی کی گئی ہے۔
الیوشا غم سے دل مسوسے بیٹھا تھا اور ایسے دیکھ رہا تھا
جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا ہو۔
''ہاں ہاں، مجھے روکو مت۔ میں قسم کھا چکی ہوں کہ اب
سبھی کچھ کہہ ڈالوں!'' ناتاشا جھنجھلاہٹ میں بولتی چلی گئی۔
''آپ کو خود یاد ہوگا کہ الیوشا آپ کی بات نہیں سنتا تھا۔ پورے
چھ مہینے آپ اپنی سی کوشش کرتے رہے کہ اسے مجھ سے دور
کر دیں، لیکن اس نے آپ کی مرضی کے خلاف کیا۔ اور پھر
ایک دم وہ وقت آ گیا جب آپ ایک لمحہ بھی جانے نہیں دے سکتے
تھے۔ اگر آپ یہ لمحہ نکل جانے دیتے، یعنی لڑکی اور روپیہ ہاتھ سے
چلا جاتا، سب سے اول روپیہ ہی کہنا چاہئے، تو پھر تین لاکھ
روبل کا جہیز آپ کے پنجے سے نکل گیا تھا۔ اب آپ کے سامنے
صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ الیوشا کو اس لڑکی سے محبت
کرا دیں جسے آپ نے اس کے لئے چنا ہے۔ آپ نے سوچا کہ یوں
ہو جائے تو پھر وہ مجھ سے رخ پھیر لے گا...''
''ناتاشا، ناتاشا!'' الیوشا درد سے چلایا۔ ''تم کہہ کیا رہی
ہو!''
''چنانچہ آپ نے یہی کیا'' وہ الیوشا کی پکار پر کان دھرے
بغیر کہتی چلی گئی۔ ''لیکن پھر وہی قصہ پیش آیا۔ سب کچھ
ٹھیک طرح چلتا، لیکن میری وجہ سے پھر رکاوٹ پڑنے لگی۔ اب آخر
میں ایک ہی امید کی صورت رہ گئی۔ آپ جیسے ہوشیار، تجربہ‌کار
آدمی نے تبھی بھانپ لیا ہوگا کہ الیوشا بعض اوقات اپنے پرانے بندھن

سے آلتیہ ہوا لگتا ہے۔ آپ کی نظر سے یہ بات بچ کر نہیں جا
سکتی تھی کہ وہ مجھ سے کترانے لگا تھا، جان چرانے لگا تھا اور
کبھی پانچ پانچ دن مجھ سے دور رہتا تھا۔ آپ نے خیال کیا کہ
بس اب وہ مجھ سے بالکل ہی اکتا جائے گا اور الگ ہو جائے گا کہ
اتنے میں منگنی کے روز ایوشا نے وہ باعزم قدم اٹھایا جس نے آپ کی
ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اب آپ کیا کرتے!...''

''مجھے عرض کرنے دیجئے کہ اس کے برخلاف یہ واقعہ...''

''میں کہتی ہوں کہ'' نتاشا نے ثابت‌قدمی سے اسے کاٹ دیا
''آپ نے اس روز خود سے سوال کیا کہ 'اب میں کیا کروں؟' اور
فیصلہ کیا کہ مجھ سے اسے شادی کرنے دیا جائے۔ حقیقت میں
نہیں بلکہ محض نقلی طور پر، تاکہ اسے قرار آجائے۔ شادی کی
تاریخ کو آپ نے جی میں سوچ لیا کہ جب تک دل چاہے برابر
ٹالا جا سکتا ہے۔ اور اس دوران نئی محبت برابر بڑھتی گئی۔ آپ
نے اس کا اندازہ کر لیا تھا۔ اور اس نئی محبت کے پروان چڑھنے
پر آپ نے سب کچھ منحصر کر دیا تھا۔''

''خیال‌آرائی ہے، خیال‌آرائی'' پرنس نے دھیمی آواز میں یہ لفظ
ادا کئے جیسے خود سے کہے ہوں۔ ''تنہائی، پروازِخیال اور
ولولوں کی بڑھتی...''

''ہاں تو آپ نے اس نئی محبت پر ہر چیز کا انحصار کر دیا''
نتاشا نے پرنس کی بات سننے یا اس کے لفظوں پر دھیان دئے بغیر پھر
وہی جملہ دہرایا۔ اور زیادہ ابال میں بے‌اختیار کہتی چلی گئی
''اور کیسے کیسے حالات تھے اس نئی محبت کے پروان چڑھنے کو!
شروعات تو تبھی ہو گئی تھی جب ایوشا کو اس لڑکی کے کمالات
تک کی پوری طرح خبر نہ تھی! عین اس وقت جب ایوشا نے اس رات
لڑکی کو بتایا کہ وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا کیونکہ فرض
اور دوسری محبت اس کو ایسا کرنے سے باز رکھتے ہیں تو لڑکی
نے اس کے سامنے فوراً ایسی عالی‌ظرفی کا، خود اس سے اور اپنی
رقیب سے ایسی ہمدردی کا اور دل سے معاف کر دینے کا ایسا
مظاہرہ کیا کہ اگرچہ وہ پہلے بھی اس کی خوبصورتی کا دل سے
معتقد تھا مگر پھر بھی یہ نہیں سمجھا تھا کہ وہ اس قدر لاجواب
لڑکی ہوگی۔ وہاں سے لوٹ کر جب وہ میرے پاس آیا تو سوائے
اس لڑکی کے اور کوئی بات اس کے منہ سے نکلی ہی نہ تھی، دل

و دماغ پر وہ اس بری طرح چھائی ہوئی تھی۔ اب دوسرے دن تو
فرض ہی ہو گیا تھا کہ وہ اس عالی‌ظرفی کی ہستی کی زیارت کرنے
جائے چاہے صرف شکر گزاری کے خیال سے ہی سہی۔ کیوں نہ ہو۔ ڈر
پھر کیوں نہ جاتا وہ اس سے ملنے؟ پرانی محبت کو تو کوئی خطرہ
وہ نہیں گیا تھا۔ وہ تو پکی ہو ہی چکی تھی اور ساری عمر اسی
کی ہونے والی تھی جب کہ دوسری سے صرف دم بھر کی ملاقات کی جا
سکتی تھی... اور اگر نتاشا اس دم بھر کی ملاقات سے بھی جل
جائے تو وہ کس قدر ناشکری نکلے گی۔ ایک بار وہاں گیا تو خود
اس کا احساس کئے بغیر اس نے نتاشا سے ایک منٹ نہیں چھینا بلکہ
ایک دن، دو دن، تین دن... اور اسی اثنا میں، ان تین دنوں میں
اس لڑکی نے خود کو ایسے نئے اور اچھوتے رنگ میں پیش کیا، ایسی
عالی‌ظرفی دکھائی اور تپاک برتا اور ساتھ ساتھ ایسی سادہ‌لوحی سے
کام لیا جو دراصل خود ایوشا کی خصوصیت تھی۔ چنانچہ اس پر
دونوں میں ایسی پکی دوستی اور برادرانہ تعلقات کا عہد ہوا جو
امر ہو۔ وہ کبھی ایک دوسرے سے جدا ہونا نہیں چاہتے۔ بس
پانچ چھ گھنٹے کی بات‌چیت کے بعد ہی، اس کی روح نئی لہریں
محسوس کرتی ہے اور اس کا دل قابو سے باہر ہو جاتا ہے...
آپ اپنی جگہ سوچ رہے ہیں کہ اب وہ وقت قریب ہے جب وہ اپنی
پرانی محبت کا نئی اور تازہ‌دم لہروں سے مقابلہ کر کے دیکھے گا—
وہاں کیا ہے، سب جانا پہچانا، سدا کا سا، گمبھیر اور تپاک،
وہاں اس سے جلن رکھی جاتی ہے، ملامت کی جاتی ہے، وہاں
آنسو ہیں... اور اگر کبھی ہنسی خوشی سے بھی ملتے ہیں اور
چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں تو اسے برابر کا نہیں، بلکہ بچہ سمجھ کر
کیا جاتا ہے... اور پھر اصل میں تو یہ ہے کہ یہاں سب کچھ
عام سا ہے، جانا بوجھا...''

آنسو اور سخت تشنج کی حالت اس پر طاری ہو رہی تھی تاہم
نتاشا خود کو منٹ بھر سنبھالے رہی۔

''پھر آئندہ کیا ہو؟ آئندہ وقت تو ہے۔ نتاشا سے شادی کی
تاریخ تو پکی ہے نہیں۔ بہت وقت پڑا ہے اور پھر سب کچھ بدل
بھی سکتا ہے... اور اس کے علاوہ آپ موجود ہوں گے۔ الفاظ،
اشارے، دلیلیں، خوش‌بیانی... بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس
مصیبت‌زدہ نتاشا پر کوئی الزام دھر دیا جائے۔ اسے غلط روشنی میں

بنش کیا جا سکتا ہے اور... جیسے بھی موقع پڑ جائے، کچھ پتہ تھوڑی ہے، لیکن آخر میں جیت آپ کی ہی ہوگی۔ الیوشا، مجھے قصوروار نہ سمجھنا، میرے پیارے! یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری محبت سے واقف نہیں ہوں اور دل سے اس کی قدر نہیں کرتی۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے اب بھی محبت کرتے ہو اور غالباً فی الحال میری شکایتوں کا مطلب بھی نہیں سمجھ رہے ہو۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ یہ سب کچھ کہہ کر میں نے زیادتی کی ہے، بہت ہی ناانصافی کی ہے۔ مگر کیا کیا جائے — میں ان سب باتوں کو سمجھتی جو ہوں اور اسی کے ساتھ تم سے اور زیادہ اور زیادہ محبت کرتی ہوں... بالکل... دیوانہ وار!...،،

اس نے ہاتھوں میں منہ چھپالیا، کرسی پر پیچھے ڈھلک گئی اور بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگی۔ الیوشا کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ اس کی طرف جھپٹا۔ ایسا کبھی ممکن نہ تھا کہ نتاشا کے آنسو دیکھ کر اس کے خود آنسو نہ آجائیں۔

صاف لگتا تھا کہ نتاشا کی سسکیوں نے پرنس کو سہارا دیا — نتاشا نے اتنی دیر تک صاف بیانی کے سلسلے میں جو زور اور شدت دکھائی تھی اور اس پر جی توڑ کر حملہ کیا تھا، جو بہرحال اسے ناگوار گزرنا ہی تھا چاہے محض اپنی شان کے خیال سے ہو، یہ سب بڑی آسانی کے ساتھ نتاشا کی نادان رقابت کی آگ سے، اس کی مجروح محبت سے بلکہ اس کی بیماری سے منسوب کیا جا سکتا تھا۔ اور اس سے ہمدردی جتانا بھی تقاضائے مصلحت ہو گیا تھا...

''بس، بس، پیاری نہ دکھائیے۔ غم نہ کیجئے نتالیا نکولائیونا،، پرنس نے اسے دلاسا دیا۔ ''یہ سب غصے کی آگ ہے، بیکار سوچنے کا نتیجہ ہے، اکیلے پن کا اثر ہے... آپ کو اس لڑکے کی لاپروائی نے صدمہ پہنچایا ہے... مگر آپ جانیے، یہ سب محض لاپروائی ہے اس کی۔ سب سے اہم واقعہ جس پر خود آپ نے اتنا زور دیا، یعنی منگل کے روز جو پیش آیا تھا، وہی اس کے دل میں آپ کی گہری محبت کا ثبوت دینے کو کافی تھا، مگر آپ ہیں کہ الٹی یہ سوچ بیٹھیں...،،

''اوہ، اب مجھ سے کچھ نہ کہیے، مجھے اور دکھ نہ دیجئے اس وقت!،، نتاشا نے تڑپ کر روتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میرے دل نے مجھ سے سب کچھ کہہ دیا ہے۔ اور آج نہیں،

بہت دن پہلے! کیا آپ کا خیال ہے کہ میں اتنا نہیں سمجھتی کہ اس کی پہلی محبت سب گزر گئی... یہاں، اس کمرے میں، اکیلی پڑی ہوئی... جب وہ مجھے چھوڑ کر چل دیا، مجھے بھول گیا... تو مجھ پر سب کچھ بیت گیا... میں نے ہر ہر بات کو سوچا... اور کرنا ہی کیا تھا مجھے! الیوشا، میں تمہیں الزام نہیں دیتی... آپ کیوں مجھ سے دھوکا کر رہے ہیں؟ کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں نے خود کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کی ہوگی۔ ہائے، کتنی بار — کتنی بار کی! بھلا کیا میں نے اس کی آواز کی ایک ایک جھنکار کو غور سے نہیں سنا ہے! کیا اس کے چہرے کی حالت پڑھنا مجھے نہیں آتا؟ کیا اس کی آنکھوں کا مطلب سمجھنا نہیں آتا مجھے؟.. مگر اب سب، سب کچھ خاک میں مل گیا۔ سب دفن ہو گیا... ہائے، میں کیسی بدنصیب ہوں!...،،

الیوشا اس کے سامنے گھٹنوں پر جھکا ہوا رو رہا تھا۔

''ہاں، ہاں، یہ سب میرا قصور ہے۔ یہ سب میری بدولت ہوا!،، وہ سسکیاں لیتے ہوئے دہراتا رہا۔

''نہیں، خود کو خطاوار نہ ٹھیراؤ، الیوشا... اور لوگ ہیں... ہمارے دشمن!.. یہ سب ان کے کرتوت... ان کے!،،

''لیکن پھر بھی، اجازت دیجئے،، پرنس نے کسی قدر بےتابی سے کہنا شروع کیا ''یہ جاننے کی کہ کس بنیاد پر آپ یہ سب میرے نام سے منسوب کر رہی ہیں... یہ کرتوت؟ یہ تمام آپ نے اپنے دل سے سوچ لئے ہیں۔ ان کا کوئی ثبوت تو ہے نہیں...،،

''کوئی ثبوت ہی نہیں؟،، نتاشا تیزی کے ساتھ آرام کرسی سے اٹھتے ہوئے چلائی۔ ''آپ کو ثبوت بھی چاہئے چالباز آدمی، آپ کا ہرگز کوئی اور مقصد ہو نہیں سکتا تھا، ہو ہی نہیں سکتا تھا جب آپ یہاں اپنی تجویز لے کر آئے۔ آپ کو ضرورت تھی کہ بیٹے کو ادھر سے مطمئن کر دیں، اس کے ضمیر کو ٹھنڈا کردیں تاکہ وہ اب آزاد اور پرسکون ذہن کے ساتھ خود کو کاتیا کے حوالے کردے۔ اس کے بغیر وہ ہمیشہ میرا خیال کرتا اور آپ کی مرضی کے آگے سر جھکانے سے انکار کرتا رہتا اور آپ انتظار کرتے کرتے تھک چکے تھے۔ اب کہیے، کیا یہ سچ نہیں ہے؟،،

"مانتا ہوں"، پرنس نے طنزیہ تبسم کے ساتھ کہا "اگر میں آپ کو دھوکا دینا چاہتا تو میں اسی طرح حساب لگاتا۔ آپ بہت... بہت ہی حاضر دماغ ہیں۔ لیکن ثبوت پہلے ہونا چاہئے تھا تب آپ اس طرح سخت جملوں سے لوگوں کی توہین کرتیں...."

"ثبوت! اور آپ کا پہلے کا تمام سلوک جو اسے مجھ سے توڑنے کے لئے آپ کرتے رہے ہیں؟ جو شخص اپنے بیٹے کو یہ سکھائے کہ اس قسم کی ذمہ داریوں کی پروا نہ کرو اور ان سے کنیئے جاؤ دنیاوی وجاہت کی خاطر، روپے کی خاطر — وہ ولاد کو بگاڑ رہا تھا! ابھی ابھی آپ نے سیڑھیوں کے بارے میں اور اس بڑے مکان کے متعلق کیا کچھ کہا؟ تو کیا آپ نے ہی اس کی تنخواہ بند کر کے، جو پہلے دیا کرتے تھے، یہ دباؤ ڈالنے کی کوشش نہیں کی کہ ہم احتیاج اور بھوک کے مارے ایک دوسرے سے ناطہ توڑ لیں؟ آپ ہی کی بدولت ہے یہ مکان اور یہ سیڑھیاں اور اب آپ ہی اس کا الزام الیوشا کے سر تھوپ رہے ہیں، بڑے ائے دورخے آدمی! اور اس روز رات کو وہ آگ آپ کے یہاں سے سلگ ٹپی تھی اور کہاں سے وہ نئے اور آپ کی طبیعت کے خلاف رادے اس پڑے تھے؟ میں آپ کے لئے اتنی ضروری کس لئے ہو گئی تھی؟ چار دن ہو گئے ہیں مجھے اس کمرے میں اکیلے بیٹھے بیٹھے ہوئے اور برابر اسی پر غور کرتی رہی ہوں۔ میں نے آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو تولا ہے، آپ کے چہرے کی ایک ایک کیفیت کو جانچا ہے اور اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ یہ سب محض بناوٹ تھی، ایک گرا ہوا، توہین آمیز سوانگ... میں آپ کو جانتی ہوں، بہت زمانے سے جانتی ہوں! جب کبھی الیوشا آپ سے ملنے کے بعد یہاں میرے پاس آیا تو اس کی صورت دیکھتے ہی مجھے معلوم ہو جاتا تھا کہ آپ اسے کیا سکھاتے پڑھاتے رہتے ہوں گے اور کیا اثر ڈال رہے ہوں گے۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس پر آپ کا اثر کیا کام کر رہا ہے! نہیں، آپ مجھے دھوکا نہیں دے سکے! شاید آپ نے کوئی اور حساب اپنے جی میں لگا رکھا ہو اور ممکن ہے میرے منہ سے ابھی اصل بات نہ نکلی ہو، لیکن خیر، سب ٹھیک ہی ہے! آپ مجھے دھوکا دیتے رہے ہیں، یہی سب سے اہم ہے۔ اور یہی آپ سے آپ کے منہ پر کہہ دینے والی تھی!..."

"بس، اتنا ہی؟ بس یہی ثبوت ہیں آپ کے پاس؟ مگر ذرا سوچ لیجئے، آگ انگارہ خاتون — اس سوانگ سے (جیسا کہ آپ نے منگل کی رات والی میری پیش کش کو قرار دے دیا ہے) میں نے خود کو بہت ہی باندھ لیا۔ یہ میرے لئے بہت غیر ذمہ دارانہ حرکت ہوتی۔"

"کیسے؟ آپ نے خود کو کیسے باندھ لیا؟ آپ کی نظر میں مجھے فریب دینے کی حیثیت ہی کیا؟ اور پھر کسی معمولی لڑکی کی توہین سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ کیا ہے، گھر سے بھاگی ہوئی ایک بدنصیب لڑکی، جسے اس کے باپ نے ٹھکرا دیا، بے یار و مددگار، جو خود کو سیلے ہی گرا چکی تھی اور داغدار ہو چکی تھی! بھلا اس سے جھجکنے اور تکلف کرنے کی کیا ضرورت، اگر اس مذاق سے کوئی بھی کام نکلتا ہو، بہت ہی معمولی سے معمولی فائدہ ہوتا ہو!"

"ذرا سوچئے، آپ خود کو کس حیثیت میں رکھ رہی ہیں، نتالیا نکولائیونا! آپ ویسے تو اس پر حجت کر رہی ہیں کہ میری وجہ سے آپ کی توہین ہوئی۔ لیکن یہ تذلیل اتنی بڑی ہے، اس درجہ گری ہوئی ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کا گمان بھی کیونکر کیا جا سکتا ہے چہ جائیکہ اس پر اصرار کیا جائے۔ غالباً آپ اس بات کی عادی ہیں جو اتنی آسانی سے یہ گمان کر لیا، معاف کیجئے گا اس جملے کو۔ آپ کو برا بھلا کہنے کا مجھے حق پہنچتا ہے کیونکہ آپ میرے بیٹے کو میرے ہی خلاف کر رہی ہیں۔ اگر وہ اس وقت آپ کی حمایت میں میرے خلاف نہیں اٹھا تو کیا ہوا، اس کا دل تو مجھ سے پھر گیا..."

"نہیں ابا، نہیں"، الیوشا چیخا "اگر میں تمہارے خلاف نہیں اٹھا ہوں تو اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ تم توہین نہیں کر سکتے۔ اور مجھے خود یقین نہیں آ رہا ہے کہ اس طرح کسی کی توہین کی جا سکتی ہے!"

"سنتی ہیں آپ؟" پرنس نے پکار کر کہا۔

"نتاشا، سب قصور میرا ہے۔ انہیں الزام نہ دو۔ یہ گستاخی ہے اور بڑا پاپ ہے!"

"سنتے ہو وانیا، وہ ابھی سے میرے خلاف ہے!" نتاشا چلائی۔

"بس، بہت ہوا!" پرنس بولا "اس ناگوار منظر کا خاتمہ ہی

کر دینا چاہئے۔ یہ ہر قید و بند سے آزاد رقابت اور جلن کا اندھا اور وحشیانہ بخار آپ کے مزاج کی تصویر کشی کرتا ہے اور آپ کی تصویر بالکل ہی نئے رخ سے دکھاتا ہے۔ مجھے آپ کی طرف سے اندیشہ ہو گیا۔ ہم نے جلدبازی سے کام لیا، واقعی جلدبازی ہو گئی۔ آپ نے تو غالباً اس پر دھیان بھی نہ دیا ہوگا کہ میری کتنی توہین کی ہے۔ آپ کے لئے یہ کچھ بھی نہیں۔ جلدبازی ہو گئی... ہم سے جلدبازی ہو گئی۔ واقعی، ویسے تو مجھے اپنے قول کا پاس ہونا چاہئے... لیکن میں باپ ہوں اور اپنے بیٹے کی زندگی کا سکھ چاہتا ہوں...،،

''تو آپ نے قول سے مکر رہے ہیں،، نتاشا آپے سے باہر ہوکر چیخ پڑی۔ ''آپ کو موقع مل گیا۔ لیکن آپ جانتے ہیں، میں خود، دو دن ہوئے یہاں پر، تن تنہا، فیصلہ کر چکی ہوں کہ اسے اس کے قول سے آزاد کر دوں اور اب میں سبھوں کے سامنے وہی دہراتی ہوں مجھے انکار ہے اس رشتے سے!،،

''ہاں تو یہ بات ہے، شاید آپ چاہتی ہیں کہ اس پر پہلے کی فکریں پھر مسلط ہو جائیں۔ فرض کا احساس پھر غالب آئے اور آپسی ذمہ‌داریوں کی تمام تر پریشانی، پھر ستانے لگے (جیسا کہ آپ ابھی اپنی زبان سے کہہ چکی ہیں) تاکہ پہلے کی طرح وہ خود کو آپ کا پابند محسوس کرے۔ خود آپ ہی کے نظریے سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور اسی لئے میں کہہ بھی رہا ہوں۔ لیکن کافی ہے۔ وقت خود فیصلہ کر دے گا۔ میں کبھی اطمینان کے لمحے اپنی صفائی دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ ہم اپنے تعلقات ہمیشہ کے لئے نہیں توڑ رہے ہیں۔ اور یہ بھی امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے ٹھیک طرح سمجھنا سیکھیں گی۔ آج ہی میں سوچ کر آیا تھا کہ آپ کے گھر والوں کے بارے میں جو سبیل میں نے نکالی ہے وہ آپ سے بیان کروں گا، اور آپ خود دیکھ لیتیں کہ... مگر خیر! ایوان پتروویچ!،، اس نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا ''اب میں پہلے سے بھی زیادہ اس بات کی قدر کروں گا کہ آپ سے نزدیکی تعلقات قائم ہوں۔ اور اس کا کیا ذکر، کہ یہ میری دیرینہ آرزو ہے۔ امید ہے کہ آپ اسے مانیں گے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں دو ایک دن میں آپ کے ہاں حاضر ہوں؟،،

میں نے سر جھکایا۔ خود مجھے بھی ایسا لگا کہ اب میں اس

سے تعلقات رکھنے سے کترا نہیں سکوں گا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا، خاموشی سے نتاشا کے آگے سر جھکا کر سلام کیا اور اس انداز سے نکل گیا گویا اس کی شان میں بےادبی کی گئی ہو۔

چوتھا باب

کئی منٹ تک ہمارے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ نتاشا خیالوں میں ڈوبی، اداس اور کچلی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کی ساری قوت ناگہاں زائل ہو چکی تھی۔ نظریں سامنے تھیں اور کچھ نہیں دیکھ رہی تھی جیسے گم سم ہو، الیوشا کا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ وہ چپ چاپ آنسوؤں میں اپنا غم بہا رہا تھا اور بار بار سہمے ہوئے تجسس سے اس پر نظر ڈال لیتا تھا۔

آخر میں وہ دبے دبے اس کو تسلی دینے لگا، کہنے لگا کہ اپنا دل نہ دکھاؤ، خود کو ملامت کرنے لگا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ باپ کے سر سے الزام اتارنا چاہتا ہے اور یہی بات خاص طور سے اس کے دل پر بوجھ بنی ہوئی تھی۔ اس نے کئی بار یہ موضوع چھیڑا لیکن ہمت نہ پڑی، اس ڈر سے کہ کہیں نتاشا میں پھر غصے کی لپٹ نہ اٹھے۔ اس نے اپنی امر اور اٹل محبت کا واسطہ دیا اور کاتیا سے اپنے دلی جذبات کی صفائی دی یہ کہہ کر کہ وہ کاتیا سے بس بہن کی طرح محبت کرتا ہے۔ پیاری، عزیز بہن کی طرح اسے چاہتا ہے اور بالکل قطع تعلق نہیں کر سکتا۔ ایسا کرنا کاتیا کے ساتھ بدسلوکی اور زیادتی ہوگی اور بار بار یقین دلاتا رہا کہ اگر نتاشا کی کاتیا سے ملاقات ہو جائے تو دونوں فوراً دوست بن جائیں گی اس حد تک کہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی اور غلط فہمی کا امکان ہی ہمیشہ کے لئے اٹھ جائے گا۔ اس خیال سے ہی اسے بڑی امید تھی۔ بےچارہ لڑکا تھا دیانت‌دار۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ نتاشا کو کیا خطرے نظر آ رہے ہیں اور واقعی اچھی طرح اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ ابھی ابھی نتاشا نے اس کے باپ کو کیا جتایا ہے۔ وہ سمجھ سکا تو صرف اس قدر کہ ان دونوں میں جھگڑا ہو گیا اور یہی بات اس کے سینے پر پتھر کی سل کی طرح رکھی تھی۔

"کیا تم اپنے آپ کی طرف سے مجھے قصوروار ٹھہراتے ہو؟"
نتاشا نے پوچھا۔

"میں بھلا تمہیں کیسے الزام دے سکتا ہوں جبکہ میں خود ہی قصوروار ہوں ان سب بدیوں کا!" اس نے کڑوے احساس کے ساتھ کہا۔ "اور یہ سب میری ہی خطا ہے۔ میں نے ہی تمہیں اس قدر غصہ دلایا اور غصے میں تم ان پر برس پڑیں کیونکہ میری کوئی خطا نہیں نکالنا چاہتی تھیں۔ تم ہمیشہ میری حمایت کرتی ہو، اور میں اس قابل نہیں ہوں۔ تمہیں کسی نہ کسی پر تو الزام ڈالنا ہی تھا، ان پر ڈال دیا۔ مگر سچ کہتا ہوں، بالکل سچ کہ وہ قصوروار نہیں ہیں!" الیوشا تہہ دل سے باآواز بلند بولا۔ "اور کیا وہ یہ خیال لے کر یہاں آئے ہوں گے؟ کیا انہیں ایسی بات کی امید ہوگی یہاں پر؟"

لیکن یہ دیکھتے ہی کہ نتاشا اسے شکوے اور ملامت کی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے، وہ فوراً ٹھٹھک گیا۔

"اچھا معاف کرو۔ اب میں کچھ بھی نہیں کہوں گا"، وہ بولا۔ "سب خطا میری ہی ہے!"

"ہاں، الیوشا"، وہ دل میں قلق لئے ہوئے بولی۔ "اب وہ ہمارے درمیان دیوار بن گئے اور ہمارا سارا چین سکون خاک میں ملا دیا، عمر بھر کے لئے۔ تم ہمیشہ میری بات کا اعتبار کرتے تھے، سب سے زیادہ۔ اب انہوں نے میری طرف سے تمہارے دل میں شک و شبہ کا زہر گھول دیا۔ اب تم مجھے الزام دے رہے ہو۔ وہ مجھ سے تمہارا آدھا دل چھین کر لے گئے۔ کالی بلی ہمارے بیچ سے رستہ کاٹ گئی۔"

"ایسے مت کہو، نتاشا۔ ایسے کیوں کہتی ہو 'کالی بلی'؟" اسے یہ استعارا ناگوار گزرا۔

"انہوں نے اپنی جھوٹی شفقت سے اور فرضی محبت سے تمہیں اپنی طرف کھینچ لیا"، نتاشا کہتی رہی "اور اب وہ تمہیں زیادہ سے زیادہ میرے خلاف پھیریں گے۔"

"میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ یہ نہیں ہوگا!"، الیوشا اور تیز ہو کر بولا۔ "وہ صرف غصے میں تھے جو یہ کہہ گئے کہ 'تم سے جلدبازی ہوئی'۔ تم دیکھ لینا کل، دو ایک دن میں دیکھ لینا کہ وہ سمجھ جائیں گے۔ اور اگر وہی نہیں اتنے ہی غصہ آپ

ہے کہ ہماری شادی پر رضامند نہ ہوئے تو قسم کھاتا ہوں کہ بس ان کی مرضی کے خلاف چلوں گا۔ غالباً مجھ میں اتنا دم خم ہے... اور تم جانتی ہو اس میں مدد کون کرے گا؟" وہ اپنے خیال سے لطف لیتے ہوئے چیخا۔ "کاتیا ہمارا ساتھ دے گی! اور تم دیکھ لینا۔ دیکھ ہی لوگی تم کہ وہ کیسی لاجواب ہستی ہے! تم خود دیکھ لوگی کہ اسے تمہاری سوت بننے اور ہمارے درمیان کھنڈت ڈالنے کی کوئی خواہش نہیں! اور تم نے کیسی زیادتی کی جو ابھی ابھی یہ کہا کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو شادی کے بعد دوسرے دن محبت سے منہ پھیر سکتے ہیں۔ تمہارے منہ سے ایسا سننا مجھے کتنا کڑوا لگا! میں بالکل اس قسم کا آدمی نہیں ہوں اور اگر میں بار بار کاتیا کے ہاں گیا تو..."

"بس، الیوشا، بس کرو۔ جب جی چاہے اس کے پاس جاؤ۔ میں نے ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ تم ساری بات سمجھے ہی نہیں۔ جس کے ساتھ تمہارا جی چاہے عیش کرو۔ بہرحال میں اس کے سوا تو تمہارے دل سے نہیں مانگ سکتی جتنا وہ مجھے دے سکتا ہے..."

ماورا داخل ہوئی۔

"کیا لاؤں چائے؟ مذاق بنا رکھا ہے کہ سماوار دو گھنٹے سے کھول رہا ہے۔ گیارہ بج گئے ہیں، رات کے۔"

وہ بگڑ کر سختی سے بولی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس کا موڈ بگڑا ہوا ہے اور نتاشا پر جھلائی ہوئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ منگل کی رات سے ہی وہ اس بات پر مزے لے رہی تھی کہ اب اس کی نوجوان مالکن کی (جس سے وہ بری طرح محبت کرتی تھی) شادی ہو جائے گی اور اس بات کو خوشی کے مارے اس نے سب تک ساری عمارت میں، دکانوں میں اور آس پڑوس کے لوگوں میں پھیلا دیا تھا یہاں تک کہ چوکیدار سے بھی کہہ دیا تھا۔ وہ بڑے مزے لے کر سنا رہی تھی اور دوسروں سے فاتحانہ شان سے کہتی پھرتی تھی کہ پرنس جو بہت صاحب حیثیت آدمی، جنرل اور بہت بڑے دولت مند شخص ہیں خود یہاں آئے تھے اور انہوں نے مالکن سے شادی کی درخواست کی ہے، اور ماورا نے خود اپنے کانوں سے یہ گفتگو سنی ہے۔ اور اب ایک دم سب کا سب ہوا ہو گیا۔ پرنس غصے میں بھرا ہوا جا چکا تھا اور اسے چائے تک

کو نہیں پوچھا گیا تھا اور یقیناً اس میں سب خطا مالکن کی ہی تھی۔ سورا نے اپنے کانوں مالکن کے منہ سے اس کی شان میں سخت کلمے سنے تھے۔

”اچھا... شال لے آؤ“، نتاشا نے جواب دیا۔

”اور جانے کے ساتھ کچھ کھانے کو... لاؤں کہ نہیں؟“

”وہ بھی سہی“، نتاشا گڑبڑائی ہوئی تھی۔

”ہکاسے پکاسے!“، سورا نے کہا ”کل سے میری ٹانگیں شل ہو گئیں۔ شراب کے لئے نیفسکی تک دوڑ لگائی اور اب...“، اور وہ بکتی ہوئی زور سے پٹ بھیڑ کر نکل گئی۔

نتاشا سرخ ہو گئی اور کچھ عجیب نظر سے اس نے مجھے دیکھا۔ اسی لمحہ شال چنے لائی گئی اور اسی کے ساتھ کچھ کھانے کا سامان لگا دیا گیا۔ چڑیا بھی، کسی قسم کی مچھلی تھی۔ بلی سیسف کی مشہور دکان والی عمدہ شراب کی دو بوتلیں تھیں۔ ”آخر کیوں یہ سب تیاریاں کی گئیں؟“ میں نے جی میں سوچا۔

”یہ شوں میں، دیکھتے ہو وانیا، کس قسم کی عورت ہوں میں!“ نتاشا نے میز کی طرف بڑھتے ہوئے کہا بلکہ اسے مجھ سے بھی نظر ملاتے حیا آ رہی تھی۔ ”میں نے پہلے سے اندازہ کرلیا تھا کہ یہ سب کچھ یوں ہوکر رہے گا جیسے ہوا ہے۔ پھر بھی کہیں دل کی گہرائی میں یہ امید تھی کہ ممکن ہے انجام یوں نہ ہو۔ الیوشا آئے گا، سب صفائی کرے گا، صلح صفائی ہو جائے گی شہری۔ میرے جیسے شکوک و شبہات تھے، غلط نکلیں گے۔ میرے دل کو پھر سے ڈھارس دی جائے گی... احتیاط کے طور پر میں نے رات کے کھانے کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ ممکن ہے ہم دیر تک بیٹھیں، باتیں کرتے رہیں...“

بیچاری نتاشا! یہ جملے کہتے وقت بالکل ہی سرخ ہو گئی تھی۔ الیوشا مسرت سے بے خود ہو گیا۔

”دیکھو نتاشا“، وہ چلایا۔ ”خود تمہیں اس کا یقین نہیں تھا۔ صرف دو گھنٹے پہلے تم کو ان شکوک کا یقین نہیں تھا نہیں، لیکن میں باتوں کو صاف کرنا ہوگا۔ میں ہی قصوروار ہوں۔ سب خطا میری ہے۔ میں ہی جو کچھ ہوا ہے اس کی تلافی کروں گا۔ نتاشا، مجھے اس وقت باپ جان کے پاس جانے کی اجازت دے دو! مجھے ان سے ملنا چاہئے۔ انہیں ناگوار گزرا ہے۔ ان کی

ذلت ہوئی ہے۔ ان کو تسلی دینی چاہئے۔ میں ان سے سب کچھ کہوں سنوں گا، اپنی طرف سے کہوں گا، صرف اپنی طرف سے۔ تمہیں بیچ میں نہیں لاؤں گا۔ اور میں سب معاملہ ٹھیک کر لوں گا... تم ناراض نہ ہونا کہ مجھے ان کے پاس جانے کی اور تمہیں چھوڑ کر جانے کی اتنی فکر ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں۔ مجھے ان پر ترس آ رہا ہے۔ دیکھ لینا وہ تمہارے سامنے اپنی طرف سے صفائی دیں گے... کل دن نکلتے ہی میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ سارے دن بیٹھا رہوں گا اور کاتیا کے ہاں نہیں جاؤں گا...“

نتاشا نے اسے روکا نہیں بلکہ اور الٹا جانے کے لئے ہی کہا۔ اسے بہت اندیشہ تھا کہ اب الیوشا جان بوجھ کر اس کے ہاں آیا کرے گا اور زبردستی دن دن بھر بیٹھا رہا کرے گا، اس کے پاس جما رہے گا اور بالآخر اکتا جائے گا۔ اس نے البتہ الیوشا سے یہ درخواست ضرور کی کہ میری طرف سے کچھ نہ کہنا اور اسی طرح تپاک سے رخصت کے وقت مسکرانے کی بھی کوشش کی۔ وہ چلنے ہی والا تھا کہ ایک دم نتاشا کے قریب گیا، اس کے دونوں ہاتھ تھامے اور پہلو میں بیٹھ گیا۔ وہ ایسی رقت سے نتاشا کو دیکھ رہا تھا کہ بیان نہیں ہو سکتی۔

”نتاشا، میری پیاری، مجھ سے خفا مت ہو۔ ہمیں کبھی آپس میں جھگڑا نہیں کرنا چاہئے۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ تم میری ہر بات کا اعتبار کروگی اور میں تمہاری ہر بات کا۔ سنو، بات کیا ہے۔ میں اب تم سے کہتا ہوں — ایک بار میرا تمہارا جھگڑا ہو گیا تھا، یاد نہیں کس بات پر۔ مگر قصور میرا تھا۔ ہم دونوں کی بات چیت بند ہو گئی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ معافی مانگنے میں پہل کروں لیکن اندر ہی اندر دل بہت غم‌زدہ تھا۔ سارے شہر میں چکر کاٹتا پھرا، ایک ایک جگہ کا پھیرا کیا، دوستوں کے پاس گھومتا پھرا، لیکن دل کا بوجھ ہلکا نہ ہوا، طبیعت پر سخت گرانی رہی... پھر میرے دماغ میں آیا: کیا ہو جو تم کسی وجہ سے بیمار پڑ جاؤ اور مرجاؤ۔ جیسے ہی میں نے اس کا تصور کیا تو مجھ پر ایک دم ایسا دورہ پڑا گویا ہمیشہ کے لئے تم سے بچھڑ گیا ہوں۔ کیسے کیسے دل کو ڈبونے والے اور وحشت‌ناک خیالات آتے چلے گئے۔ رفتہ رفتہ مجھے ایسا تصور بندھا کہ تمہاری قبر پر گیا ہوں۔ وہاں تڑپ کر گر پڑا ہوں،

قبر کو گلے لگایا ہے اور غم سے نڈھال ہوکر پڑا رہا ہوں۔ جانتی ہو کہ قبر کو میں نے چوما اور تمہیں پکارا اور دم بھر کے لئے تمہارے دیدار کی تمنا کی۔ خدا سے دعا کی کہ وہ اپنی رحمت سے تمہیں ایک لمحے کے لئے سہی، مگر میرے سامنے لے آئے۔ میں نے سوچا کہ میں تمہیں گلے لگانے کو کس قدر بے چین ہوکر دوڑوں، تمہیں سینے سے بھینچ لینا، چومنا، پیار کرنا اور ایسا لگا کہ صرف اس خاطر کہ ایک لمحے کو تمہیں پہلے کی طرح اپنے بازوؤں میں لے سکوں، جان دے ڈالنا پسند کروں گا۔ جب میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا تو ایک دم خیال آیا — ارے ایک لمحے کے دیدار کو تو میں خدا سے دعا مانگتا پھر رہا ہوں اور چھ مہینے سے تمہارا میرا ساتھ ہے۔ اور ان چھ مہینوں میں کتنی بار ہمارے درمیان جھگڑا ہو چکا ہے، کئی کئی دن تک کے لئے بات چیت بند رہی ہے! کئی کئی دنوں تک ہمارے درمیان ناگواری اور کڑواہٹ رہی ہے اور ہم نے اپنی خوشیوں کی قدر تک نہیں کی ہے۔ حالانکہ میں تمہیں قبر سے باہر پکار رہا ہوں لمحے بھر کے لئے اور اس ایک لمحے کی خاطر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں!.. ان تصورات کا بندھنا تھا کہ مجھ سے اور برداشت نہ ہو سکا اور میں سیدھا جتنی جلدی ممکن تھا، تمہاری طرف روانہ ہوا اور تمہیں میرا انتظار ہی تھا۔ جب ہم دونوں نے غصہ تھوک کر ایک دوسرے کو گلے سے لگایا تھا تو مجھے یاد ہے کہ میں نے تمہیں اپنے بازوؤں میں اس زور سے بھینچ لیا تھا گویا میں تمہیں کھو رہا ہوں۔ نتاشا! ہمیں آپس میں کبھی جھگڑا نہیں کرنا چاہئے! اس سے مجھے بہت صدمہ ہوتا ہے۔ اور توبہ کرو، بھلا میں تمہیں کبھی ہمیشہ کے لئے جدا کر سکتا ہوں؟"

نتاشا رو رہی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بہت گرمجوشی سے گلے لگایا اور الیوشا نے پھر ایک بار قسم کھائی کہ وہ نتاشا کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اور پھر فوراً وہ باپ کی طرف تیزی سے روانہ ہو گیا۔ اسے پکا بھروسہ تھا کہ وہ سب قصہ چکا دے گا اور بگڑی ہوئی بات پھر سے بنا دے گا۔

"بس خاتمہ ہوا۔ سب برباد ہوا!" نتاشا نے بے اختیاری میں سر ہاتھ دبائے ہوئے کہا۔ "وہ تو مجھ سے پیار کرتا ہے اور

پیار کرنا چھوڑے گا بھی نہیں۔ لیکن ساتھ ہی اسے کاتیا سے بھی الفت ہے اور کچھ دنوں میں کاتیا کی محبت میری محبت پر حاوی ہو جائے گی، اور پھر یہ ڈسنے والا پرنس کوئی ونکیچ تو رہا نہیں ہوگا اور پھر...."

"نتاشا، یقین تو مجھے بھی ہے کہ پرنس ایمانداری نہیں برت رہا ہے مگر...."

"جو کچھ میں نے اس سے کہا ہے تمہیں اس سب کا یقین نہیں ہے! میں نے تمہارے چہرے سے یہ اندازہ کر لیا۔ مگر ذرا ٹھہر جاؤ۔ دیکھتے جاؤ کہ میں نے ٹھیک کہا یا غلط۔ میں نے تو ویسے ہی گول مول کہا ہے لیکن خدا جانے اس کے من میں اور کیا کیا زہر بھرا ہے۔ بڑا زہریلا آدمی ہے یہ! میں چار دن سے اس کمرے میں آگے پیچھے ٹہل رہی ہوں اور برابر سوچتی رہی ہوں۔ میں نے یہ نتیجہ نکالا۔ پرنس کی نیت یہ تھی کہ الیوشا کا دل ہلکا کر دیا جائے اور مجھے محبت کرنے کے فرض سے جو غم اور دکھ اس کی زندگی میں دخل انداز ہوتا تھا اس سے الیوشا کو نجات دلا دی جائے۔ اسے شادی کرانے کی بھی اسی لئے سوجھی تھی کہ اس طرح وہ ہم دونوں کے درمیان راہ بنا لے گا اور اثر قائم کرکے اپنی دریادلی اور عالی ظرفی سے الیوشا کو اپنے پنجے میں لے لے گا۔ صحیح کہتی ہوں، بالکل سچ وانیا! الیوشا اسی قماش کا آدمی ہے۔ وہ میری طرف سے بالکل مطمئن ہو جاتا اور میرے معاملے میں جو کھٹکا اسے لگا رہتا ہے وہ دور ہو جاتا۔ وہ سوچتا، اب کیا ہے۔ اب تو وہ میری بیوی ہو ہی گئی اور ہمیشہ میرے ساتھ رہے گی۔ اور پھر بے اختیار وہ کاتیا کی طرف کھنچا چلا جاتا۔ پرنس نے خوب اچھی طرح کاتیا کو سمجھا ہوگا اور قیاس دوڑا لیا ہوگا کہ اس سے اس کا جوڑ بیٹھتا ہے اور یہ کہ کاتیا اسے میری بہ نسبت زیادہ شدت سے اپنی جانب کھینچ سکتی ہے۔ ہائے وانیا! اب لے دے کے تمہیں سے امید رہ گئی ہے — پرنس چاہتا ہے کہ تم سے دوستی گانٹھے، کسی وجہ سے اور قریبی تعلقات قائم کرے۔ تم اس سے کنارہ مت کرنا اور کوشش کرنا، میرے پیارے، خدا کے لئے کوشش کرنا کہ کاؤنٹیس سے تمہاری جلدی ہی ملاقات ہو جائے۔ پھر اس کاتیا سے جان پہچان پیدا کرو اور اس کو ٹھونک بجا کے دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ وہ ہے کس قسم کی؟

اس نے غصے سے میرا بازو ایک طرف جھٹک دیا، ایک دم میری طرف پیٹھ پھیر لی، میز تک پاؤں مارتی ہوئی گئی اور کونے میں منہ کرکے کھڑی ہوگئی۔ آنکھیں زمین پر گڑے ہوئے تھی، منہ سرخ تھا اور سانس بےقرینہ چل رہا تھا، جیسے بہت بری طرح دل ٹوٹا ہو۔

"بس نیلی۔ کیا ہوا، خفا ہو گئیں؟" میں نے اس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی سچ مچ تھوڑئی ہے جو لکھا ہوا ہے۔ سب فرضی ہے، من گھڑت۔ حساس لڑکی! بھلا اس میں ناراض ہونے کی کیا بات؟"

"میں کیوں ہونے لگی ناراض؟" اس نے دبی آواز میں کہا اور بڑی روشن اور پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر ایک دم میرا ہاتھ تھام کر اپنا منہ میری چھاتی سے بھینچ لیا اور پتہ نہیں کیوں، رونے لگی۔

لیکن اسی لمحے وہ ہنس پڑی — روتی بھی، ہنسی بھی ساتھ ساتھ۔ میرا بھی جی چاہا کہ ہنسوں مگر نہ جانے کیوں دل گرفتہ تھا۔ وہ کسی طرح سر اٹھانے کو تیار نہ تھی۔ اور جب میں نے اپنے ساتھ سے اس کا سر جدا کرنا چاہا تو اس نے اور زور سے بھینچا اور زور سے ہنسنے لگی۔

آخر میں یہ جذباتی منظر ختم ہوا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ مجھے جانے کی جلدی تھی۔ نیلی کا چہرہ سرخ تھا اور ابھی تک اس پر جھینپ سوار تھی۔ آنکھیں ستاروں کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ وہ اسی حال میں میرے پیچھے دوڑی ہوئی زینے پر آئی اور کہنے لگی کہ ذرا جلدی لوٹ آنا۔ میں نے چلتے چلتے وعدہ کیا کہ تیسرے پہر کے کھانے تک ضرور واپس آجاؤں۔ دیکھ جتنی جلد ممکن ہوگا پہنچوں گا۔

پہلے تو میں اخمینیف گھرانے میں گیا۔ دونوں میاں بیوی کی طبیعت ناساز تھی۔ آننا اندریئونا بالکل ہی بیمار پڑی تھیں۔ نکولائی سرگئیچ کیسے اپنے مطالعے کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے میرے آنے کی آہٹ سنی لیکن مجھے انداز تھا کہ حسب معمول وہ کوئی پندرہ منٹ تو باہر نہیں نکلیں گے تاکہ ہم دونوں کو بات کرنے کی پوری مہلت مل جائے۔ میں آننا اندریئونا کو زیادہ تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ جتنا بس چلا میں نے گذشتہ

شام کی روداد انہیں ہلکی کرکے سنائی۔ لیکن جو حقیقت تھی وہ ضرور گوش گزار کر دی۔ مجھے حیرت اس بات پر ہوئی کہ بڑی بی کو افسوس ضرور ہوا لیکن نئے تعلق کے اندیشے کی خبر پر زیادہ حیرت انہیں نہیں ہوئی۔

"ہاں تو، بیٹے، وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا"، وہ بولیں۔ "جب تم یہاں سے چلے گئے تو میں نے معاملے پر خوب غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ یہ ہونے والا نہیں ہے۔ خدا کی اُس سے خاص رحمت کے تو مستحق نہیں ہیں ہم اور دوسرے وہ ایسا کمینہ، بھلا اس کی ذات سے نیکی کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ کوئی مذاق ہے کہ خوامخواہ ہم سے دس ہزار روبل کی رقم وصول کئے لیتا ہے۔ ایسا شخص ہے وہ۔ خود جانتا ہے کہ یہ خواہ مخواہ کی رقم ہے، مگر پھر بھی وصول کرنے کو تیار۔ روٹی کا آخری ٹکڑا تک چھینے لے رہا ہے۔ اب اخمینیفکا بکنے کی نوبت ہے۔ نتاشا ٹھیک کر رہی ہے، سمجھدار ہے وہ جو اس نے ان کا اعتبار نہیں کیا۔ اور تمہیں خبر ہے میرے بیٹے، بڑے میاں، جی میں کیا ٹھانے ہوئے ہیں؟" انہوں نے نیچی آواز میں کہا۔ "وہ بالکل ہی اس شادی کے خلاف ہیں۔ صاف کہتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں 'شادی نہیں چاہئے مجھے!' شروع میں تو میں سمجھی کہ یوں ہی فضول کی بات ہے۔ لیکن نہیں — وہ تو سچ مچ خلاف ہی ہیں۔ یوں ہوا تو اس پر کیا گزر جائے گی، میری بیچاری غریب بچی پر؟ وہ اسے ہمیشہ کے لئے عاق کر دیں گے۔ ہاں، کچھ الیوشا کی بتاؤ۔ وہ کیا سوچ رہا ہے؟"

اسی طرح وہ دیر تک مجھ سے سوال جواب کرتی رہیں، اور حسب معمول سرے جوابوں پر آہیں بھرتی ہائے وائے کرتی رہیں۔ ادھر کچھ دنوں سے میں دیکھ رہا تھا کہ بڑی بی کچھ بالکل ہی گم سم ہوکر رہ گئی تھیں۔ ہر خبر جو انہیں ملتی تھی حواس باختہ کر دیتی تھی۔ نتاشا کا غم ان کے دل کو اور ان کی صحت کو کھائے جا رہا تھا۔

بڑے میاں ڈریسنگ گاؤن لپیٹے اور سلیپر پہنے باہر آئے۔ انہیں خود حرارت کی شکایت تھی مگر بیوی کو بہت نرمی سے دیکھتے رہے اور جتنی دیر میں وہاں موجود رہا وہ نرس کی طرح بیوی کی تیمارداری میں لگے رہے، ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

دیکھتے رہتے بلکہ ان کے سامنے ادب سے پیش آتے رہے۔ جس نگاہ سے وہ بیوی کو دیکھتے تھے اس میں بڑی گھلاوٹ تھی۔ آنا اندریئونا کی بیماری نے بڑے میاں کو ڈرا دیا تھا۔ انہیں یہ ڈر تھا کہ اگر کہیں آنا اندریئونا بھی دنیا سے چلی گئیں تو ساری زندگی ملیامیٹ ہو جائے گی۔

میں کوئی گھنٹہ بھر ان کے ہاں ٹھیرا۔ جب رخصت ہونے لگا تو بڑے میاں ڈیوڑھی میں میرے ساتھ ساتھ چلے آئے اور نیلی کے بارے میں دریافت کرنے لگے۔ وہ تو واقعی سنجیدگی سے سوچنے لگے تھے کہ اس لڑکی کو بیٹی بنا کر اپنے ہاں رکھ لیں۔ مجھ سے مشورہ کرنے لگے کہ آنا اندریئونا کو اس پر کیونکر آمادہ کیا جائے۔ انہوں نے نیلی کے بارے میں خاص طور سے کرید کرید کر سوال کئے کہ آیا کچھ اور اس کے متعلق پتہ چلا کہ نہیں؛ میں نے انہیں جلدی میں مختصر سا جواب دے دیا۔ میرے بیان نے ان پر کافی اثر کیا۔

”اچھا، پھر باتیں ہوں گی اس کے بارے میں“ انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا ”اور اس اثنا میں... مگر خیر، ذرا میری طبیعت سنبھل جائے میں خود ہی آؤں گا۔ اور پھر طے کریں گے۔“

ٹھیک دن کے بارہ بجے تھے کہ میں مسلوبویف کے ہاں پہنچ گیا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پہلی صورت جو وہاں نظر آئی وہ پرنس صاحب کی تھی۔ وہ ڈیوڑھی میں کھڑا اوورکوٹ پہن رہا تھا اور مسلوبویف بڑی چابکدستی سے اسے کوٹ پہنا رہا تھا، کوٹ پہنا کر اس نے اس کی چھڑی حوالے کی۔ مسلوبویف پہلے ہی بتا چکا تھا کہ پرنس سے اس کی جان پہچان ہے۔ مگر اس کے باوجود یہاں کی ملاقات نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔

پرنس نے مجھے دیکھا تو ذرا گڑبڑا گیا۔

”اوہو، آپ ہیں!“ وہ ذرا مبالغہ آمیز تپاک سے بولا۔ ”بھئی واہ، کیا ملاقات ہوئی ہے! ذرا خیال تو کیجئے! ابھی ابھی مجھے مسٹر مسلوبویف کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی۔ بہت ہی مسرت ہوئی کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ میں تو خود آپ سے ملنے کا مشتاق تھا، اور سوچ رہا تھا کہ جلد سے جلد ملاقات کی جائے۔ اگر اجازت ہو تو آپ سے ایک التجا ہے۔ میری مدد کیجئے۔ ذرا بتائیے کہ

اب کیا صورتحال ہے۔ آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کل کے واقعے کے بارے میں کہہ رہا ہوں... آپ کے وہاں گہرے تعلقات ہیں... اور جو کچھ ہوتا رہا ہے، وہ سب آپ کی نظر میں ہے۔ اور آپ کا اثر بھی ہے... سخت افسوس ہے کہ فی الحال ٹھیر نہیں سکتا... ضروری کام ہے! لیکن دو چار دن میں... بلکہ ممکن ہے جلد ہی مجھے آپ کے ہاں حاضری کا شرف نصیب ہو۔ اور اب...“

اس نے کچھ ضرورت سے زیادہ تپاک سے ہاتھ ملایا، مسلوبویف سے نظر نظر میں بات کی اور چل دیا۔

”کہو — خدا کے واسطے بتاؤ مجھے...“ میں نے کمرے میں قدم رکھتے ہی کہا۔

”میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا“ مسلوبویف نے میری بات کاٹی۔ جلدی سے اس نے ٹوپی اٹھائی اور ڈیوڑھی کی طرف تیزی سے قدم بڑھائے۔ ”ضروری کام ہے، میرے بھائی۔ جلدی پڑی ہے۔ دیر ہو گئی مجھے!...“

”مگر تم نے خود ہی تو مجھے بارہ بجے آنے کو لکھا تھا۔“

”تو کیا کروں کہ لکھا تھا؟ کل میں نے تمہیں لکھا تھا اور آج مجھے کسی نے لکھا۔ میرا سر چکرا رہا ہے، معاملہ ایسا آ پڑا! لوگ میرے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ معاف کرنا وانیا، اور تمہارا دل رکھنے کو اگر میں کچھ کر سکتا ہوں تو تجویز ہے کہ میری ٹھکائی کر دو کہ میں نے تمہیں بے وجہ دق کیا۔ اگر تمہیں اپنا اطمینان خاطر کرنا ہے تو جلدی کرو ہاتھ جما دو میرے۔ لیکن خدارا، ذرا جلدی۔ دیر نہ کرو۔ کام ہے ضروری۔ میرا انتظار ہو رہا ہے...“

”بھلا میں تمہارے کیوں ہاتھ جماؤں؟ کام ہے تو دوڑ جاؤ۔ سبھی کو اس طرح اچانک کام آ پڑتے ہیں۔ اور صرف...“

”یہ صرف والی بات میں تم سے پھر کسی وقت کہوں گا“ اس نے ڈیوڑھی کی طرف لپکتے ہوئے اور کوٹ پہنتے ہوئے کہا (میں نے بھی اس کی دیکھا دیکھی کوٹ پہننا شروع کر دیا)۔ ”مجھے بھی تم سے کام ہے۔ بہت ہی ضروری کام۔ اسی لئے میں نے تمہیں بلایا تھا۔ خاص تمہارا اور تمہارے ہی مطلب کا کام ہے۔ لیکن چونکہ دم بھر میں تم سے اس کے متعلق کچھ کہنا ممکن نہیں

ہے تو خدا کے لئے تم مجھ سے وعدہ کرو کہ آج ہی شام کو
[illegible] آ جاؤ گے، نہ پہلے آنا نہ دیر سے آنا۔ کسی پر ظاہر [illegible]
نہیں۔"
"اچھا،" میں نے غیریقینی انداز میں کہا "مگر، مجھ کو آج
شام ایک جگہ جانا تھا..."
"میرے پیارے، تو وہاں ابھی ہو آؤ جہاں شام کو جانا
تھا اور شام کو میری طرف آ جاؤ۔ کیونکہ وانیا، جو باتیں مجھے
تم سے کرنی ہیں تم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"
"اچھی بات ہے، اچھا تو۔ مگر ایسی بات کیا ہے؟ سچ کہتا
ہوں تم نے مجھ میں کرید پیدا کر دی۔"
اس اثنا میں ہم پھاٹک سے باہر نکل آئے تھے اور فٹ پاتھ
پر کھڑے تھے۔
"اچھا تو آ رہے ہو تم؟" اس نے اصرار سے پوچھا۔
"کہا تو کہ آؤں گا۔"
"نہیں ایسے نہیں۔ پکا وعدہ کرو۔"
"توبہ۔ کیا آدمی ہے! اچھا پکا وعدہ رہا۔"
"بہت اچھا۔ بہت خوب۔ تو اب تمہارا کدھر کا راستہ ہے؟"
"اس طرف کا،" میں نے داہنی جانب اشارہ کیا۔
"اور مجھے اس طرف جانا ہے،" اس نے بائیں طرف اشارہ کیا۔
"اچھا رخصت، وانیا، یاد رکھنا، سات بجے۔"
"عجیب ہے" میں نے اس کی پشت پر دیکھتے ہوئے سوچا۔
میں اس روز شام کو نتاشا کے ہاں جانے والا تھا۔ لیکن چونکہ
اب مسلوبوف سے وعدہ کر چکا تھا اس لئے طے کیا کہ فوراً نتاشا
کے ہاں ہو آؤں۔ یقین تھا کہ الیوشا وہاں ملے گا۔ اور واقعہ یہ
ہے کہ وہ موجود تھا اور میرے آنے سے بہت ہی زیادہ خوش ہوا۔
وہ بہت دلکش لگ رہا تھا اور نتاشا پر فدا ہوا جا رہا تھا،
میرے پہنچنے سے اور مگن ہو گیا۔ نتاشا اگرچہ اپنے طور پر
کوشش کر رہی تھی کہ خوش و خرم نظر آئے لیکن صاف معلوم
ہوتا تھا کہ طبیعت پر جبر کر رہی ہے۔ چہرے پر زردی اور
[illegible] چھائی ہوئی تھی۔ نیند بھر کے سوئی نہ تھی۔
الیوشا کے ساتھ وہ پہلے سے کہیں زیادہ مہربان تھی۔
الیوشا نے بہت باتیں بنائیں، ادھر ادھر کے قصے

سنائے تاکہ اس کی طبیعت بہلا دے [illegible]
لے آئے جو بے اختیار سنجیدگی کا [illegible]
میں وہ جان بوجھ کر کاتیا اور اپنے باپ کے متعلق [illegible]
گریز کرتا رہا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کل مصالحت کی ساری کوششیں
رائگاں ہو چکی تھیں۔
"تمہیں خبر ہے کیا؟ وہ کسی نہ کسی طرح میرے پاس سے
بھاگنا چاہتا ہے،" نتاشا نے میرے کان میں جلدی سے کہا، جب
الیوشا ماورا کو کسی چیز کا آرڈر دینے منٹ بھر کو چلا گیا
تھا۔ "لیکن وہ ڈرتا ہے۔ اور میں بھی اس سے کہتے ڈرتی ہوں
کیونکہ اگر کہہ دوں تو پھر وہ جان بوجھ کر یہیں جم جائے گا۔
مگر سب سے زیادہ ڈر مجھے اس بات کا ہے کہ وہ مجھ سے اکتا
جائے گا، اور اس کی وجہ سے میرے ساتھ سردمہری اور بڑھ جائے گی۔
اب بتاؤ، کیا کروں؟"
"توبہ، توبہ، تم لوگ بھی اپنے آپ کو کس حالت میں ڈال
لیتے ہو! اور تم دونوں ایک دوسرے پر کتنا شبہ کرتے ہو، کس
قدر ایک دوسرے پر نظر رکھتے ہو! سیدھے سیدھے کہہ ڈالنا
تھا اور بس قصہ ختم۔ کیونکہ دیکھو نا، اس حالت میں ممکن
ہے اس کا بالکل ہی دم گھٹ جائے۔"
"تو پھر کیا کرنا چاہئے؟" اس نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔
"ایک منٹ ٹھہرو، میں تمہارا یہ کام کئے دیتا ہوں..."
میں باورچی خانے میں گیا، اس بہانے سے کہ ماورا سے کہہ دوں
کہ کیچڑ میں میرا جوتا پوش ذرا میلا ہو گیا ہے، اسے صاف کر دے۔
"ذرا سوچ سمجھ کر، وانیا!" اس نے پیچھے سے پکار کر کہا۔
جیسے ہی میں ماورا کے پاس پہنچا، الیوشا دوڑ کر میرے پاس
آیا گویا اسے میرا ہی انتظار تھا۔
"ایوان پتروویچ، میرے عزیز دوست، میں کیا کروں؟ مشورہ
دیجئے مجھے۔ میں کل وعدہ کر چکا ہوں کہ عین اس وقت بھی
کاتیا کے ہاں موجود ہوں گا۔ اب میں ٹال بھی نہیں سکتا۔
مجھے نتاشا سے کتنی محبت ہے بتا نہیں سکتا، اس کی خاطر آگ
پر جلنے کو تیار ہوں، لیکن آپ ہی مانیں گے کہ وہاں سے
بھی بالکل قطع تعلق کر لینا ممکن نہیں..."
"اچھا تو جائیے..."

"مگر نتاشا کا کیا ہوگا؟ آپ جانئے ایوان پترووچ، ایسے تو اسے صدمہ ہوگا۔ آپ ہی میرے لئے کوئی ترکیب نکالئے..."

"میرے خیال میں تو آپ کو چلے جانا چاہئے۔ آپ جانتے نہیں وہ آپ سے کتنی محبت کرتی ہے۔ فوراً تاڑ لے گی کہ اس کے پاس آپ کا جی اکتا رہا ہے مگر طبیعت پر جبر کرکے بیٹھے ہوئے ہیں۔ بہتر بھی ہے کہ بدمزگی نہ کی جائے۔ خیر، آئیے، چلیں، مدد کرتا ہوں میں۔"

"پیارے ایوان پترووچ، آپ کتنے بھلے آدمی ہیں!..."

ہم دونوں وہاں سے لوٹ آئے۔ منٹ بھر بعد میں نے اس سے کہا:

"ابھی ابھی آپ کے والد سے ملاقات ہوئی۔"

"کہاں ہوئی؟" وہ چونک کر بولا۔

"سڑک پر، اتفاق سے۔ وہ دم بھر کو مجھ سے بات کرنے کے لئے رکے اور پھر پوچھنے لگے کہ کیا میں ملتے رہتے ہیں؟ آپ کے بارے میں بھی دریافت کر رہے تھے کہ کیا مجھے خبر ہے آپ اس وقت کہاں ہوں گے؟ وہ آپ سے ملنے کو بے تاب تھے۔ شاید انہیں کچھ کہنا تھا۔"

"الیوشا، لیوشا، تم جاؤ۔ ان سے مل لو جا کر،" نتاشا نے مشورہ دیا، یہ سمجھتے ہوئے کہ میرا منشا کیا ہے۔

"مگر... اب وہ ملیں گے کہاں؟ کیا گھر گئے ہیں؟"

"نہیں، میں جانوں وہ کاؤنٹس صاحبہ کے ہاں روانہ ہوئے ہیں۔"

"تو پھر۔ اب کیا ہو؟" الیوشا نے نتاشا کو اداس نظر سے دیکھتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

"اوہ لیوشا، تو کیا برائی ہو گئی! کیا تمہارا مطلب ہے کہ مجھے مطمئن کرنے کو وہاں کا میل ملاقات ہی چھوڑ دو گے؟ یہ بالکل بچپن ہے۔ اول تو میں کہوں کہ یہ ممکن ہی نہیں، اور دوسرے یہ کہ کاتیا کے ساتھ ناشکرا پن ہوگا۔ تم دونوں دوست ہو۔ بھلا ایسے تعلقات کو یوں بے ادبی سے کیسے توڑا جا سکتا ہے۔ اور پھر مجھے بھی تکلیف ہوگی اگر تم سمجھو کہ میں تم سے اس سے جلتی ہوں۔ فوراً چلے جاؤ، میں تم سے درخواست کرتی ہوں! تمہارے اباجان کو بھی اطمینان ہو جائے گا۔"

"نتاشا، تم فرشتہ ہو، اور میں تمہاری چھنگلیا کے قابل بھی نہیں ہوں!" الیوشا خوشی سے اور پچھتاوے کے ساتھ چیخا۔ "تم

اس قدر نیک ہو اور میں... میں... خیر، میں تمہیں بتا ہی دوں، ابھی ابھی باورچی خانے میں ایوان پترووچ سے پوچھ رہا تھا کہ کوئی تدبیر کریں جس سے میں یہاں سے چلا جاؤں۔ اور انہوں نے یہ تدبیر نکالی ہے۔ دیکھو۔ مجھ پر بگڑنا نہیں نتاشا، میری جان! میں پوری طرح قصوروار نہیں ہوں کیونکہ تم سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ دنیا کی ہر چیز سے ہزار گنا زیادہ۔ اسی لئے میں نے ایک اور سبیل سوچی ہے — میں نے سوچا کہ کاتیا سے سب کچھ صاف صاف کہہ ڈالوں، اپنے موجودہ حالات بھی بتا دوں اور جو کچھ کل یہاں پر پیش آیا وہ بھی۔ وہ ہمارے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی ترکیب ضرور سوچ نکالے گی، اسے ہمارا تہہ دل سے خیال ہے..."

"اچھا تو پھر یہی کرو،" نتاشا نے زیرلب تبسم سے جواب دیا "اور ہاں، میرے دوست، میں خود بھی کاتیا سے ملنے کی بڑی مشتاق ہوں۔ اس کی صورت کیا کی جائے؟"

اس پر الیوشا کا جوش و خروش بیان سے باہر تھا۔ وہ فوراً تدبیریں سوچنے لگا کہ ان دونوں کی ملاقات کیسے کروائی جائے۔ اس کے دماغ میں تو یہ بات بہت معمولی سی تھی — کاتیا ملاقات کی خود کوئی سبیل کر لے گی۔ اس نے اس خیال کو ذوق و شوق اور فرط جذبات سے بڑھا کر بیان کر دیا۔ وعدہ کیا کہ اچھا، آج ہی جواب لے کے آؤں گا دو گھنٹے کے اندر، اور شام کا وقت نتاشا کے ساتھ گزرے گا۔

"کیا واقعی آؤ گے؟" نتاشا نے اس سے چلتے وقت پوچھا۔

"تو کیا تمہیں کچھ شبہ ہے؟ رخصت، نتاشا، رخصت، میری پیاری، میری جان۔ خدا تمہیں سلامت رکھے! اچھا، رخصت، وانیا! اُفوہ، توبہ ہے میری، پھر بے ادبی سے میں آپ کو وانیا کہہ گیا۔ ایوان پترووچ، سنئے، میں آپ سے اتنی تو محبت کرتا ہوں، پھر آپ جناب کیا، 'تم' کیوں نہ رہے ہمارے درمیان؟"

"اچھا 'تم' ہی سہی۔"

"خدا کا شکر! کوئی سو بار تو دماغ میں آن ہوگا لیکن پھر بھی ہمت نہیں پڑی کہ آپ سے کہہ دوں۔ دیکھئے، پھر منہ سے وہی لفظ 'آپ' نکلا۔ واقعی مجھے بہت مشکل ہے آپ کو 'تم'

کپڑ کر پکڑنا۔ لگتا ہے کہ کہیں کسی جگہ تالستائی* نے اس کو خوب بیان کیا ہے — دو آدمی ایک دوسرے سے وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ تم کہہ کر خطاب کیا کریں گے، مگر کسی طرح بھی نہیں پڑتا اور ایسے جملوں سے گریز کرتے ہیں جہاں یہ بات کہنا پڑے۔ ہائے نتاشا، کاش ہم تم دونوں کبھی 'بچپن اور لڑکپن' کتاب** پڑھ ڈالتے مل کر، کیا خوب ہے وہ!"

"بس — ہو چکا۔ اب جاؤ — جلتے بنو" نتاشا نے ایسے مسکراتے ہوئے نکال باہر کیا۔ "خوشی کے مارے باتیں ہی بنانے لگے..."

"اچھا رخصت، دو گھنٹے کے اندر میں تمہارے پاس موجود ہوں گا۔"

اس نے نتاشا کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور تیزی سے نکل گیا۔

"دیکھتے ہو، دیکھتے ہو، وانیا!" اس نے کہا اور آنسوؤں سے پھوٹ پڑی۔

میں نتاشا کے ہاں کوئی دو گھنٹے ٹھیرا، اسے دلاسا دیتا رہا اور پوری طرح پرسکون کر دینے میں کامیاب ہو گیا۔ واقعی وہ حق بجانب تھی اور اس کے سارے شکوک بجا تھے۔ جب مجھے اس کی موجودہ صورت حال کا خیال آیا تو دل مسوس کر رہ گیا۔ مجھے اس کے بارے میں خدشہ تھا۔ مگر کیا کیا جائے؟

الیوشا نے بھی مجھے چکرا دیا تھا — وہ اب بھی پہلے سے کچھ کم نتاشا کو نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ ممکن ہے اس کے جذبات کچھ اور شدید بھی ہو گئے ہوں، اور پچھتاوے اور شکرگزاری کے احساس کی وجہ سے اسے اور دکھ پہنچنے لگا ہو۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ نئی محبت اس کے دل میں مضبوطی سے جاگزیں ہوتی جا رہی تھی۔ انجام کیا ہوگا اس کی پیش بینی کرنا ممکن نہیں ہے۔ خود مجھے کاتیا سے ملنے کی بےتابی شروع ہو گئی تھی۔ میں نے ایک بار پھر نتاشا سے وعدہ کیا کہ کاتیا سے جان پہچان پیدا کروں گا۔

---

* لیو تالستائی (۱۸۲۸ تا ۱۹۱۰ء) — عظیم روسی ادیب۔ (ایڈیٹر)

** "بچپن" (۱۸۵۲ء)، "لڑکپن" (۱۸۵۴ء) — لیو تالستائی کی زندگی کے بارے میں خودنوشت نسخے۔ (ایڈیٹر)

آخر آخر میں نتاشا گویا مگن ہو گئی۔ باتوں کے سلسلے میں اسے میں نے نیلی اور مسلوبویف کا قصہ بھی لمبا سنایا، بوبنووا کا تذکرہ کیا اور آج مسلوبویف کے ہاں پرنس سے جو اتفاقاً مڈبھیڑ ہو گئی تھی اور مسلوبویف سے میں نے سات بجے کا جو وعدہ کیا تھا، سب بیان کر دیا۔ ان سب باتوں سے اسے بڑی دلچسپی ہوئی۔ نتاشا کے والدین کا حال میں نے اس سے کم ہی بیان کیا اور وقتی طور پر اپنے ہاں بڑے میاں کی آمد کا ذکر ہی نہیں چھیڑا۔ ممکن ہے کہ پرنس سے جو انھوں نے ڈوئل کی تجویز ٹھیرائی تھی اس سے نتاشا سہم جاتی۔ اسے بھی مسلوبویف اور پرنس کے تعلقات بہت عجیب لگے، ایسے ہی عجیب جتنی پرنس کی یہ غیرمعمولی تمنا کہ مجھ سے قریبی تعلقات قائم کئے جائیں، گرچہ اس کا کافی سبب موجودہ صورت حال کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے...

میں کوئی تین بجے دن کو گھر لوٹا اور نیلی بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ مجھ سے ملی...

چھٹا باب

میں ٹھیک سات بجے مسلوبویف کے ہاں پہنچ گیا۔ اس نے بڑے تپاک سے باآواز بلند پکار کر سلام دعا کی۔ ظاہر تھا کہ خوب چڑھائے ہوئے ہے۔ لیکن جو چیز مجھے سب سے زیادہ عجیب لگی وہ تھی غیرمعمولی تیاری جو میری آمد کے سلسلے میں کی گئی تھی۔ صاف بات تھی کہ میرا انتظار کیا جا رہا تھا۔ ایک اچھا سا تانبے کا سماوار بہت خوش‌نما اور قیمتی میزپوش سے ڈھکی ہوئی گول میز پر سنسنا رہا تھا۔ چائے کے سیٹ میں بلور کے، چاندی کے اور چینی کے برتن جگمگا رہے تھے۔ دوسری میز پر اور قسم کا میزپوش تھا جو قیمت میں پہلے سے کم نہ تھا۔ وہ بہت عمدہ مٹھائیوں کی پلیٹوں سے، کیئف کے مشہور مربوں سے، پھلوں کی جیلی سے، فرانسیسی پھلوں کے مربوں سے، موسمبیوں، سیبوں سے اور تین چار قسم کے خشک میووں سے بھری ہوئی تھی، گویا صحیح معنوں میں میووں کی دکان سجی تھی۔ ایک تیسری میز تھی جس پر سفید برف میزپوش بچھا تھا۔ اس پر بھی قسم قسم کی طشتریاں آراستہ تھیں — ماہی اچار، پنیر، بھنے ہوئے گوشت کی قتلیاں، دم کی ہوئی

سور کی ران، مچھلی اور ایک پوری قطار بلوریں صراحیوں کی، جن میں مختلف انواع و اقسام کی رنگارنگ شرابیں بھری تھیں۔ عنابی، بادامی، سرمئی اور سنہری۔ آخر میں ایک الگ سی چھوٹی میز تھی جس پر بھی سفید میزپوش بچھا تھا، وہاں دو صراحی‌دانوں میں شمپین کی بوتلیں لگی ہوئی تھیں۔ صوفے کے سامنے میز پر تین بوتلیں جگمگا رہی تھیں۔ ان میں ایک سوٹرن، لفیت اور تنباک کی بوتل تھی۔ ان تینوں میں یلی‌سیئف کی دکان‌والی بہت قیمتی شراب تھی۔ الکساندرا سیمونوونا چائے کی میز پر بیٹھی تھی اور اگرچہ اس کی فراک سادہ تھی تاہم دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ اس پر خاص توجہ اور احتیاط صرف کی گئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ خوب پھب رہی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ اس پر کیا چیز زیب دیتی ہے اور غالباً اس بات پر ناز کرتی تھی۔ وہ ذرا تمکنت کے ساتھ میرے خیرمقدم کو اٹھی اور اس کے کھلے ہوئے چہرے پر رونق اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ مسلوبویف کے پیر میں بہت دیدہ‌زیب چینی چپل تھے۔ اور وہ نہایت خوب صاف ریشمی لباس پر قیمتی ڈوئن پہنے بیٹھا تھا۔ اس کی قمیص پر جہاں بھی ممکن تھا فیشن کے طرح‌دار کف بٹن لگے ہوئے تھے۔ بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی، پومیڈ لگا ہوا تھا اور ایک طرف کو نئے فیشن کے ساتھ مانگ نکالی گئی تھی۔

میں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا کہ کمرے کے درمیان ہی قدم رک گئے اور منہ پھاڑے حیرت سے پہلے تو مسلوبویف کو دیکھتا رہا اور پھر الکساندرا سیمونوونا کو، جو اس سے لطف لے رہی تھی۔

"یہ کیا قصہ ہے، مسلوبویف؟ کہیں آج تمہارے یہاں دعوت تو نہیں ہے؟" آخر میں بےتابی سے چیخ پڑا۔

"نہیں، صرف تمہاری دعوت ہے" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پھر یہ سب کیا بکھیڑا ہے؟" (میں نے کھانے پینے کی چیزوں کی جانب اشارہ کیا) "تم نے تو پوری ایک پلٹن کو کھلانے کا انتظام کر رکھا ہے!"

"اور پلانے کا بھی۔ اصلی بات تو بھول جا رہے ہو — پلانے کا!" مسلوبویف نے لقمہ دیا۔

"تو یہ سب کیا صرف میری خاطر ہے۔"

"اور الکساندرا سیمونوونا کی خاطر۔ اسی نے تو یہ سب بکھیڑا پھیلایا ہے۔"

"اچھا تو شروع کر دیا، میں جانتی تھی!" الکساندرا سیمونوونا نے لجاتے ہوئے کہا مگر اس طرح کہ بہت بھرے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ "مہمانوں کی بھی سلیقے سے خاطرداری نہ ہو فوراً قصوروار ٹھیرائی جاتی ہوں۔"

"صبح سے ہی، ذرا خیال تو کرو، صبح سے ہی، جب سے معلوم ہوا ہے کہ شام کو تم آنےوالے ہو، ان کی دھوم دھام جاری ہے۔ سارے دن پریشان رہی۔"

"اور یہ بھی جھوٹ ہے! صبح سے ہرگز نہیں بلکہ کل رات سے۔ جب تم رات گھر واپس آئے تبھی تم نے بتایا تھا کہ وہ ہمارے ہاں آئیں گے اور آدھی رات تک ٹھیریں گے۔"

"نہیں، تم میری بات نہیں سمجھیں۔"

"نہیں سمجھی۔ یہ غلط ہے۔ یہی ہوا تھا۔ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی ہوں اور پھر مہمان کی خاطر کیوں نہ کی جائے؟ بس ہماری زندگی کٹتی جا رہی ہے اور ہمارے ہاں کوئی مہمان نہیں آتا ہے حالانکہ سب کچھ ہے گھر میں۔ بھلے مانس آئیں اور دیکھیں تو کہ ہمیں بھی دوسروں کی طرح رہنا سہنا آتا ہے۔"

"اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں پتہ چلے کہ آپ کس قدر باسلیقہ خانہ‌دار اور میزبان ہیں" مسلوبویف نے اپنی طرف سے لقمہ دیا۔ "ذرا خیال تو کرو میرے دوست، یہ میرا کیا حلیہ بنا ہے۔ انہوں نے مجھ پر ایک تو یہ ہالینڈ کی قمیص کسی اور پھر اوپر سے بٹن وٹن ٹانکے، سلیپر پہنائے، چینی جبہ لاد دیا۔ بالوں میں خود سے کنگھی کی اور خوشبودار برگموٹ تھوپ دیا۔ پتہ نہیں کیسے کیسے عطر چھڑکنے والی تھی، کریم بروے لگائی جانےوالی تھی، مگر میں کہاں تاب لانےوالا — ہاتھ پاؤں مار کر بچ نکلا اور شوہرانہ اختیارات کو کام میں لایا۔"

"برگموٹ تو بالکل نہیں تھا — سب سے عمدہ فرانسیسی پومیڈ تھا، چینی کی منقش ڈبیہ میں سے!" الکساندرا سیمونوونا نے بات پکڑ لی۔ اس کے چہرے پر تابش تھی۔ "آپ ہی انصاف کیجئے ذرا، ایوان پترووچ، نہ تو یہ مجھے تھیٹر لے جاتے ہیں، نہ ناچ

تے ہیں۔ صرف مواکیں لا لاکر دیتے رہتے ہیں۔ دیکھا میں فراکوں کا کیا کروں؟ پہنتی بھی کر بس کمرے میں چکر کاٹا کرتی ہوں اکیلی۔ ابھی دو ایک دن ہوئے میں نے ان سے کہا کہ مجھے تھیئٹر لے چلئے۔ سب تیاری ہو گئی تھی لیکن جیسے ہی میں ذرا بروچ ڈھونڈھنے میں مصروف ہوئی تو وہ جھٹ الماری کے خانے کی طرف — وہ ایک کے بعد ایک، اتنی ہی کہ کوئی حد نہیں۔ بس چھٹی ہوئی۔ ہمارے ہاں، کوئی نہیں، قطعی کوئی بھی، کوئی بھی تو مہمان نہیں آتا۔ صبح ہوتے پتہ نہیں کس قسم کے لوگ اپنے کام دھندے سے آتے رہتے ہیں اور مجھے اس وقت ہٹا دیا جاتا ہے۔ سماوار ہمارے گھر میں ہے، کھانے کا سیٹ، چائے کا عمدہ سیٹ — سب کچھ موجود ہے۔ سب تحفے کی چیزیں ہیں۔ کھانے پینے تک کی چیزیں لوگ لاتے رہتے ہیں۔ صرف ایک شراب ہے جو ہم خریدتے ہیں اور یا کوئی بوسہ وغیرہ۔ اور یا کچھ ناشتے کا سامان سمجھئے — بھنے گوشت کے باریک قتلے، دم کی ہوئی ران اور مٹھائیاں وغیرہ آپ کے لئے خریدی ہیں... جی چاہتا ہے کوئی دیکھے تو سہی کہ ہم کیسے رہتے ہیں! مجھے سال بھر سے تمنا ہے کہ ہمارے ہاں کوئی مہمان آتا، معقول سا مہمان۔ اس کے سامنے سب یہ چیزیں رکھ سکتے اور اچھی طرح اس کی تواضع کرتے — لوگ تعریف کرتے، ہمیں خوشی ہوتی۔ اور انہیں کیا، بدھو ہیں یہ تو، خود بخود بوسہ لیتے۔ اس قابل تھوڑئی ہیں۔ وہ تو اپنے اوپر کیچڑ بیٹھے بھرے ہیں۔ ذرا اس گاؤن کو ہی دیکھ لیجئے جو انہوں نے پہن رکھی ہے۔ ٹخنے کی چیز ہے۔ مگر کیا یہ اسے پہننے کے قابل ہیں۔ ہیں، انہیں تو سب سے مقدم ہے کہ گلاس میں تبدیل دو۔ ابھی دیکھو سمجھئے گا جانے سے پہلے آپ سے ووڈکا پینے کو کہیں گے۔''

''اور کیا! دیکھا، کیا خوب کہی۔ گلوں وانیا، بیٹھیں سونے والی اور چاندی والی: بولو۔ بیر سرونزہ روح کے ساتھ پینے کی دوسری چیزوں پر غالب ڈالا جائے۔''

''میں بھی التماس کر رہی تھی!''

''فکر مت کرو، جانم۔ چائے بھی چلے گی۔ ذرا سی برانڈی ملا لیں گے اس میں، تمہاری صحت کا جام رکھیں گے۔''

''ہاں، تو وہی ہوا نا!'' وہ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر چیخ پڑی۔ ''چائے اعلیٰ درجے کی ہے۔ چھ روبل پاؤنڈ کی۔ ایک سوداگر نے نذر کی ہے۔ اور وہ اسے کنیاک ملا کر پیتے ہیں۔ آپ ان کی مت سنئے ایوان پتروویچ، میں ابھی آپ کے لئے چائے بناتی ہوں... دیکھیں گے آپ، خود دیکھیں گے، کیا نفیس چائے ہے!''

اور وہ فوراً سماوار پر لگ گئی۔

سمجھ میں آنے والی بات تھی کہ وہ لوگ مجھے رات گئے تک روکنے کی سوچ رہے تھے۔ الکساندرا سیمیونوونا سال بھر سے مہمانوں کے لئے چشم براہ تھی اور اب مجھ پر ساری کسر نکالنے والی تھی۔ یہ بات میرے لئے مناسب بالکل نہیں بیٹھ رہی تھی۔

''سنو، مسلوبویف،'' میں نے بیٹھتے ہوئے کہا ''میں تمہارے ہاں مہمان بن کر نہیں آیا ہوں۔ میں تو کام سے آیا ہوں۔ تم نے خود مجھے کچھ کہنے سننے کو بلایا ہے...''

''ہاں، خیر ہے تو ٹھیک۔ کام تو کام ہی ہے۔ لیکن دوستانہ گفتگو بھی اپنی جگہ ہے۔''

''نہیں، میری جان۔ میرا کچھ ٹھیک نہیں۔ میں تو ساڑھے آٹھ بجے رخصت چاہوں گا۔ کام سے جانا ہے۔ وعدہ کر چکا ہوں۔''

''میں نہیں جانتا، جان من، ذرا سوچو، تم یہ میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ اور پھر الکساندرا سیمیونوونا کے ساتھ تو یہ ٹھیک نہیں۔ ذرا اس کی طرف دیکھو تو سہی — تم نے تو سکتے میں ڈال دیا۔ وہ کس لئے میرا بناؤ سنگار کرتی رہی۔ ذرا اس برگاموٹ کا خیال کرو جو مجھ پر تھوپا گیا ہے!''

''تمہیں ہر وقت مذاق کی پڑی رہتی ہے، مسلوبویف۔ میں الکساندرا سیمیونوونا کے سامنے قسم کھا لوں گا کہ آئندہ ہفتے، چھو جمعہ کو سہی، آپ لوگوں کے ہاں شام کے کھانے پر آؤں گا۔ لیکن اس وقت، میرے بھائی، میں وعدہ کر چکا ہوں۔ یا یوں کہوں تو مناسب ہوگا کہ مجھے ایک جگہ پہنچنا ہے۔ اچھا، تم کچھ ڈالو — کیا بات کرنے والے تھے؟''

''تو کیا واقعی آپ کا ساڑھے آٹھ بجے جانا طے ہے؟'' الکساندرا سیمیونوونا دبی ہوئی اور فریادی آواز میں چلائی۔ یہ کہتے ہوئے

ور مجھے اعلیٰ درجے کی چائے کی پیالی دیتے ہوئے وہ روہانسی ہو
اٹھی تھی۔

"فکر مت کرو میری جان۔ یہ سب بکواس ہے"، سلوبوئیف
نے جملہ جوڑا۔ "یہ ٹھیریں گے۔ محض بکواس ہے ان کی۔ ہاں
مگر وانیا، تم مجھے یہ تو بتاؤ، تمہیں ہر وقت کہاں جانے کی
پڑی رہتی ہے؟ کس طرح کے معاملے درپیش ہیں تمہیں؟ کیا
جان سکتا ہوں؟ روزانہ، جب دیکھو، کہیں نہ کہیں بھاگے جا رہے
ہو، کام تو کرتے نہیں...."

"مگر تمہیں اس کی کیا فکر؟ خیر، میں شاید بعد میں بتا دوں گا۔
البتہ، تم ذرا کہہ جاؤ کہ کل مجھ سے ملنے کیوں آئے تھے جب
میں تم سے پہلے کہہ چکا تھا کہ گھر پر نہیں رہوں گا؟"

"بعد میں یاد آیا مگر کل یاد نہیں رہا تھا۔ ایک خاص معاملے
کے متعلق تم سے بات کرنی تھی۔ مگر سب سے مقدم یہ کہ الکساندرا
سیمیونوونا کو خوش کرنا مقصود تھا۔ ہمیشہ کہتی ہے کہ 'ایک
آدمی تو ہے جو دوست نکلا۔ تم ان کی دعوت کیوں نہیں کرتے؟'
ور چار دن سے، میرے یار، مجھے تیری وجہ سے ٹھوکے دئے جا
رہے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ برگاموٹ کی بدولت عاقبت میں بھی
میرے چالیس گناہ معاف ہو جائیں گے، لیکن میں نے سوچا، پھر بھی،
ایک آدھ شام تو ہم دوستوں کی طرح مل بیٹھیں۔ اسی لئے میں
نے یہ چال چلی: لکھ دیا کہ ایسا معاملہ آپڑا ہے کہ اگر تم نہ آئے
تو سمجھو، تیا ڈوب جائے گی۔"

میں نے اس سے درخواست کی کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا بلکہ
صاف صاف کہہ دینا۔ بہر اس نے جو صفائی پیش کی، اس سے میں
پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکا۔

"اچھا یار، تم آج دن میں مجھ سے کیوں نکل بھاگے تھے؟"
میں نے پوچھا۔

"آج دن میں واقعی مجھے ضروری کام تھا۔ اس میں رتی برابر
جھوٹ نہیں ہے۔"

"کہیں پرنس کے ساتھ تو نہیں؟"

"کہئے، آپ کو ہماری چائے پسند آئی؟" الکساندرا سیمیونوونا
نے شیریں آواز میں پوچھا۔

کوئی پانچ منٹ سے وہ اسی انتظار میں تھی کہ اس کی چائے کی

تعریف کر دوں مگر میرا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔

"بہت ہی نفیس، الکساندرا سیمیونوونا، غضب چائے ہے، ویسی
کبھی نہیں پی تھی۔"

الکساندرا سیمیونوونا خوشی سے لہک اٹھی اور لپکی کہ ایک
اور پیالی بنا دے۔

"پرنس!" سلوبوئیف چیخا۔ "یہ پرنس، میرے بھائی، بڑا بدمعاش
ہے۔ نہایت تگڑمی۔ ہاں! یار سن، میں تجھ سے کیا کہہ رہا
ہوں۔ ویسے تو میں بھی جوڑ توڑ کرنے میں کچھ کم نہیں ہوں
لیکن اس کی سطح پر اتر آنے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی! کے
نہیں۔ دم سادھ لو! بس یہی ایک بات ہے جو اس کے بارے
میں کہہ سکتا ہوں۔"

"مگر میں تو جان بوجھ کے اسی ارادے سے تمہارے پاس آیا
تھا کہ اس کے بارے میں بھی پوچھ گچھ کروں گا۔ خیر، پھر
سہی۔ ہاں یہ تو بتاؤ کل تم نے میری غیرحاضری میں مٹھائی کی
گولیاں اسے، میری یلینا کو کیوں دی تھیں اور اس کے آگے ناچے
کیوں تھے؟ اور وہ کیا باتیں ہوں گی جو تم ڈیڑھ گھنٹے تک اس سے
کرتے رہے!"

"یلینا، بارہ سال کی یا شاید کوئی گیارہ سال کی بچی ہے،
فی‌الحال ایوان پتروویچ کے ہاں رہتی ہے"، سلوبوئیف نے ایک دم
الکساندرا سیمیونوونا کی طرف منہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو،
وانیا، دیکھو"، وہ کہتا چلا گیا، انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے "وہ
ایک دم کیسی چوکنی ہو گئی تھی یہ بھنک پڑتے ہی کہ میں
کسی اجنبی لڑکی کے لئے مٹھائی کی گولیاں لے گیا تھا، ہے نا؟ ابھی
چونک گئی تھی نا، اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا، جیسے پستول سے
گولی داغ دی ہو ہم نے... ذرا آنکھیں دیکھو اس کی۔ چمک رہی
ہیں۔ چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ خیر، اب بیکار ہے الکساندرا
سیمیونوونا، چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں! رقابت کی جلن ہے۔ اگر
میں صفائی نہ دے ڈالتا کہ گیارہ سال کی بچی تھی تو وہ میرے
بال سلامت نہ چھوڑتی — اور یہ برگاموٹ بھی کچھ کام نہ آتا!"

"اور اب بھی کام نہ آئے گا!"

ان لفظوں کے ساتھ الکساندرا سیمیونوونا چائے کی میز کے پیچھے
سے ایک ہی اچھال میں ہمارے سامنے نمودار ہو گئی، اور اس سے

پہلے کہ مسلوبویف اپنے سر کا بچاؤ کر سکتی، اس نے بالوں کا
ایک گچھا پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا اور اچھی طرح خبر لی۔
''ٹھیک نہ دوں گی، ٹھیک نہ دوں گی! خبردار جو کبھی کسی
غیر کے آدمی کے سامنے کہا ہو کہ میں جیسی ہوں خبردار
جو کہا ہو، خبردار، سمجھے خبردار!''
ملکہ وہ اور سرخ ہو گئی اور اگرچہ ہنستی جاتی تھی پھر
بھی مسلوبویف کی اچھی طرح مرمت ہو گئی۔
''ہر طرح کی شرمناک باتیں منہ سے نکالتے ہیں'' میری طرف
مخاطب ہوکر سنجیدگی سے بولی۔
''چپ تو وانیا، دیکھتے ہو کیا زندگی ہے میری، اسی وجہ سے
تو ذرا وودکا کی مجبوری پیش آتی ہے!'' مسلوبویف نے اپنے بال
ٹھیک کرتے ہوئے اور صراحی کی جانب تیزی سے بڑھتے ہوئے بات
پوری کی۔ لیکن الکساندرا سیمیونوونا پہلے ہی تاڑ گئی تھی — وہ
خود میز کی طرف لپکی، تھوڑی سی شراب انڈیلی، اس کے ہاتھ میں
جام تھما دیا اور گال پر ہلکی سی چپت رسید کی۔ مسلوبویف نے
میری طرف فخر سے آنکھ ماری، زبان تالو سے لگائی اور اپنا جام
حلق میں لنڈھا لیا۔
''مٹھائی کا معاملہ جو ہے، اسے سمجھانا مشکل ہے'' مسلوبویف
نے میرے برابر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے مٹھائی کی
گولیاں پرسوں شراب کے نشے میں کسی سبزی فروش کی دکان سے
خریدی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں۔ ممکن ہے اس خیال سے خریدی
ہوں کہ یعنی، دیسی تجارت و صنعت کی ہمت افزائی کی جائے۔ ٹھیک
ٹھیک یاد نہیں۔ بہرحال اتنا یاد پڑتا ہے کہ میں سڑک پر دھت
چلا جا رہا تھا، کیچڑ میں پھنس کر گر گیا، اپنے بال نوچنے اور
اس پر رونے لگا کہ دنیا میں کسی کام کا نہیں ہوں میں۔ مٹھائی
کی بات ہی ذہن سے نکل گئی۔ چنانچہ وہ گولیاں کل تک میری
جیب میں پڑی رہ گئیں۔ اور جب میں تمہارے ساتھ صوفے پر
بیٹھا ہوں تو گولیاں جیب میں دب گئیں۔ اور ناچ کا پوچھو
تو اس کا سبب بھی میری ہی ڈانواڈول حالت تھی — کل میں کافی
پئے ہوئے تھا اور جب پئے ہوئے ہوتا ہوں اور اپنی قسمت کی طرف
سے اطمینان ہوتا ہے تو کبھی کبھی رقص کر ڈالتا ہوں۔ بس اتنی
بات تھی۔ ایک بات اور ہے کہ لاوارث بچی نے مجھ میں ترس کا

جذبہ بیدار کر دیا۔ اور اس کے علاوہ یہ کہ وہ مجھ سے بات ہی نہیں
کرنا چاہتی تھی جیسے ناراض ہو۔ چنانچہ ناچ کر ڈالا کہ
اس کا جی بہل جائے اور مٹھائی کی گولیاں بھی میں نے اسے
دے دیں۔''
''اور اسے بہلا کر یہ کوشش نہیں کی کہ باتیں پوچھی جائیں
اور اس سے کچھ نہ کچھ اگلوا لیا جائے؟ سچ سچ بتاؤ، جان
بوجھ کر تم سویرے گھر پہنچے تھے کہ اس وقت تو گھر پر
موجود نہیں ہوں گا اور اس سے روبرو بات کر کے کچھ اگلوا لیا
جائے گا۔ ہے نا؟ دیکھو، یہ تو مجھے پتہ ہے کہ تم اس کے پاس
کوئی ڈیڑھ گھنٹے بیٹھے رہے، اسے یقین دلایا کہ تم اس کی مرحومہ
ماں سے واقف ہو اور کسی سلسلے میں تم نے اس سے پوچھ گچھ
بھی کی۔''
مسلوبویف نے آنکھیں بھینچیں اور مکاروں کی طرح ہنسا۔
''چلو، یہ خیال بھی کچھ برا نہ تھا'' اس نے کہا۔ ''نہیں
وانیا، بات یوں نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو پوچھنے میں کیا حرج؟
لیکن یہ بات نہیں تھی۔ سنو، پرانے یارغار، اگرچہ میں اس وقت
بھی اچھی خاصی پئے ہوئے ہوں حسب دستور، تاہم میری ایک بات
کا پکا یقین رکھو — بری نیت سے فلپ کبھی تمہیں فریب نہیں
دے گا۔ بری نیت، برے خیال سے، بس یہ بات ہے!''
''اور بری نیت کے بغیر؟''
''اور... بری نیت کے بغیر بھی۔ اچھا یہ سب تو گیا جہنم
میں۔ آؤ پی ڈالیں اور اس کے بعد کام کی بات! کام تو یوں ہی
سا ہے خالی خولی'' اس نے کچھ پی کر گفتگو جاری رکھی۔ ''یہ
جو بنووا ہے نا، اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ لڑکی کو اپنے
ہاں رکھے۔ میں نے سب چھان بین کر لی ہے۔ گود لینے وغیرہ کا
کوئی معاملہ نہیں تھا۔ لڑکی کی ماں پر اس کا کچھ روپیہ چاہئے
تھا۔ چنانچہ اس نے بیٹی پر ہاتھ مارا۔ بنووا ویسے چاہے کتنی
ہی بری اور بدطینت کیوں نہ ہو لیکن ہے بیوقوف عورت جیسے
سب عورتیں ہوتی ہیں۔ مرحومہ کے پاس پاسپورٹ پکا تھا یعنی
یہ کہ سب معاملہ صاف ہے۔ یلینا تمہارے پاس رہ سکتی ہے
لیکن بہتر یہی ہوتا کہ کوئی گھربار والے بھلے مانس اسے اپنے ہاں
رکھ لیتے اور پال پوس لیتے۔ خیر، جب تک ایسا ہو، تمہارے ہاں

رہے جاتے۔ ٹھیک ہے۔ میں تمہاری خاطر سب کچھ کر دوں گا۔
سنووا اٹھی بھی نہیں اٹھ سکتی۔ اور اس کی مرحومہ ماں کے بارے
میں مجھے اب تک ٹھیک ٹھیک کچھ پتہ نہیں چلا ہے۔ وہ کسی
کی بیوہ تھی جس کا خاندانی نام زانستمن بتایا جاتا ہے۔۔''

''یہی مجھ سے ییلی نے بھی کہا تھا۔''

''اچھا تو یہ بات ختم ہوئی۔ اب، وانیا'' اس نے ذرا احتیاط
اور تکلف سے کہنا شروع کیا ''میری بھی ایک چھوٹی سی درخواست
ہے تم سے۔ دیکھو پوری کر دینا۔ مجھے جتنی تفصیل سے
بتا سکو بتاؤ کہ آخر تم کس معاملے میں اتنی بھاگ دوڑ کئے رہتے
ہو اور سارا سارا دن کہاں گزارتے ہو؟ گرچہ مجھے کچھ کچھ
معلوم ہے اور تھوڑا سا پتہ چلا ہے لیکن اس سے زیادہ تفصیل درکار
ہے مجھ کو۔''

اس احتیاط اور تکلف نے مجھے تعجب میں ڈال دیا بلکہ
بے چینی پیدا کر دی۔

''مگر یہ سب کیا ہے؟ کس لئے تم کو جاننے کی ضرورت پڑ
گئی؟ اس قدر سنجیدگی سے پوچھ رہے ہو کہ...''

''بات یہ ہے کہ فالتو لفظوں کے بغیر کہوں — میں تمہارے
کچھ کام آنا چاہتا ہوں۔ دیکھتے ہو یار۔ اگر میں تمہارے
ساتھ چالاکی کرتا تو خود تمہارے منہ سے بغیر کسی تکلف کے
سب اگلوا لیتا۔ پھر بھی تم مجھ پر شبہ کرتے ہو کہ تمہارے
ساتھ چالاکی کر رہا ہوں — میرے دوست، وہ مٹھائی کی گولیوں کی
بات یہ ہے کہ... اب میں سمجھتا۔ اور یہ جو رہا کہ میں سنجیدگی
سے بات کر رہا ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میری اپنی کوئی
غرض نہیں ہے اس میں بلکہ تمہارے فائدے کے لئے۔ اس لئے
تم شبہ نہ کرو اور صاف صاف کہہ ڈالو جو کچھ ہے سچ سچ...''

''مگر کیسی مدد؟ سنو، مسلوبویف۔ تم مجھ سے اس پرنس
کی بات کیوں نہیں کرتے؟ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ یہ ہوگی بڑی
میری مدد۔''

''پرنس کے متعلق! ہوں... چلو یہی سہی۔ صاف صاف کہتا
ہوں۔ اب میں تم ہی سے پرنس کے بارے میں سوال کرتا ہوں۔''

''وہ کیسے؟''

''ایسے کہ میرے بھائی، میں نے دیکھا ہے کہ کسی نہ کسی

صورت سے اس کو تمہارے معاملے سے کچھ سروکار ہے۔ یہ بھی
کہتا چلوں کہ اس نے تمہارے بارے میں مجھ سے سوال بھی کیا
تھا۔ اسے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ ہم تم ایک دوسرے سے
واقف ہیں، اس سے تمہیں کوئی مطلب نہیں۔ اصل بات کرنے
کی یہ ہے کہ تم اس پرنس سے ہوشیار رہو۔ وہ بڑا ہی بے ایمان،
شیطان ہے، بلکہ اس سے بدتر۔ چنانچہ جیسے ہی مجھے پتہ چلا کہ
اسے تمہارے معاملے سے سروکار ہے تو تمہاری طرف سے فکر ہو
گئی۔ یہ بتا دوں کہ ویسے مجھے اس قصے کی کچھ خبر نہیں
ہے۔ اس لئے تم سے پوچھتا ہوں کہ سب بتا دو تاکہ میں
پرکھ سکوں۔ اور اسی لئے میں نے تم سے آج آنے کو کہا تھا۔
یہی میرا اصل مطلب ہے۔ صاف کہہ دیتا ہوں۔''

''کم سے کم کچھ بتاؤ تو سہی۔ اور کچھ نہ سہی تو
یہی بتاؤ کہ مجھے پرنس سے بچ کر کیوں رہنا چاہئے؟''

''خیر — اچھی بات ہے۔ یہی سہی۔ یار، عام طور پر میں
بعض خاص معاملات میں ہاتھ ڈالتا ہوں۔ تم خود اندازہ کر سکتے
ہو کہ لوگ ایسے معاملے جو مجھے سپرد کرتے ہیں تو اس لئے
کہ میں بلاوجہ زبان نہیں کھولتا۔ تو پھر میں تم سے کیسے
کہہ ڈالوں؟ برا مت ماننا اگر میں ذرا گول مول بات کروں، یعنی
کافی گول مول تاکہ تم پر آشکار ہو جائے کہ یہ پرنس کیسا پاجی
آدمی ہے۔ اچھا شروع یہاں سے ہو کہ تم پہلے اپنا قصہ کہہ ڈالو —
سب کچھ۔''

میں نے جانچ لیا کہ اب اپنے معاملے میں کسی بات کو
مسلوبویف سے چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ نتاشا کا قصہ کوئی
راز تو رہ نہیں تھا۔ اور کہہ دینے سے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی
صورت سے مسلوبویف اس کی کچھ مدد کر سکے۔ البتہ یہ کیا کہ
بیان کرتے وقت جہاں تک ممکن تھا، کئی باتیں چبا گیا۔ مسلوبویف
ان تمام باتوں کو جن سے پرنس کا واسطہ ہو سکتا تھا، بہت غور اور
توجہ سے سنتا رہا۔ بار بار اس نے مجھے ٹوکا، کئی سوال بیچ میں
کر ڈالے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخر میں نے کافی تفصیل سے اسے
سب کچھ بتا دیا۔ یہ قصہ بیان کرنے میں کوئی دس منٹ لگا
مجھے۔

''ہوں۔ تو اس لڑکی کے دماغ میں بھیجا ہے گویا'' مسلوبویف

نے نتیجہ نکالا۔ ”اگرچہ، ممکن ہے کہ اس نے پرنس کے بارے میں پوری طرح صحیح قیاس نہیں کیا تھا، پھر بھی اچھا یہ تھا کہ پہلے ہی قدم سے اندازہ کر لیا کہ کس قسم کے آدمی سے واسطہ پڑا ہے اور اس سے تمام رشتے توڑ لئے۔ واہ ری نتالیا نکولائیونا! اس کی تندرستی کا جام چڑھاتا ہوں!“ (اس نے پورا گلاس چڑھا دیا۔) ”یہاں تو صرف دماغ سے کام نہیں چلتا۔ دل بھی ایسا ہی چاہئے جو دھوکے میں مبتلا نہ ہو۔ اور دل نے اسے دھوکہ نہیں دیا۔ خیر، یہ ہو تھا کہ اس کا معاملہ ڈوب گیا — پرنس اپنے من کی کرے گا اور بیوتا اسے چھوڑ دے گا۔ مگر مجھے افسوس ہے تو اخمنیف کا۔ انہیں اس پاجی کو دس ہزار کی رقم بھرنی پڑے گی! بھلا کیوں؟ کس نے ان کے مقدمے کی پیروی کی تھی؟ کسے وکیل بنایا گیا تھا؟ خود ہی مقدمہ لڑے ہوں گے — لاحول ولا... یہ سب گرم‌مزاج کے شریف لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کسی کام کے نہیں ہوتے۔ پرنس سے ایسے نہیں بھگتنا چاہئے تھا۔ میں ایسا اچھا ایڈووکیٹ دلواتا اخمنیف کو کہ بس۔ لینے کے دینے پڑ جاتے!“ اور اس نے رنج سے میز پر گھونسا مارا۔

”ہاں تو اب پرنس کے بارے میں ہو جائے۔“

”تمہیں تو بس پرنس کی پڑی ہے۔ اس کے بارے میں کیا بات کرنا۔ کچھ اچھا نہیں ہوا کہ میں نے خود کو اس سے الجھایا۔ وانیا، میری خواہش صرف اتنی تھی کہ اس بدروح کی طرف سے تمہارے گرد حصار کھینچ دوں۔ یا کہنا چاہئے، تم اس کے آسیب سے بچے رہو۔ جس سے اس کا پالا پڑ جائے وہ خطرے سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ تو تم چوکنے رہنا۔ بس یہی کہنا تھا۔ تم اپنی جگہ سوچ رہے تھے کہ نہ جانے کیسی پیرس کی بھول بھلیاں* تم پر آشکار کر دوں گا۔ تم ٹھیرے ناول‌نگار! بھلا، تم سے اس کمینے کے بارے میں کہنے سننے سے فائدہ کیا؟ وہ پاجی آدمی ہے۔ کمبخت... اچھا تو لو۔ میں تم سے اس کا، مثال کے طور پر ایک معمولی سا واقعہ بیان کئے دیتا ہوں۔ لیکن کہہ دیتا ہوں، نام،

* انیسویں صدی کے وسط میں روس میں فرانسیسی ادیب ایوجین سیو (۱۸۰۴ء تا ۱۸۵۷ء) کا ناول ”پیرس کی بھول بھلیاں“ بہت مشہور تھا۔ (ایڈیٹر)

مقام، شہر، بستی نہیں بتاؤں گا اور تاریخ‌وار بھی نہیں بتاؤں گا۔ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ ابھی جب وہ بالکل نوجوان تھا اور ابھی کلرکی کی تنخواہ پر گزر بسر کرتا تھا، تب اس نے ایک بڑے مالدار سوداگر کی بیٹی سے شادی کی۔ اچھا تو اس نے اس بیوی سے کچھ معقول سلوک نہیں کیا۔ اس وقت ہم اس بیوی کا قصہ چھیڑنے نہیں بیٹھے ہیں لیکن سرسری طور پر میں تمہیں بتا رہا ہوں، میرے دوست کہ ساری عمر اس کی خاص کوشش رہی ہے کہ ایسے معاملات سے روپیہ بنائے۔ اور لو — ایک اور واقعہ ہے۔ وہ ملک سے باہر گیا۔ وہاں...“

”ٹھیرو مسلوبویف، تم اس کے کون‌سے سفر کے بارے میں کہہ رہے ہو؟ کس سال‌والے؟“

”ٹھیک ۹۹ سال ۳ مہینے پہلے کا سفر۔ اس میں بھی یہی ہوا کہ کسی باپ کی کسی بیٹی کو اس نے ورغلایا اور ورغلا کے اپنے ساتھ پیرس لے گیا۔ اور پھر کیا حرکت کی تھی اس نے! بیٹی کا باپ کسی کارخانے‌وارخانے کا مالک تھا یا شاید کسی کاروبار کا حصہ‌دار تھا۔ مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں صرف اسی قدر بتا سکتا ہوں جتنا میں نے ادھر ادھر کے اندازوں سے پتہ چلایا ہے اور مختلف واقعات کی کڑیوں کو جوڑ کر نتیجہ نکالا تھا۔ خیر، تو پرنس نے اس سے بھی دھوکا کیا اور خود کو اس کے کاروبار میں شریک کر لیا، اسے بیوقوف بنایا اور روپیہ صاف کر دیا۔ بڑے میاں کے پاس کچھ قانونی کاغذات تھے جن سے وہ ثابت کر سکتے تھے کہ پرنس نے ان سے رقم لی تھی۔ مگر وہ ایسے لینا چاہتا تھا کہ پھر دینا نہ پڑے۔ یعنی ہم اپنی زبان میں کہیں گے کہ ہڑپ کر جائے۔ بڑے میاں کی ایک بیٹی تھی اور بہت بڑی حسینہ۔ اور اس حسینہ کا ایک عاشق تھا، بےمثال عاشق — شیلر* ٹائپ، شاعر آدمی اور پھر یہ کہ خود سوداگر، نوجوان اور من‌موجی — ایک لفظ میں یوں کہو کہ اچھا خاصا جرمن تھا۔ فیرفلڈن کوئی۔“

* یوہان فریڈرخ شیلر (۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۵ء) — جرمن شاعر، ڈرامہ‌نگار اور فنون کا عالم، جو اپنی تصنیف میں اعلیٰ اخلاقی اور سماجی تصورات کا پرچار کرتا تھا۔ (ایڈیٹر)

"یعنی تمہارے کہنے کا مطلب یہ کہ اس کا خاندانی نام تھا فقرکوخن؟"

"ہو سکتا ہے کہ فقرکوخن نہ ہو۔ جہنم میں جائے ہماری بلا سے۔ اس سے ہمیں کیا واسطہ۔ ہاں پرنس کی بات ہے۔ وہ اس لڑکی کے پیچھے پڑ گیا اور ایسا پیچھے پڑا کہ وہ بھی اس کی محبت میں پھنس گئی اور بالکل دیوانی ہو گئی۔ پرنس کے دل کی دو آرزوئیں تھیں اس وقت: اول تو یہ کہ لڑکی کو قبضے میں کرے اور دوسرے ان دستاویزوں کو قبضائے جو بڑے میاں سے لی ہوئی رقم کے بارے میں تھیں۔ بڑے میاں کی تمام چابیاں بیٹی کے ہاتھ میں رہتی تھیں۔ اور بڑے میاں کو بیٹی سے اس قدر والہانہ محبت تھی کہ وہ اس کی شادی تک کرنے کو تیار نہ تھا۔ ہاں، ہاں، واقعی۔ شادی کے طلبگار جو آتے تھے ان سب سے جلتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بیٹی سے جدا ہونا بھی ممکن ہے۔ اس نے فقرکوخن کو بھی نکال باہر کیا۔ عجیب تماشے کا آدمی تھا یہ انگریز بھی۔۔۔"

"انگریز؟ مگر یہ سب واقعہ گزرا کہاں؟"

"میرے منہ سے صرف اتنی بات نکلی کہ انگریز۔ یوں ہی نسبت دینے کے لئے لیکن تم نے وہی پکڑ لی۔ کہاں گزری؟ سمجھو، شہر سانفرے دے بگناپا میں گزری۔ ممکن ہے کہ وہاں نہیں، کراکوف میں گزری ہو۔ بلکہ غالباً یہ واقعہ ناساؤ کی تعلقداری میں پیش آیا تھا۔ سلزر کے پانی والی بوتل پر یہی لکھا ہوتا ہے۔ ناساؤ میں ہی ہوا تھا یہ واقعہ۔ چلو اب تو تمہیں اطمینان ہو گیا نا؟ چنانچہ یہ ہوا کہ پرنس اس لڑکی کو باپ کے گھر سے اڑا کے لے گیا وہ کسی طرح اسے اس بات پر اکسایا کہ بعض دستاویزوں پر ہاتھ صاف کر انہیں بھی ساتھ لیتی جائے۔ محبت ایسی بری بلا ہے، تم جانو وانیا! توبہ توبہ میرے پروردگار۔ خیر، تو لڑکی ویسے ایمان دار تھی، شریف تھی اور عالی ظرف تھی۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ غالباً اسے ان دستاویزوں کے بارے میں کچھ خاص معلوم نہ تھا کہ کس طرح کے دستاویزات ہیں۔ پریشانی صرف یہ تھی کہ باپ کہیں اسے عاق نہ کر دے۔ اس بار بھی پرنس نے ترکیب نکال لی۔ لڑکی کو باقاعدہ رسمی اور قانونی طور پر ایک وعدے کا کاغذ لکھ کر دے دیا کہ میں تم سے شادی کر لوں گا۔ لکھت پڑھت سے اس نے

لڑکی کو اس بات پر راضی کر لیا کہ ابھی ہم کچھ دن کے لئے ملک سے باہر جا رہے ہیں، سیر تفریح کے لئے، اور جب بڑے میاں کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو وہ ان کے پاس لوٹ آئیں گے۔ ان کی شادی ہو چکی ہوگی اور پھر تینوں خوش خوش رہیں گے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ابدالآباد تک۔ وہ گھر سے نکل گئی۔ بڑے میاں نے اسے عاق کر دیا اور ہاں، ان کا دیوالہ نکل گیا۔ بیٹی میں اس کے پیچھے فراعون‌سیلخ مارا مارا پھرا۔ سب کچھ تج دیا۔ یہاں تک کہ اپنا کاروبار تج دیا۔ اسے محبت بھی تو بہت بڑی۔"

"ٹھیر جاؤ۔ یہ فراعون‌سیلخ کون؟"

"ہاں تو اور کیا۔ وہی نا فیورباخ۔۔۔ لعنت ہو اس پر، وہ کون تھا۔ فقرکوخن! خیر تو کہنا یہ تھا کہ پرنس کے لئے شادی کرنا ممکن نہ ہوا۔ بھلا کاؤنٹیس 'طعنہ مہنہ' کیا کہیں گی اور پھر مہاراج 'پھوٹومار'، اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے؟ چنانچہ اب یہی رہ گیا تھا کہ وعدے سے مکر جائے۔ اور اس نے یہی کیا، بڑی بےحیائی سے۔ اول تو اس نے مارپیٹ کے سوا سب کچھ کیا۔ پھر دوسرا کام یہ کہ جان بوجھ کر فقرکوخن کو اپنے ہاں بلایا۔ وہ اکثر ان کے ہاں آتا جاتا رہا اور آخر لڑکی سے دوستی کر لی۔ دونوں آدمی رات گئے تک ساتھ رہتے، اپنی بدقسمتی پر رویا دھویا کرتے۔ وہ اسے دلاسا دیتا۔ ظاہر ہے کہ بڑی نیک روحیں تھیں۔ پرنس نے جان بوجھ کر یہ ترکیب لڑائی تھی۔ ایک بار رات گئے اس نے ان دونوں کو جا لیا اور بے غیرتی کا الزام لگا دیا کہ ان دونوں کے درمیان کچھ بات ہے۔ اور ایک بہانہ نکال لیا۔ کہنے لگا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ خیر، تو اس نے ان دونوں کو گھر سے نکال دیا اور خود تھوڑے عرصے کے لئے لندن چل دیا۔ ولادت کے دن قریب آ رہے تھے جب وہ گھر سے نکلا۔ اس سے بیٹی پیدا ہوئی۔۔۔ یعنی، مطلب یہ کہ بیٹی نہیں بیٹا یقیناً بیٹا ہی تو۔ اس کا نام رکھا گیا ولودیا۔ فقرکوخن اس کا دینی باپ قرار پایا۔ پھر وہ بچے کی ماں فقرکوخن کے ساتھ چلی گئی۔ اس کے پاس تھوڑی سی رقم تھی۔ سوئٹزرلینڈ اور اٹلی کا سفر ہوتا رہا۔ جہاں جہاں شاعرانہ سرزمین تھی وہاں کی اچھی طرح سیر کی گئی۔ اور کیا کہوں، وہ عورت ہر وقت

روتی رہتی تھی اور فقرکوخن کنمناتا تھا۔ کئی سال اسی طرح گزر
گئے۔ اور وہ گود کی بچی بڑی ہو گئی۔ پرنس کا بھی سب کام
بنتا چلا گیا۔ صرف ایک گڑبڑ تھی کہ ابھی تک وہ شادی کا
لکھا ہوا وعدہ عورت سے واپس نہ لے سکا تھا۔ جدا ہوتے وقت اس
نے غصے میں کہا تھا "تم بڑے کمینے ہو، تم نے مجھے لوٹ لیا،
میری آبرو خاک میں ملا دی اور اب مجھے چھوڑ دیا۔ اچھا رخصت،
جاؤ لیکن وعدے کا کاغذ واپس نہیں دوں گی۔ اس لئے نہیں کہ
اب تک مجھے تم سے شادی کی تمنا ہے بلکہ اس لئے کہ تم پر اس
کاغذ کا خوف سوار ہے۔ میں اس تحریر کو ہمیشہ سنبھال کے
رکھوں گی۔" مختصر یہ کہ وہ غصے سے کھول گئی مگر پرنس ٹھنڈا
رہا۔ عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ ایسے کمینے لوگ ان عالی‌ظرفوں
اور شریفوں سے بیوہار کرنے میں کامیاب نکلتے ہیں۔ عالی‌ظرف
لوگ اسے شریف اور بھولے ہوتے ہیں کہ انہیں فریب دینا بہت
آسان ہو جاتا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ خود کو
ہمیشہ اونچے درجے کی شریفانہ بیزاری میں بند کر لیتے ہیں بجائے
اس کے کہ قانون کے ڈنڈے سے کام لیں اگر اس سے کام لیا جا
سکتا ہو۔ مثال کے طور پر یہاں بھی ایسا ہی ہوا — یہ ماں بھی
صرف اپنے باوقار غصے میں ہی تپتی رہ گئی۔ اور اگرچہ وعدے
کی دستاویز اس نے اپنے قبضے میں رکھی لیکن وہی ہوا جو پرنس
پہلے سے جانتا تھا کہ وہ خود کو پھانسی پر لٹکانا گوارا کر لے گی
مگر اس کاغذ سے کام نہیں لے گی، چنانچہ وقتی طور پر اسے اطمینان
ہو گیا۔ اور اگرچہ اس ماں نے کہنا چاہئے کہ پرنس کے ذلیل
منہ پر تھوک دیا لیکن ولودکا کو ہاتھوں میں سنبھالے رہی۔
اگر وہ خود مر گئی تو اس بیٹے کا کیا ہوگا؟ یہ نہ سوچا۔ برودرشافت
نے بھی اس کو ڈھیل دے دی اور اس کی فکر نہ کی۔ شاعر شیلر
کو ہی پڑھتے رہ گئے دونوں۔ آخر برودرشافت کو کوئی بیماری
لگی اور وہ دنیا سے سدھار گیا..."

"تمہارا مطلب ہے کہ فقرکوخن؟"

"ہاں۔ وہی۔ ارے اسے جہنم واصل کرو! اور وہ جو
عورت تھی..."

"ٹھہرو ذرا۔ وہ کتنے سال تک ملک ملک سفر کرتی رہی؟"

"ٹھیک دو سو سال۔ پھر وہ کراکوف واپس آ گئی۔ باپ نے

اسے منہ نہیں لگایا — عاق کر دیا۔ وہ مر گئی اور بڈھے نے خوشی
سے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ اور جیسے قصہ کہانیوں میں
کہتے ہیں: میں بھی حاضر تھا وہاں۔ خم کے خم لنڈھا دئے تھے۔
لیکن مونچھوں میں اٹک گئے، منہ میں نہیں پڑے*۔ آؤ بیٹی وانیا،
بس پی ڈالیں۔"

"مجھے شبہ ہوتا ہے کہ تم اس معاملے میں اس کے کام آ رہے
ہو، مسلوبویف؟"

"تمہیں کہیں یہی تو نہیں چاہئے؟"

"مگر ایک بات ہے جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ تم
اس میں کر کیا سکتے ہو؟"

"ہاں تو دیکھو۔ جب وہ دس برس باہر رہ کر بدلے ہوئے
نام سے میڈرڈ واپس آئی تو یہ سب باتیں تحقیق طلب تھیں۔ برودرشافت
کے بارے میں بھی پتہ چلانا ہے۔ بڑے میاں کے متعلق اور یہ
کہ واقعی وہ واپس آئی بھی یا نہیں، اور بچے کے بارے میں اور
یہ کہ مر گئی یا زندہ ہے۔ اور یہ کہ اس کے پاس کاغذ تھا بھی
یا نہیں وغیرہ وغیرہ، انتہاہ تک، اور بھی کچھ باتوں کا کھوج
نکالنا ہے۔ وہ بڑا ہی چال‌باز شخص ہے وانیا، تم ذرا اس سے ہوشیار
رہو۔ اور مسلوبویف کے بارے میں بس یہ سوچ لو کہ کبھی،
کسی حال میں بھی، کسی وجہ سے بھی اسے کمینہ پاجی مت
سمجھنا! اگرچہ ہے وہ واقعی پاجی (میں جانوں ایسا کوئی آدمی ہی
نہیں ہے جو کمینہ پاجی نہ ہو) تو تمہارے ساتھ بیوہار میں
مسلوبویف کمینہ پاجی نہیں ہے۔ میں بہت پئے ہوئے ہوں مگر
سنو میری بات — اگر کبھی عن‌قریب یا مستقبل بعید میں، ابھی یا
اگلے سال تمہیں ایسا لگے کہ مسلوبویف نے کسی معاملے میں
تم سے دغا یا چال کی ہے (اور براہ مہربانی یہ لفظ دغا چال بھول
نہ جانا) تو اپنی جگہ یقین کر لینا کہ اس میں بری نیت شامل نہیں
ہے۔ مسلوبویف تم پر نظر رکھے گا۔ اور تم کسی قسم کے وہم
کو دل میں جگہ نہ دینا۔ بلکہ سیدھے خود مسلوبویف کے پاس

---

* یہ روسی لوک کہانیوں کے روایتی اختتامی فقرے ہیں۔
(ایڈیٹر)

آبانا اور اس سے صاف صاف کہہ ڈالنا بینائی کی طرح۔ کہو، ا
ہو گے؟،،

"نہیں۔،،

"کچھ کھاؤ گے؟،،

"نہیں بھئی، معاف کرنا...،،

"اچھا تو پھر چل دو۔ پونے نو بج چکے ہیں۔ اور تم لاٹ صاحب ہو، وقت ہو گیا تمہارا۔،،

"یہ کیا۔ کیا حرکت ہے؟ خود تو پی کے دھت ہو گئے اور اب مہمان کو چلتا کر رہے ہو! ہمیشہ سے یہ ایسے ہی ہیں۔ اوہ، بےشرم کہیں کے!،، الکساندرا سیمیونوونا نے ٹھنک کر کہا۔

"پیدل اور سوار کا کیا ساتھ، الکساندرا سیمیونوونا! بس ہم دونوں ہی رہ جائیں گے اور ایک دوسرے کی تواضع کریں گے۔ ان کا کیا، یہ تو جنرل آدمی ہیں! نہیں وانیا، میں نے غلط کہا — تم جنرل نہیں ہو، میں ہوں کمینہ! ذرا دیکھو تو میں کیسا لگتا ہوں اس وقت۔ تمہارے سامنے بھلا میری کیا ہستی؟ معاف کرنا وانیا، برا مت ماننا، اجازت دو کہ ذرا اپنا دل کھول دوں...،،

اس نے مجھے گلے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ میں چلنے لگا۔

"خانہ بربادر! ہم نے تو رات کا کھانا تیار کر رکھا ہے!،، الکساندرا سیمیونوونا سخت تکلیف کے ساتھ بولی۔ "سچ بتائیے۔ آپ جمعہ کو آ رہے ہیں ہمارے ہاں؟،،

"ضرور، آؤں گا الکساندرا سیمیونوونا، وعدہ رہا۔ آؤں گا۔،،

"ممکن ہے آپ کی نظر میں گر گئے ہوں یہ کہ... بالکل دھت ہو گئے۔ آپ ایوان پترووچ، انہیں کبھی شوئی نظر سے نہ دیکھئے گا۔ اچھے آدمی ہیں، بڑے اچھے دل کے آدمی ہیں اور آپ سے تو نہیں اس قدر محبت ہے! جبکہ وہ دن رات آپ کے بارے میں مجھ سے بات کرتے رہتے ہیں۔ بس آپ کے بارے میں۔ خاص کر انہوں نے آپ کی کتابیں خریدیں میرے واسطے۔ میں نے ابھی پڑھی نہیں، کل سے پڑھنا شروع کروں گی۔ اور مجھے کتنا اچھا لگے گا جب آپ ہمارے ہاں آئیں گے! کسی کو بھی یہاں آتے نہیں دیکھتی ہوں۔ کوئی بھی ہمارے ہاں شام گزارنے نہیں آتا۔ ویسے میں سب کچھ ہے۔ مگر ہم اکیلے ہی بیٹھے رہتے ہیں۔ ابھی ابھی

میں بیٹھی تھی، سن رہی تھی۔ سنے جو رہی تھی جو آپ لوگ باتیں کر رہے تھے۔ کیا خوب ہے... [illegible] جمعہ تک کے لئے رخصت...،،

ساتواں باب

میں باہر نکلا اور [illegible] کی طرف جلدی [illegible] مسلوبیف کے لفظوں نے مجھ پر بہت اثر [illegible] خدا جانے کیسے کیسے خیال [illegible] آ رہے ہیں... [illegible] کیا ایک حادثہ میرے انتظار میں ہو، جس نے [illegible] کی طرح میرے اوسان خطا کر دئے۔

ٹھیک اس گھر کے پھاٹک کے سامنے، جس میں میرا فلیٹ تھا، بجلی کا کھمبا تھا۔ جیسے ہی میں نے پھاٹک میں قدم رکھا، ایک دم کھمبے کے پاس سے کوئی عجیب ہیئت کی چیز مجھ پر جھپٹی ایسے کہ منہ سے میرے چیخ نکل گئی۔ کوئی جاندار مخلوق تھی — خوف‌زدہ، تھرتھراتی ہوئی، نیم‌دیوانہ، اور اس نے چیخ مار کر میرا ہاتھ زور سے پکڑ لیا۔ مجھ پر دہشت طاری ہو گئی۔ یہ نیلی تھی۔

"نیلی، کیا ہو گیا تجھے؟،، میں چیخ پڑا۔ "کیا بات ہو گئی؟،،

"وہاں — اوپر، وہ بیٹھے ہیں... ہمارے گھر میں...،،

"کون ہے وہ؟ چلو، چلیں۔ ساتھ چلیں۔،،

"نہیں، نہیں۔ میں نہیں جاتی۔ جب تک وہ چلے نہ جائیں، میں یہیں ٹھیروں گی دروازے میں.... میں نہیں جانے کی۔،،

میں دل میں عجب طرح کے اندیشے لئے ہوئے اوپر پہنچا۔ دروازہ کھولا، دیکھا کیا کہ پرنس موجود ہیں۔ وہ میز کے پاس بیٹھا ناول پڑھ رہا تھا۔ کم از کم کتاب تو ضرور کھلی ہوئی تھی۔

"ایوان پترووچ!،، وہ خوشی سے چلایا۔ "بڑی خوشی ہے کہ آپ آخر واپس آ گئے۔ اب میں بس چلنے ہی والا تھا۔ گھنٹے بھر سے اوپر آپ کا انتظار کیا۔ میں نے کاؤنٹیس صاحبہ سے وعدہ کر لیا ہے خود ان کے شدید اور خاص اصرار پر کہ آج شام آپ کو ساتھ لے کر پہنچوں گا۔ انہوں نے بڑی خصوصیت کے ساتھ یہ خواہش کی تھی اور آپ سے ملاقات کی بہت ہی مشتاق ہیں۔ اور چونکہ آپ مجھ سے وعدہ کر چکے تھے اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ

بذاتِ خود آپ کے ہاں آؤں اور ذرا سویرے پہنچوں تاکہ آپ کہیں باہر نہ نکل گئے ہوں اور اپنے ساتھ ہی چلنے چلنے کی دعوت دوں۔ ذرا میری مصیبت کا اندازہ لگائیے، میں پہنچا تو آپ کی نوکرانی نے بتایا کہ آپ گھر پر موجود نہیں ہیں۔ اب کیا کروں۔ اور وہاں میں ہوٹل میں بیٹھا ہوں کہ آپ کو ساتھ لے کر آؤں گا، تو سوچا انتظار کر لوں، کوئی پندرہ منٹ۔ خیر وہ پندرہ منٹ بھی گزر گئے۔ آپ کا ناول پڑھنا شروع کر دیا اور اس میں محو ہو گیا۔ ایوان بتروویچ، واقعی کیا کمال کی چیز ہے! اس کے بعد بھی آپ کی صحیح قدر نہیں کی لوگوں نے، جانتے ہیں آپ؟ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ آپ نے مجھے رلا دیا اور مجھے رونا ذرا کم ہی آتا ہے...“

”اچھا تو آپ کا مطلب ہے کہ چلوں؟ میں اقرار کرتا ہوں کہ اس وقت... یعنی اگرچہ میں بالکل اس کے خلاف نہیں ہوں، لیکن...“

”خدا کے واسطے، جلد چلئے۔ آپ یہ میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟ ذرا دیکھئے تو میں ڈیڑھ گھنٹے سے آپ کے انتظار میں ہوں... اور اس کے علاوہ مجھے آپ سے باتیں کرنی ہیں۔ بہت ہی ضروری ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ کس سلسلے میں؟ آپ اس پورے معاملے کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں... ممکن ہے ہم کوئی نہ کوئی فیصلہ کریں، کسی نتیجے پر پہنچیں۔ سوچئے، خدارا آپ انکار نہ کیجئے۔“

میں نے دل میں اندازہ کیا کہ جلد یا بہ دیر جانا تو ہے ہی بہرحال۔ یہ صحیح ہے کہ نتاشا اس وقت تنہا ہوگی اور اسے میری ضرورت بھی ہوگی لیکن خود اسی نے تو یہ ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے کہ جس قدر جلد سے جلد ہو سکے کاتیا سے جان پہچان کی جائے۔ اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ الیوشا وہیں موجود ہو... میں جانتا تھا کہ نتاشا کو کل نہیں پڑے گی جب تک میں کاتیا کے بارے میں معلومات اس تک نہ پہنچا دوں۔ چنانچہ میں نے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن نیلی کی فکر الگ ستا رہی تھی۔

”ذرا ٹھہرئیے،“ میں نے پرنس سے کہا اور زینے کی طرف گیا۔ نیلی وہاں ایک اندھیرے کونے میں دبکی کھڑی تھی۔

”کیوں، تم آئی کیوں نہیں چاہتی ہو، نیلی؟ انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا؟ کیا کہہ دیا تم کو؟“

”کچھ نہیں... بس میرا دل نہیں چاہتا۔ میں نہیں چاہتی...“ اس نے پھر وہی بات دہرائی۔ ”مجھے ڈر لگتا ہے...“

میں نے اسے منانے راضی کرنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود۔ آخر ہم دونوں نے طے کیا کہ میں پرنس کو لے کر باہر نکلوں وہ فوراً کمرے میں واپس چلی جائے اور اندر سے تالا لگا لے۔

”کسی کو بھی گھر میں نہ آنے دینا نیلی، چاہے وہ تمہیں کتنا ہی سمجھائے بجھائے۔“

”اور آپ ان کے ساتھ سوار ہو کر چل دیں گے؟“

”ہاں، ان کے ساتھ۔“

وہ چونک گئی اور اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ گویا التجا کر رہی ہو کہ میں اس کے ساتھ باہر نہ جاؤں لیکن منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ میں نے جی میں سوچا کہ کل اس سے تفصیل میں پوچھوں گا کہ کیا بات ہے؟

میں پرنس سے معذرت کر کے ذرا کپڑے بدلنے لگا۔ وہ مجھے یقین دلانے لگا کہ وہاں جانے کے لئے نہ کسی قسم کی پوشاک کی ضرورت ہے، نہ بناؤ سنگار کی۔ ”بس ذرا یوں ہی سا تازگی کا سامان ہونا چاہئے،“ اس نے مجھے سر سے پیر تک غور نہ نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ جانئے یہ سب اعلیٰ سوسائٹی کے تکلفات ہیں۔ ان سے جان چھڑانا بھی مشکل ہے۔ تکلفات سے نجات کا آدرش اپنانے میں ہماری اعلیٰ سوسائٹی کو بہت عرصہ لگے گا،“ اس نے بات پوری کی اور اطمینان بھری نظر سے دیکھا کہ میرے پاس فراک کوٹ موجود ہے۔

ہم دونوں باہر نکل گئے۔ لیکن میں اسے زینے پر ہی چھوڑ کر واپس کمرے میں آیا جہاں نیلی پہلے سے ہی آ کر دبک گئی تھی اور ایک بار پھر اس سے رخصت چاہی۔ نیلی بہت بری طرح اضطراب کے عالم میں تھی۔ اس کے چہرے پر نیلاہٹ سی آ گئی تھی۔ مجھے اس کی طرف سے خطرہ ہوا اور اسے اکیلا چھوڑتے ہوئے دکھ ہوا۔

"عجیب ہے یہ آپ کی نوکرانی بھی،" پرنس نے زینے سے اترتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "وہ چھوکری آپ کی نوکرانی ہی ہے نا۔"
"جی نہیں... وہ تو... میرے ہاں عارضی طور پر ٹھیری ہوئی ہے۔"
"عجب لڑکی ہے۔ مجھے تو یقیں ہوا کہ پگلی۔ ذرا سوچئے تو، شروع میں اس نے معقول طریقے سے جواب دیا۔ اور اس کے بعد جب مجھ پر اچھی طرح نظر ڈال چکی تو جھپٹ پڑی، چیخی، دانت نکالے، مجھے کھسوٹ دیا... منہ سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں سکی۔ سچ کہتا ہوں کہ میں ڈر گیا تھا اور اس سے پیچھا چھڑانے ہی والا تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ خود میرے پاس سے بھاگ گئی۔ میں حیران رہ گیا۔ آپ کی اس کے ساتھ کیسے بسر ہو رہی ہے؟"
"اسے مرگی کی بیماری ہے،" میں نے جواب دیا۔
"اوہ یہ بات ہے! تب تو کوئی تعجب کی بات نہیں... اگر اسے دورے پڑتے ہیں۔"
وہیں مجھے یہ ایک بات سوجھی: کہ کل میرے ہاں مسلوبوف کا آنا، ایسے وقت میں جب کہ اسے معلوم تھا کہ میں گھر پر موجود نہیں ہوں، پھر آج میرا مسلوبویف کے ہاں جانا اور اس کی زبانی وہ سننا جو شراب کے نشے میں بےارادہ اس کے منہ سے نکل گیا، اور آج شام کو سات بجے اس کا مجھے اپنے گھر دعوت دینا، اس کا اصرار کہ کبھی اس پر چال‌بازی کا گمان نہ کیا جائے اور آخر میں یہ کہ پرنس میرے مکان پر ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کرتا رہا، ممکن ہے یہ جانتے ہوئے کہ میں مسلوبویف کے ہاں گیا ہوں اور نیلی کا اس سے یوں ڈرکر باہر نکل جانا — یہ سب واقعات ایسے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی نہ کوئی کڑی موجود ہے۔ اور سی کچھ سوچنا باقی تھا۔
پھاٹک پر پرنس کی گاڑی ہمارے انتظار میں تھی۔ ہم سوار ہوکر چل دئیے۔

آٹھواں باب

ہمیں بہت دور نہیں جانا تھا، صرف ترگووی موسٹ تک۔ پہلے منٹ تو ہم خاموش رہے۔ میں برابر سوچ رہا تھا کہ دیکھوں،

یہ شروع کیسے کرتے ہیں۔ میرا قیاس تھا کہ وہ اندھیرے کی بات چھیڑیں گے ذرا ٹھونک بجا کے دیکھیں گے اور پھر مجھ سے اُمید رکھیں گے۔ لیکن اس نے بغیر کسی تمہید و تکلف کے صاف مطلب کی بات چھیڑ دی۔
"ایک صورت‌حال ایسی پیش آگئی ہے کہ ایوان پتروویچ مجھے اس کی طرف سے بڑی بےچینی ہے،" اس نے کہنا شروع کیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے اس کا ذکر آپ سے کروں اور آپ کا مشورہ طلب کروں — بہت دنوں سے میں نے طے کر رکھا ہے کہ میرا جو مقدمہ چل رہا ہے اس میں ڈگری لینے سے انکار کر دوں اور اخمنیف سے دس ہزار کی رقم وصول نہ کروں۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"
"یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تمہیں معلوم نہ ہو کہ کیا قدم اٹھانا چاہئے،" فوراً میرے دماغ میں یہ خیال دوڑا۔ "تو پھر کیا مذاق سوجھا ہے جو مجھ سے پوچھتے ہو؟"
"پرنس صاحب، میں نہیں جانتا،" میں نے ہر ممکن سادگی کے ساتھ اسے جواب دیا۔ "البتہ کسی اور معاملے میں، یعنی جس کا تعلق نتالیا نکولائیونا سے ہو، اس معاملے میں تیار ہوں کہ جو بات بھی آپ کے لئے، ہمارے، ہم سب کے لئے ضروری ہو، اس پر بات کروں۔ اور یہ جو آپ نے کہا اس میں تو آپ ہی مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔"
"نہیں، نہیں۔ میں تو یقیناً آپ سے کم ہی جانتا ہوں۔ آپ کے ان لوگوں سے تعلقات ہیں۔ اور ممکن ہے کہ خود نتالیا نکولائیونا نے اس معاملے میں ایک بار سے زیادہ آپ پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہوں۔ میں بس انہی کی بات کو مدنظر رکھوں گا۔ آپ میری بہت مدد کر سکتے ہیں۔ بہت ہی دشوار معاملہ آکے پڑا ہے۔ میں روپیہ چھوڑ دینے کو تیار ہوں۔ بلکہ طے کئے ہوئے ہوں کہ اسے تو ایسے ہی جانے دوں چاہے اور دوسرے پانسے کیسے ہی پڑیں۔ آپ سمجھے نا میری بات؟ مگر اس کی صورت کیا ہونی چاہئے؟ کس شکل میں قصہ فرو کیا جائے؟ یہ ہے سوال۔ بڈھے میاں کو تو اکڑ ہے اور اینٹھے ہوئے ہیں۔ کہیں اگر میری شرافت کے بدلے توہین کر دیں اور روپیہ میرے منہ پر مار دیں تو...."

"اچھا ویسے آپ بتائیے، آپ اس رقم کو کیا سمجھتے ہیں — اپنی یا ان کی؟"

"میں نے مقدمہ جیتا ہے اس لئے میری ہی ہوئی۔"

"لیکن آپ کا ضمیر کیا کہتا ہے؟"

"یقینا اپنی ہی رقم سمجھتا ہوں"، اس نے میرے کسی قدر گستاخانہ سوال پر جزبز ہوکر جواب دیا۔ "مگر لگتا ہے کہ آپ کو اس معاملے کے تمام واقعات معلوم نہیں ہیں۔ میں بڑے میاں کو الزام نہیں دیتا کہ انہوں نے غبن یا خرد برد کیا اور آپ کے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ میں نے ان پر کبھی یہ الزام نہیں دھرا۔ خود انہوں نے اپنی توہین کر لی۔ انہی پر لاپروائی کا الزام آتا ہے۔ انہی کا قصور ہے کہ جو انتظام انہیں سونپا گیا تھا، اسے ٹھیک سے نہیں چلایا۔ اور ہمارا جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے بعض شقوں کی ذمہ‌داری ان پر ضرور آتی ہے۔ لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ اصل بات یہ نہیں ہے۔ سب قصے کی بنیاد جو چیز ہے وہ ہے ہمارا جھگڑا۔ اور اس وقت جو ہم نے ایک دوسرے کی تذلیل کر ڈالی — مختصر یہ کہ دونوں طرف کی خودپسندی کو زک پہنچی۔ میں نے غالباً بذات خود اس دس ہزار کی حقیر رقم کی طرف توجہ بھی نہ کی ہوتی لیکن آپ البتہ اتنا تو جانتے ہوں گے کہ یہ سارا جھگڑا کس بات سے شروع ہوا اور کیسے چلا۔ میں مانتا ہوں کہ میں نے شک وشبہ کیا بلکہ یہ بھی کہہ سکتے کہ غلطی کی (یعنی اس وقت میں غلطی پر تھا) لیکن مجھے اس کی خبر نہیں تھی اور پھر وہ بھی ان کی گستاخی اور بدتمیزی نے میری آبرو کو نقصان پہنچایا۔ میں نے اس معاملے کو غضب سے جانے دینا نہ چاہا اور مقدمہ چھیڑ دیا۔ ممکن ہے آپ سمجھتے ہوں کہ میری طرف سے شرافت نہیں برتی گئی۔ میں اس میں کچھ صفائی نہیں دوں گا۔ البتہ آپ کی نظر میں صرف یہ لانا چاہتا ہوں کہ غصہ اور خودداری پر ضرب محسوس کرنا یہ کوئی شرافت کے ختم ہوجانے کا نام نہیں بلکہ قدرتی بات ہے، ایک انسانی خصلت ہے۔ اور میں اقرار کرتا ہوں، اور آپ کے سامنے پھر دہراتا ہوں کہ مجھے اخمنیف کا تجربہ نہ تھا اور جو افواہیں ان کے اور ان کی بیٹی کے معاملے میں میرے کانوں تک پہنچیں ان پر میں نے یقین کر لیا اور یہ سمجھ بیٹھا کہ روپے کا غبن کیا گیا

ہے۔ اچھا، خیر، اسے بھی جانے دیجئے۔ اب تو اصل سوال یہ ہے کہ کیا کرنا چاہئے؟ میں روپے لینے سے انکار کر سکتا ہوں لیکن اگر ساتھ ہی یہ کہہ دوں کہ میرا دعوی صحیح تھا تو اس کے معنی ہوئے کہ میں انہیں یہ روپیہ اپنی جیب سے دے رہا ہوں۔ اور پھر بہیں سے نتالیا نکولائیونا کی نازک صورت‌حال کا سوال آجاتا ہے... وہ یقیناً روپیہ منہ پر مار دیں گے..."

"دیکھتے ہیں آپ۔ خود آپ نے ہی کہا ہے کہ وہ روپیہ منہ پر <u>مار دیں گے</u>۔ یعنی یہ کہ آپ خود اپنی جگہ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ آدمی ایماندار ہیں۔ اس لئے مکمل بھروسہ کیا جا سکتا ہے اس بات کا کہ انہوں نے آپ کا روپیہ غبن نہیں کیا ہوگا۔ جب یہ ہے تو آپ بذات خود ان کے پاس کیوں نہ جائیں اور صاف کہہ دیں کہ آپ اپنے دعوی کو جائز نہیں سمجھتے۔ یہ زیادہ آبرومند طریقہ ہے اور اس سے یہ ہوگا کہ اخمنیف کو بھی <u>اپنی</u> رقم لے لینے میں حجت نہ ہوگی۔"

"ہونہہ... <u>اپنی</u> رقم۔ یہی تو بات ہے! آپ یہ میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟ اس کے پاس جاؤں اور کہوں کہ میں اپنے دعوی کو جائز نہیں سمجھتا۔ 'تو پھر دعوی کیا ہی کیوں تھا اگر خود جانتے تھے کہ جائز نہیں ہے؟' — سب میرے منہ پر کہیں گے۔ مگر میں اس طعنے کا سزاوار نہیں ہوں کیونکہ دعوی میرا عین جائز تھا۔ میں نے نہ تو کہیں اپنی زبان سے کہا نہ قلم سے لکھا کہ اس نے میری رقم غبن کی۔ لیکن اب بھی مجھے یقین ہے کہ اخمنیف نے لاپروائی برتی، خیال نہیں رکھا اور انتظام اچھی طرح نہیں کیا۔ یہ رقم بلاشبہ میری ہی ہے اسی لئے تو یہ تباہ‌کن ہے کہ خود اپنے اوپر الزام لگواؤں۔ اور آخر میں پھر آپ کے سامنے دہراتا ہوں کہ بڑے میاں نے اپنی تذلیل اپنے ہاتھوں کی ہے۔ اور اب آپ مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ اس تذلیل کی معافی میں مانگوں — مشکل ہے۔"

"مجھے لگتا ہے کہ اگر دو آدمی آپس میں صلح کرنے پر آمادہ ہوں تو..."

"تو کیا یہ آسان بات ہے آپ کے خیال میں؟"

"جی ہاں۔"

"نہیں۔ اور بعض اوقات تو قطعی آسان نہیں ۔ خاص طور پر جب..."

"خاص طور پر جب، جب کہ اس کے ساتھ کچھ اور حالات بھی متعلق ہوں۔ مثلاً، اس پر آپ سے اتفاق کرتا ہوں، پرنس صاحب! نتالیا نکولائیونا کا اور آپ کے بیٹے کا جو معاملہ ہے اسے پہلے آپ اس حد تک فیصل کیجئے جس حد تک آپ پر منحصر ہے اور اس طرح فیصل کیجئے کہ اخمینیف والوں کی اچھی طرح تسلی ہو جائے۔ تبھی آپ اخمینیف سے معاملے کی صحیح صفائی کر سکتے ہیں، پوری خلوص دل کے ساتھ۔ اور ابھی جب کہ کچھ طے نہیں ہے تو آپ کے سامنے صرف ایک راہ رہ جاتی ہے کہ اپنے دعویٰ کو ناانصافانہ تسلیم کریں اور کھلے عام تسلیم کریں بلکہ اگر ضرورت ہو تو لوگوں کے سامنے، یہ ہے میری رائے۔ میں آپ سے صاف کہہ رہا ہوں کیونکہ خود آپ نے میری رائے پوچھی، اور غالباً آپ نہیں چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ مکر سے کام لوں۔ اور اسی سے مجھے یہ بھی دریافت کر لینے کی ہمت ہو رہی ہے کہ آپ حساب کو یہ رقم دے دینے کی فکر میں کیوں سر کھپاتے ہیں؟ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مقدمے میں آپ حق بجانب تھے تو پھر روپیہ واپس کرنا کیا معنی؟ میرے تجسس کو معاف کیجئے گا لیکن اس معاملے کا دوسرے حالات سے اس قدر گہرا تعلق ہے..."

"اور آپ کا کیا اندازہ ہے..." اس نے ایک دم سے اس طرح سوال کیا جیسے میرا سوال قطعی سنا ہی نہیں۔ "کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ بڑے میاں اخمینیف دس ہزار کی رقم لینے سے انکار کر دیں گے اگر بغیر معذرت کئے انہیں حوالے کی جائے اور... بغیر ان سب حیلوں کے؟"

"یقیناً واپس کر دیں گے!"

مجھے جیسے ایک دم ناگواری سے میرا بدن سنسنانے لگا۔ اس ذلیل اور مشتبہ سوال نے مجھ پر ایسا بھیانک اثر کیا جیسے پرنس نے میرے منہ پر تھوک دیا ہو۔ توہین کے اس احساس میں ایک اور چیز بھی شامل ہو گئی۔ بدتمیزی اور خود کو بہت اونچا رکھنے کا مظاہرہ جس سے انہوں نے میرے سوال کا تو جواب بھی نہیں دیا، اور ظاہر ہے کہ اور سوال کر دیا یعنی مجھ پر یہ جتانے کی کوشش کہ میں حد سے بڑھا جا رہا ہوں اور

ایسے سوال کی جرأت کر کے خود کو بہت بے تکلف بنائے لے رہا ہوں۔ اونچی ناک رکھنے والوں کا یہ انداز مجھے سخت ناپسند تھا، اس سے گھن آتی تھی اور پہلے میں ہوش تو اس سے بچنے کی انتہائی کوشش کرتا رہا تھا۔

"ہونہہ... آپ تو بڑے جذباتی نکلے۔ زندگی میں بہت سی چیزیں ایسے نہیں کی جاتی ہیں جیسے آپ اپنے جی میں سمجھتے ہیں" پرنس نے پرسکون طریقے سے میرے تڑ سے جواب دینے پر کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ نتالیا نکولائیونا اس معاملے کو طے کرنے میں کچھ نہ کچھ کر سکتی ہیں۔ آپ ان سے بات کیجئے۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی مشورہ دیں۔"

"نہیں دیں گی" میں نے درشتی سے جواب دیا۔ "آپ نے میری پوری بات سننے کی تو پروا نہیں کی جو میں آپ سے کہہ رہا تھا اور بات کاٹ دی۔ نتالیا نکولائیونا کا خیال یہ ہوگا کہ اگر آپ نے یہ رقم خلوص کے بغیر اور ان باتوں کا لحاظ کئے بغیر، جنہیں آپ ابھی 'جھمیلا' کہہ چکے ہیں، واپس کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ باپ کو بیٹی کا ہرجانہ دیئے چلے ہیں اور بیٹی کو الیوشا کے بدلے روپیہ دے رہے ہیں۔ یعنی ایک لفظ میں یہ کہ روپے سے معاوضہ ادا کر رہے ہیں..."

"ہونہہ... تو آپ یہ سمجھتے ہیں مجھ کو، میرے عزیز ایوان پترووچ!" پرنس ذرا مسکرایا۔ نہ جانے کس واسطے مسکرایا؟ "ہاں اور کتنی کچھ، کتنی بہت سی باتیں ہمیں حق تھا کہ ہم تو آپس میں بات کرنی تھی۔ مگر اب وقت ہی نہیں رہا۔ میں آپ سے صرف یہ التجا کروں گا کہ محض ایک بات سمجھ لیجئے۔ یہ معاملہ براہ راست نتالیا نکولائیونا سے واسطہ رکھتا ہے اور ان کی ساری آئندہ زندگی سے۔ اور اس کا بڑی حد تک انحصار ہے اس پر کہ ہم آپ کے ساتھ کس فیصلے پر پہنچتے ہیں اور کیا طے کرتے ہیں آپ ناگزیر ہیں — خود دیکھ لیجئے۔ اگر آپ کو ابھی تک نتالیا نکولائیونا کا خیال ہے تو میرے ساتھ بات چیت کرنے سے آپ کو انکار نہیں ہو سکتا، چاہے میری ذات سے ہمدردی ہو نہ ہو۔ اچھا تو آ پہنچے... a bientôt *۔"

---

* اگلی قریبی ملاقات تک (فرانسیسی)۔ یہاں پر اس کے معنی ہیں گفتگو جہاں سے ٹوٹی ہے، وہیں سے پھر اگلی ملاقات پر شروع کی جائے گی۔

نواں باب

کاؤنٹس صاحبہ بڑی شان سے رہتی تھیں۔ کمرے بہت آرام دہ
تھے، ان میں ٹھاٹ باٹ نہ سہی سلیقہ موجود تھا، تاہم ہر چیز
صورت سے لگتی تھی کہ عارضی رہائش کے لئے ہے۔ وقتی
طور پر رہنے کے لئے یہ مکان بہت معقول تھا، لیکن کسی ایسے
دولت مند خاندان کی مستقل بود و باش اس میں نہ لگتی تھی جو
اپنے جاگیردارانہ شان و شکوہ اور ان چونچلوں کے ساتھ رہتا ہو
جنہیں وہ اپنے طور پر ضروریات شمار کرتا ہے۔ افواہ تھی کہ
کاؤنٹس صاحبہ گرمیوں میں اپنی جاگیر واقع صوبہ سمبرسک میں
جانے والی تھیں (جو بالکل تباہ حال تھی اور بار بار رہن رکھی جا چکی
تھی) اور یہ بھی کہ پرنس ان کے ساتھ جائیں گے۔ مجھ تک اس کی
اطلاع پہنچ چکی تھی اور میں اس پریشانی میں تھا کہ کاتیا ان کے
ساتھ چلی گئی تو الیوشا کیا کرے گا؟ ابھی تک نتاشا سے میں نے
اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھے کچھ ہونے کا اندیشہ تھا۔ لیکن
کئی علامتیں ایسی دیکھنے میں آئیں جن سے خیال گزرا کہ ممکن
ہے نتاشا کو بھی اس کی اطلاع مل چکی ہو۔ مگر اس نے منہ سے
کچھ نہ کہا اور اندر ہی اندر کڑھتی رہی۔

کاؤنٹس نے میری بڑی آؤبھگت کی۔ تپاک سے اپنا ہاتھ میری
جانب بڑھا دیا اور کئی بار کہا کہ بہت زمانے سے وہ مجھ سے
ملنے کی مشتاق تھیں۔ وہ خود ہی چاندی کے ایک خوبصورت سماوار
سے چائے انڈیل رہی تھیں۔ سماوار کے اردگرد ہم سب بیٹھے تھے۔
میں تھا، پرنس تھے اور کوئی بہت ہی ٹھاٹ باٹ کے ایک صاحب،
خاصی بڑی عمر کے آدمی جن کے کوٹ پر ستارہ جگمگا رہا تھا، لباس
بہت کلف کیا ہوا اور طور طریقوں میں رکھ رکھاؤ۔ معلوم ہوتا
تھا کہ ان صاحب کو بہت عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔
کاؤنٹس غیر ملکی سفر کے بعد پچھلی سردیاں پیٹرس برگ میں گزار
رہی تھیں اور انہیں ابھی یہاں اونچے تعلقات پیدا کرنے کا موقع
نہیں ملا تھا، وہ ابھی پوزیشن ٹھیک سے جما نہیں سکی تھیں جیسا کہ
ان کی خواہش اور ان کا اندازہ تھا۔ صرف یہی ایک صاحب اکیلے
مہمان تھے، ان کے علاوہ رات گئے تک اور کوئی نہیں آیا۔ میری
نگاہ کاتیا فیودوروونا کی تلاش میں تھی مگر وہ دوسرے کمرے

میں الیوشا کے ساتھ تھی۔ جیسے ہی اس نے سنا کہ ہم لوگ آئے
ہیں وہ فوراً باہر آئی۔ پرنس نے اس کے ہاتھ کو بہت پیار سے
بوسہ دیا اور کاؤنٹس صاحبہ نے اسے میری طرف متوجہ کیا۔ پرنس
نے فوراً ہی ہمارا تعارف کرا دیا۔ میں نے بڑے ہی بھرے التفات
سے اس کو نگاہ بھر کے دیکھا — وہ ایک نازک اندام سنہرے
بالوں والی پیاری سی لڑکی تھی، سفید فراک میں ملبوس، میانہ قد،
چہرہ پرسکون اور متین اور بالکل ہی نیلی آنکھیں جیسا کہ الیوشا
نے بتایا تھا — عنفوان شباب کا ہی حسن تھا اور بس۔ مجھے خیال
تھا کہ بے مثال حسن کی پتلی کا سامنا ہوگا لیکن حسن کا پتہ نہ
تھا۔ اچھا خاصا نرم و دل نشیں بیضاوی چہرہ تھا، سلیقے کا ناک نقشہ،
گھنے اور واقعی بہت عمدہ بال، ان میں سیدھے سادے گھریلو
انداز کی مانگ، نرم اور تھمی ہوئی نگاہ۔ اگر کہیں اور کسی
جگہ سامنا ہوا ہوتا تو کوئی خاص توجہ کئے بغیر میں یوں ہی
گزر جاتا۔ مگر یہ پہلی نظر کا تاثر تھا، بعد میں اسی شام کئی
بار زیادہ اطمینان سے دیکھنے کا موقع ملا۔ صرف وہی ایک انداز
جس سے اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا، سادہ اور مبالغہ آمیز
توجہ کے ساتھ مجھ سے آنکھیں چار کرتے ہوئے اور منہ سے ایک
لفظ کہے بغیر، اس انداز میں ہی مجھے عجیب پن محسوس ہوا اور
میں نہ جانے کیوں اس پر مسکرا دیا۔ عین اسی لمحے میرے دل
میں خیال آیا کہ یہ ہستی جو سامنے ہے بہت صاف دل ہے۔ کاؤنٹس
صاحبہ اس پر خاص چشم التفات رکھتی تھیں۔ ہاتھ ملانے کے
بعد کاتیا کسی قدر تیزی سے میرے پاس سے چلی گئی اور کمرے
کے دوسرے کونے پر الیوشا کے ساتھ جا بیٹھی۔ سلام دعا کرتے
وقت الیوشا نے زیرلب کہا: "میں یہاں بس منٹ بھر کو ہوں۔
وہیں پہنچنا ہے۔"

"ڈپلومیٹ" صاحب — معلوم نہیں ان کا نام کیا تھا اور کچھ
نہ کچھ تو پکارنا ہے، اس لئے ڈپلومیٹ سہی — بہت متانت اور وقار
کے ساتھ بات کر رہے تھے اور کسی خیال کی تشریح میں مصروف
تھے۔ کاؤنٹس صاحبہ ان کی گفتگو بڑی توجہ سے سن رہی تھیں۔
پرنس بار بار مسکراتا تھا جس کا منشا یہ تھا کہ جو کہا جا رہا
ہے بہت خوب ہے اور اس سے اتفاق ہے۔ اور بیان کرنے والا بھی
بار بار اسی کو متوجہ کرتا تھا گویا ایک قابل قدر سننے والا مل

گیا ہے۔ مجھے جلدی دی گئی اور اس کے بعد اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا جس سے بڑی ہی خوشی ہوئی۔ اس اثنا میں میں کاؤنٹیس صاحبہ کو توجہ سے دیکھتا رہا۔ پہلا نقش تو یہ پڑا کہ وہ میری مرضی کے بغیر مجھے پسند آئیں۔ ممکن ہے کہ ان کی عمر ڈھل چکی ہو مگر دیکھنے میں پینتیس سال سے زیادہ کی نہ لگتی تھیں۔ چہرے پر ابھی تک تازگی باقی تھی، اپنی جوانی میں کیا غضب ڈھاتی ہونگی۔ گھنے سرمئی بال ابھی تک کافی گھنے تھے۔ دیکھنے میں شگفتہ نرم اور خوش‌مزاج، لیکن ذرا اوچھاپن اور شرارت بھرا مسخرہ پن تھا۔ فی الحال وہ خود کو کسی وجہ سے بہت لئے دئے ہوئے تھیں۔ لئے دئے ہونے میں بھی بہت ذہانت برس رہی تھی۔ لیکن سب سے زندہ تھی ان کی خوش‌مزاجی اور بشاشت۔ مجھے ایسا نظر آیا کہ ان کی طبیعت کی اہم خصوصیت کسی قدر لاپروائی ہے، لطف اور تفریح کی پیاس ہے اور ایک طرح کی خوش‌مزاجانہ خودپسندی، شاید بہت کافی خودپسندی۔ وہ بالکل پرنس کی مٹھی میں تھیں اور وہ ان پر بہت ہی زیادہ اثرانداز معلوم ہوتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان دونوں کی خاص آشنائی ہے۔ اور یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ وہ دونوں جب ملک سے باہر گئے ہوئے تھے تو پرنس ان کے ایسے عاشقوں میں رہا تھا جو رقابت کے جذبے سے یکسر پاک ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت مجھے خیال گزرا اور اب تک بھی سمجھتا ہوں کہ ان مراسم کے علاوہ کوئی اور بات بھی تھی، کوئی رازدارانہ واسطہ جو ان دونوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کئے ہوئے تھا، یعنی ایسی چیز جیسے کوئی باہمی ذمہ‌داری ہو جو کہ اپنے ذاتی مفاد کی بنیاد پر قائم ہو... واقعی کوئی اس طرح کی درپردہ حقیقت تھی ضرور۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اب پرنس ان سے اکتا چکا تھا لیکن اس کے باوجود تعلقات حسب‌معمول جمے جاتے تھے۔ شاید وہ چیز جو انہیں ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے تھی، کاتیا کی دولت کے متعلق ان دونوں کے منصوبے تھے اور ان کی پہل لازمی طور پر پرنس کی ہی جانب سے ہوئی ہوگی۔ کاؤنٹیس صاحبہ کو اس بات پر راضی کرکے کہ وہ اپنی سوتیلی بیٹی سے بیٹے کی شادی کرنے میں مدد دیں، پرنس نے کاؤنٹیس سے خود شادی کرنے کی بلا اپنے سر سے ٹال دی ہوگی جس کا کاؤنٹیس کی طرف سے اصرار تھا۔ کم از کم میں نے یہی نتیجہ نکالا تھا

الیوشا کے بعض جملوں سے، جو سادگی سے اس کے منہ سے نکل گئے تھے اور الیوشا بھی کچھ نہ کچھ اندازے تو رکھتا ہی تھا۔ خود الیوشا کی انہی جملوں سے ایک حد تک یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اگرچہ کاؤنٹیس صاحبہ پوری طرح پرنس کے اثر میں تھیں لیکن کسی وجہ سے وہ خود ان سے ڈرتا ہے۔ یہاں تک کہ میری بھی نظر میں یہ بات آچکی تھی۔ بعد میں کہیں جاکر یہ معلوم ہوا کہ پرنس کی دلی منشا تھی کہ کاؤنٹیس کسی اور سے شادی کر لیں، اور سمبرسک کی جاگیر پر روانہ کر دینے میں ایک مقصد یہ بھی پوشیدہ تھا کہ وہاں چلی جائیں گی تو آس‌پاس کے علاقے میں ممکن ہے کوئی مناسب سا شوہر مل جائے۔

میں بیٹھا سنتا رہا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیسے جلدی سے یہ صورت کی جائے کہ کاتیا سے تخلیے میں بات کروں۔ ڈپلومیٹ صاحب کاؤنٹیس کے کسی سوال کا جواب دینے میں مصروف تھے کہ موجودہ صورت‌حال کیا ہے اور جو اصلاحات عمل میں لائی جانے والی ہیں وہ اندیشہ‌ناک ہیں یا نہیں؟ وہ بہت بولے، دیر تک بولتے رہے اور بڑے سکون سے، جیسے وہ بڑے بااختیار ہیں۔ انہوں نے اپنے خیال کی تشریح میں بہت باریکی اور ذہانت صرف کی لیکن خود خیال ہی نفرت‌انگیز تھا۔ ڈپلومیٹ صاحب اس بات پر زور دے رہے تھے کہ اصلاح اور ترقی کی جو اسپرٹ ہے وہ عن‌قریب رنگ لائے گی اور اس کا انجام وہی ہوگا جو ہونا ہے۔ اور اس کو دیکھ کر ان کی عقل ٹھکانے آجائے گی، اور صرف یہی نہیں کہ سوسائٹی میں سے (اس کا مطلب تھا سوسائٹی کا ایک حصہ) اصلاح کی نئی اسپرٹ نکل جائے گی بلکہ تجربوں سے وہ اپنی غلطی کو سمجھیں گے اور پھر دگنی قوت سے پرانے طریقوں کی طرف واپسی شروع کر دیں گے۔ اور تجربہ، چاہے کیسا ہی تکلیف‌دہ سہی، بہت مفید

---

* انیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں روس میں کئی بڑی بڑی اصلاحات تیار اور منظور کی گئی تھیں یعنی ۱۸۶۱ء میں کسانوں کی غلامی کی منسوخی، ۱۸۶۴ء میں عدالتی اصلاحات، ۱۸۶۴ء میں ضلعی علاقائی انتظامی اصلاحات جن کے مطابق روس کے مرکزی حصے میں مقامی خودانتظامی کے محدود اختیارات رائج کئے گئے تھے، وغیرہ۔ (ایڈیٹر)

ٹھہرے گا کیونکہ وہ نہیں سکھا دے گا کہ قدیم دستور و روایت کو کیسے مضبوطی سے نبھایا جائے، اور اس کے نئے ثبوت مہیا کر دے گا۔ حضرت ہمیں یہ توقع کرنی چاہئے کہ جلد سے جلد معاملہ بے احتیاطی کی انتہائی منزل پر پہنچے تاکہ ان کی آنکھیں کھل جائیں۔ ''ہمارے بغیر کام نہیں چلے گا'' انہوں نے آخری بات کہہ دی ''۔۔۔ تک دنیا میں کوئی سماج ہمارے بغیر کبھی ٹھہرا نہیں۔ ہمارے ہاتھ سے کچھ نہیں جانے والا، بلکہ اس کے برخلاف جیت ہماری ہوگی۔ ہم آگے آئیں گے یقینی۔ اور فی الحال ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہئے: ''Pire ça va, mieux ça est*''۔ پرنس ان الفاظ پر ایک نفرت انگیز ہمدردی کے ساتھ مسکرایا۔ خوش بیان مقرر کو اپنی طرف سے پوری تسکین ہو گئی۔ میری حماقت دیکھئے کہ جی چاہا اس پر اعتراض وارد کروں۔ دل اندر سے تپ رہا تھا۔ لیکن جس چیز نے مجھے روکا وہ تھی پرنس کی زہرآلود نگاہ۔ اس نے یک دزدیدہ نگاہ مجھ پر ڈالی، یعنی اسے میری جانب سے امید تھی کہ کوئی عجیب اور لڑکپن کی حرکت کر بیٹھوں گا۔ ممکن ہے خود وہ دل سے یہی چاہتا ہو کہ لوگوں کی نظروں میں میری بے عزتی کا تماشا دیکھے۔ پھر اسی کے ساتھ مجھے یہ بھی پورا یقین تھا کہ ڈیموکریٹ یقیناً میرے اعتراض کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ بلکہ ممکن ہے خود مجھے بھی خاطر میں نہ لائے۔ ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھے ناگوار گزر رہا تھا کہ اتنے میں الیوشا نے بچا لیا۔

وہ چپ چاپ میرے پاس پہنچا، میرا شانہ چھوا اور دو بات کرنے کی خواہش کی۔ میں نے قیاس دوڑایا کہ وہ کاتیا کا بھیجا ہوا آیا ہے۔ واقعہ بھی یہی تھا۔ منٹ بھر بعد میں کاتیا کے برابر بیٹھا تھا۔ پہلے تو اس نے سر سے پاؤں تک میرا بھرپور نگاہ سے جائزہ لیا گویا اپنے دل میں کہہ رہی ہو ــ ''اچھا تو تم ایسے ہو''۔ پہلے منٹ تو ہم دونوں میں سے کوئی بھی بات شروع کرنے کے لئے لفظ نہ پا سکا۔ مجھے لگا یقین تھا اپنی جگہ کہ اگر ایک بار اس نے گفتگو چھیڑ دی تو پھر بولتی ہی چلی جائے گی اور صبح تک بولنے کا دم نہیں رکے گی۔ جو ''حرف پانچ چھ گھنٹے کی بات چیت'' کا ذکر الیوشا کی زبانی سنا تھا، وہ میرے دماغ میں

---

* یعنی ''خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد''۔ (فرانسیسی)۔

تازہ ہو گیا۔ الیوشا ہمارے پاس بیٹھا تھا اور بے تابی سے منتظر تھا کہ ہم بات چھیڑیں تو سہی۔

''آپ لوگ کچھ بولتے چالتے کیوں نہیں آخر؟'' اس نے مسکراتے ہوئے ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ملے تو اب جب بیٹھے ہیں۔''

''افوہ، الیوشا، تم بھی کیا آدمی ہو۔۔ ہم ابھی باتیں کریں گے'' کاتیا نے جواب دیا۔ ''کتنی بہت سی چیزیں ہیں جن کے بارے میں ہمیں ایک ساتھ بات کرنی ہے ایون پترووچ، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ شروع کہاں سے کروں۔ بہت دیر میں ہم دونوں کی ملاقات ہوئی۔ ہمیں تو اب سے بہت پہلے ملنا چاہئے تھا، اگرچہ میں تو آپ کو ایک زمانے سے جانتی ہوں۔ ملنے کا بھی بہت اشتیاق تھا۔ بلکہ یہ بھی خیال آیا کہ آپ کو خط لکھ دوں۔۔۔''

''کس چیز کے بارے میں؟'' پوچھتے وقت بے اختیار میرے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''کیا کچھ کم باتیں ہیں کرنے کو'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''مثلاً یہی لیجئے کہ الیوشا جو نتاشا نکولائیونا کے متعلق بتاتے ہیں، کیا سچ ہے کہ انہیں ناگوار نہیں گزرتا کہ ایسے وقت میں یہ انہیں اکیلا چھوڑ کر چلے آتے ہیں؟ کیا ایسی حرکت زیبا ہے جیسی یہ کرتے ہیں؟ اچھا، تم اس وقت یہاں کیسے موجود ہو، بتاؤ براہ کرم؟''

''افوہ، توبہ ہے میری۔ میں تو ابھی جانے والا ہوں۔ کہہ تو چکا ہوں کہ بس منٹ بھر یہاں ٹھہروں گا، ذرا دیکھوں کہ آپ دونوں آپس میں باتیں کیسے کرتے ہیں، اور پھر فوراً روانہ اس طرف۔''

''اچھا تو لو۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہیں، بیٹھے ہیں ــ دیکھ لیا نا؟ یہ حضرت ہمیشہ کے ایسے ہی ہیں'' اس کے چہرے پر ذرا سرخی آ گئی جب اس نے الیوشا کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا۔ ''بس منٹ بھر کو۔ کہتے ہیں ــ منٹ بھر کو، اور دیکھتے دیکھتے آدھی رات ہو جاتی ہے اور جانے کا وقت نہیں رہتا۔ پھر کہتے ہیں کہ 'نہیں، وہ برا نہیں مانے گی، وہ بہت اچھے دل کی لڑکی ہے' ــ اس طرح سے سمجھا دیتے ہیں۔ تو کیا یہ کوئی اچھی بات ہے؟ شریفانہ حرکت ہے؟''

"اچھا، تو میں جاتا ہوں،" [illegible] نے شکایت آمیز طریقے سے جواب دیا "لیکن میرا تو خیال تھا کہ آپ لوگوں کے ساتھ ذرا دیر کو ٹھیروں..."

"[illegible] سکتا ہوں تو یہ جانتے کہ ہم [illegible] آپس میں بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ اچھا، سنو، خفا مت ہونا، ضروری ہے یہ — سمجھ میں آیا..."

"اچھا، اگر یہ بھی ضروری ہے تو میں بس چلا... اس میں بگڑنے [illegible] ہونے کی [illegible] منٹ بھر کو لیوینکا کے پاس ہوتا ہوں اور [illegible] جاؤں گا۔ [illegible] آپ نے ایوان پتروویچ،" اس نے [illegible] ہوئے کہا۔ "معلوم ہے آپ کو؟ ابا جان [illegible] کو قبول کرنے سے انکار کر دیے ہیں جو انہوں نے [illegible] سے مقدمے میں جیتے تھے۔"

"معلوم ہے، وہ خود مجھ سے کہہ چکے ہیں۔"

"[illegible] کی بات کر رہے ہیں وہ۔ اور کاتیا کو [illegible] یقین نہیں [illegible] وہ شرافت سے کام لے رہے ہیں۔ اس کے بارے میں [illegible] سے بات کیجئے۔ اچھا، رخصت کاتیا اور اتنی [illegible] پر شک نہ ہو کہ میں نتاشا سے محبت کرتا ہوں۔ [illegible] مجھ پر یہ سب شرطیں لادتے کیوں ہو؟ مجھے [illegible] کیوں [illegible] ہو؟ مجھ پر نظر کیوں رکھتے ہو؟ گویا میں [illegible] کی نگرانی میں ہوں! نتاشا جانتی ہے کہ میں اس سے کتنی محبت کرتا ہوں، وہ مجھ پر یقین کرتی ہے، میں اس پر یقین کرتا ہوں کہ [illegible] میری محبت کا یقین ہے۔ میں اسے چاہتا ہوں [illegible] ہر قسم کی [illegible] سے قطع نظر۔ مجھے خود نہیں معلوم [illegible] مجھے کتنی محبت ہے۔ بس محبت ہے، یہ جانتا ہوں۔ [illegible] کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جیسے میں کوئی مجرم ہوں۔ [illegible] چاہو تو ایوان پتروویچ موجود ہیں، [illegible] یہ تصدیق کر دیں گے تمہارے سامنے کہ نتاشا کو [illegible] کی [illegible] ہے، [illegible] وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہو مگر [illegible] کی محبت میں خودپسندی ہے اور میری خاطر کوئی قربانی [illegible] نہیں [illegible] سکتی..."

"یہ کیسی بات..." میں نے حیرت سے پوچھا۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیا بک رہے ہو، الیوشا؟" کاتیا قریب قریب چیختے ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھ پیٹتے ہوئے بولی۔

"کیوں، اس میں تعجب کی کیا بات؟ ایوان پتروویچ کو تو معلوم ہے یہ سب۔ ہمیشہ اس کا [illegible] یہی ہوتا ہے کہ میں اسی کے پاس موجود رہوں۔ یہ نہیں کہ وہ خود اصرار کرتی ہے اس بات پر، بلکہ ظاہر بات ہے کہ وہ یہی چاہتی ہے۔"

"شرم نہیں آتی؟ یہ کہتے شرم نہیں [illegible]" کاتیا نے غصے سے لال ہوتے ہوئے اسے ڈپٹا۔

"کیوں، اس میں [illegible] کی؟ [illegible] کاتیا! میں اس سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ [illegible] پورا اندازہ بھی نہیں کرتی اور اگر وہ بھی مجھے اتنا ہی چاہتی ہوتی جتنا میں چاہتا ہوں، تو اپنی خوشی مجھ پر قربان کر دیتی۔ یہ درست ہے کہ وہ مجھے اپنے پاس سے جانے دیتی ہے، مگر اس کے چہرے سے میں دیکھ لیتا ہوں کہ ایسا کرنا سخت ناگوار ہے۔ تو پھر یہ وہی بات ہوئی جیسے مجھے کہیں نہ جانے دیا ہو۔"

"اچھا تو یہ یوں ہی نہیں ہے!" کاتیا نے میری طرف منہ کرتے ہوئے اور غصے سے چمکتی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اقرار کرلو، الیوشا، ابھی سامنے اقرار کرو، یہ سب باتیں تمہیں باپ نے سکھائی ہیں؟ آج ہی سکھائی ہیں، ہے نا؟ اور براہ مہربانی مجھ سے چالاکی مت کرنا — مجھے سب ابھی معلوم ہو جائے گا! بتاؤ ہے یہی بات یا نہیں؟"

"ہاں، ہاں، انہوں نے آج مجھ سے یہی باتیں کیں،" الیوشا نے [illegible] کر جواب دیا۔ "تو اس سے کیا؟ آج انہوں نے مجھ سے اس پیار سے باتیں کی ہیں، اس قدر ہمدردی سے پیش آئے ہیں اور نتاشا کی تعریفیں ہی کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے تو بڑا تعجب ہوا کہ نتاشا نے ان کی توہین کی، پھر بھی وہ اس کی اتنی تعریف کر رہے تھے۔"

"اور آپ، آپ نے اس کا یقین بھی کرلیا،" میں بولا۔ "وہ جسے نتاشا نے سب کچھ دے دیا جو وہ دے سکتی تھی اور اب بھی، آج بھی اسے آپ ہی کی طرف سے فکر تھی کہ کہیں آپ [illegible] نہ جائیں، کہیں آپ کاتیرینا فیودوروونا کی ملاقات سے وہ نہ جائیں! اس نے خود مجھ سے آج یہ بات کہی۔ اور ایک آپ ہیں کہ ایک

.. ان جھوٹ موٹ کی باتوں کا یقین کر لیا۔ کیا آپ کو شرم نہیں آتی؟"

"مگر کیوں کا! ان کو تو کسی بات پر کبھی شرمندہ ہونا نہیں آتا!" کاتیا نے غائبانہ بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا، جیسے اس سے ہر قسم کی امید ٹوٹ چکی ہو۔

"مگر دل میں آپ کا مطلب کیا ہے؟" الیوشا نے شکایت بھری آواز میں کہا۔ "جب دیکھو، تم یہی باتیں کرتی ہو، کاتیا! ہمیشہ تمہیں عیب ہی عیب نظر آتا ہے مجھ میں... اور ایوان پترووچ کا کیا ذکر! آپ کا خیال ہے کہ مجھے نتاشا سے محبت نہیں۔ میں نے اس معنی میں نہیں کہا تھا کہ نتاشا خودپسند ہے۔ کہنا صرف یہ تھا کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے، بےحد و حساب، اور اسی وجہ سے مجھے بڑی بھاری پڑتا ہے اور اسے بھی۔ اور رہا ابا جان کا معاملہ — تو وہ مجھے کبھی نہیں بنا سکتے، چاہے ان کے دل میں اس کی خواہش ہی کیوں نہ ہو۔ میں انہیں یہ کرنے نہیں دوں گا۔ انہوں نے نہیں کہا کہ نتاشا خودپسند ہے، انہوں نے یہ لفظ برے معنوں میں نہیں کہا تھا۔ میں ان کی بات سمجھتا ہوں۔ انہوں نے حرف بحرف اتنی ہی بات کہی تھی جتنی میں نے اس وقت کہی ہے کہ نتاشا مجھ سے اس قدر دیوانہ وار محبت کرتی ہے، اتنی شدت سے مجھے چاہتی ہے کہ وہ خودپسندی کی حد کو پہنچ جاتی ہے، اور مجھے بھی بھاری پڑتا ہے اور اسے بھی۔ آگے چل کر نتیجہ یہ ہوگا کہ مجھے اور بار کرنے لگے گا۔ ویسے تو انہوں نے یہ بات ٹھیک ہی کہی اور میری محبت کے بارے کہی۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے نتاشا کے خلاف توہین آمیز بات کہی۔ بلکہ اس کے برخلاف انہوں نے تو نتاشا کی محبت کی شدت دیکھی، بےحد و حساب محبت کا ذکر کیا کہ یہ ایسی محبت ہے جس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں....."

مگر کاتیا نے اس کی بات کاٹ دی اور بات ختم نہ کرنے دیا۔ اس نے گرم ہوکر اس کی ملامت کی اور واضح کرنے لگی کہ تمہارے باپ نے اسی لئے نتاشا کی تعریف کی کہ اپنی نیک نیتی جتا کر تمہیں فریب دیں اور پھر ہم دونوں کے تعلقات آپس میں خراب کر دئے جائیں۔ ان کی نیت یہ ہے کہ پتہ بھی نہ چلے اور دھیان بھی

نہ جائے اور بس میں خود الیوشا کو نتاشا کی طرف سے بددل کر دیا جائے۔ بڑے جوش اور دانائی سے کاتیا نے یہ جتایا کہ نتاشا واقعی اس کو بہت چاہتی ہے اور جس طرح وہ اس سے بیوہار کر رہا ہے، اسے کوئی محبت ہرگز برداشت نہیں کر سکتی — اور یہ کہ خود الیوشا ہی خودغرضی کا ملزم ٹھہرتا ہے۔ رفتہ رفتہ کاتیا نے اسے بری طرح مصیبت میں مبتلا اور قطعی لاجواب کر دیا۔ وہ وہیں ہمارے پاس بیٹھا تھا — بالکل پٹا پٹایا، آنکھیں زمین پر گاڑے، چہرے پر افسردگی اور بےچارگی برس رہی تھی۔ اب اس میں جواب دینے کی بھی سکت نہ رہی تھی۔ مگر کاتیا کو اب بھی قرار نہ آیا تھا۔ میں بہت گہری دلچسپی سے اس کی صورت تکتا رہا۔ مجھے خود شوق تھا کہ اس عجیب و غریب قسم کی لڑکی کو ذرا سمجھوں تو سہی۔ تھی تو وہ ابھی بچی ہی سی، لیکن عجیب طرح کی بچی، جس کے اپنے فیصلے تھے، مضبوط رائیں تھیں، پختہ اصول تھے اور نیکی اور ایمانداری کے ساتھ ایک پرجوش فطری محبت بھری ہوئی تھی۔ اگر واقعی اسے ابھی تک بچی کہا جا سکتا تو وہ سوچ بچار کرنے والے ایسے بچوں کی صف سے تعلق رکھتی تھی جن کی ہمارے خاندانوں میں بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نے زندگی کے معاملوں پر بہت کچھ غور و فکر کیا ہے۔ کرید ہوتی تھی کہ غور و فکر کرنے والے اس پیارے سے سر میں جھانک کر دیکھا جائے کہ بالکل بچوں کے سے خیالات اور تصورات کس طرح سنجیدہ تاثرات اور ایسے مشاہدات سے گھلے ملے ہیں جو زندگی کے تجربے سے حاصل ہوئے ہوں گے (کیونکہ بہرحال کاتیا نے زندگی کچھ تو برتی تھی) اور پھر اس کے ساتھ ایسے خیالات بھی الجھے ہوئے ہوں گے جو انوکھے ہیں، اور تجربے میں نہیں آئے بلکہ ایسے بہت سے بسیط کتابی بھی ہوں گے جو اس نے ادھر ادھر کی کتابوں سے نکال لئے ہوں گے اور ممکن ہے کہ اپنی جگہ سمجھ لیا ہو کہ زندگی کے تجربے سے انہیں حاصل کیا ہے۔ اس روز رات کی باتوں میں اور بعد کے موقعوں پر بھی، مجھے یقین ہے کہ میں نے کاتیا کو گہری نظر سے جانچا۔ اس کا دل جوشیلا اور اثرپذیر تھا۔ بعض صورتوں میں ضبط سے دامن چھڑا کر صداقت کو ہی سب سے مقدم سمجھتی تھی اور خلوص کو سب سے اول قرار دیتی تھی اور زندگی کی تمام احتیاطوں کو محض رسمی تعصبات کا

درجہ دیتی تھی، اور لگتا تھا کہ اسے ایسی اٹل رائے پر ناز ہے،
جیسی کہ عام طور سے دل گرم رکھنے والوں کی ہوتی ہے خواہ عمر
ان کی نوجوانی کی نہ رہ گئی ہو۔ مگر یہی بات اس میں تھی جس
سے اس کی کشش میں ایک خصوصیت پیدا ہو گئی تھی۔ اسے
سوچ بچار کرنے اور چیزوں کی جڑ بنیاد تک پہنچنے کا بڑا شوق تھا۔
لیکن اپنی نظریہ پرستی نہیں آئی تھی بلکہ نوخیز، بچپانہ شوخی اس
قدر بھری ہوئی تھی کہ پہلی ہی نظر میں اس کی ان خصوصیات یا
اچھوتی صفات سے محجوب ہو سکتی تھی اور آدمی انہیں قبول
کرسکتا تھا۔

مجھے اس وقت لیوبنکا اور بورینکا کا خیال آیا اور ایسا لگا کہ یہ
سب قصہ بالکل ٹھیک سلسلے سے چل رہا ہے۔ اور عجیب بات
ہے کہ اس کا وہی چہرہ، جو پہلی نظر میں کوئی خاص خوبصورت
نہ لگا تھا، اسی رات ایک ایک لمحہ خوبصورت ہوتا اور دلکش
بنتا چلا گیا۔ بچے اور غور و فکر کرنے والی عورت کا یہ بھولا سا
مزاج، حق و انصاف کی یہ بچکانہ اور اعلیٰ درجے کی تشنگی، اپنے
جذبات پر کامل اعتماد — یہ تمام باتیں اس کے چہرے پر
خلوص و صداقت کا ایک لطیف نور پھیلا دیتیں، اسے ایک برتر
روحانی حسن عطا کر دیتیں اور آپ کی سمجھ میں آنے لگتا کہ یہ
وہ حسن ہے جس کے سارے پہلو ایک دم نگاہ کے سامنے نمایاں
نہیں ہوتے اور وہ خود کو ہر ایک عام قسم کی بےغور نگاہ پر
روشن نہیں کرتا۔ اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ الیوشا کی اس سے
گہری وابستگی ہونی ہی تھی۔ اگر وہ خود خیال نہیں دوڑا سکتا
تھا، غور و فکر نہیں کر سکتا تھا تو ایسی ہستیوں کی طرف خاص کر
اس کا دل کھنچتا تھا جو اس کے لئے غور و فکر بلکہ خواہش
کرسکیں۔ چنانچہ کاتیا اسے اپنے پروں کے نیچے سمیٹ چکی تھی۔
الیوشا کا دل نیک اور شریف تھا اور وہ ہر ایسی چیز کے سامنے
بغیر کشمکش کے سپر ڈال دیتا تھا جو پاک پاکیزہ ہو اور
نفیس ہو، اور کاتیا ذی ہمدردی اور بچے کی سی معصومیت کے
ساتھ پہلے ہی اس کے سامنے ساری باتیں کر چکی تھی۔ الیوشا
کے پاس تو قوتِ ارادی کی ایک بوند بھی نہ تھی مگر کاتیا کی
قوتِ ارادی مضبوط بھی تھی، پائدار بھی اور پرجوش بھی۔ اور
الیوشا صرف اسی کا ہو کے رہ سکتا تھا جو اس پر چھا جائے بلکہ

اس پر حکم چلایا کرے۔ نتاشا سے جب اس کے تعلقات کی ابتدا
تھی تب اس کا ایک سبب نتاشا کی یہ خصوصیت بھی تھی۔ لیکن
کاتیا کو نتاشا پر ایک بہت بڑی فوقیت اس طرح حاصل تھی کہ
وہ ابھی خود بچی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ ایک زمانے تک
ایسی ہی بچی کی بچی رہے گی۔ یہ اس کا بچکانہ پن، یہ شفاف ذہن اور
ساتھ ہی فیصلے پر پہنچنے میں کسی قدر اس کی کوتاہی، یہ سب
چیزیں الیوشا کے لئے اور بھی قربت کا سبب بن گئی تھیں۔ وہ اس
کو محسوس کرتا تھا اور اسی لئے کاتیا اسے اپنی طرف اور زیادہ
سے زیادہ مائل کرتی جاتی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ جب وہ دونوں
اکیلے میں باتیں کرتے ہوں گے تو کاتیا کی سنجیدہ "تبلیغی" گفتگو
کے ساتھ ساتھ ممکن ہے کہ وہ بچوں کے سے کھلنڈرے پن پر اتر
آتے ہوں اور اگرچہ کاتیا غالباً اسے اکثر ڈانٹ پلاتی ہوگی اور
سنبھال کر مٹھی میں رکھتی ہوگی لیکن صاف تھا کہ وہ نتاشا کی
بہ‌نسبت کاتیا کے سامنے زیادہ بےتکلف ہے۔ دونوں ایک دوسرے
کا صحیح جوڑ تھے اور یہی بات اہم تھی۔

"بس کرو، کاتیا، بس کرو، بہت ہوا۔ تم ہمیشہ حق بجانب
ہوتی ہو اور میں نہیں۔ یہ اس لئے کہ تمہاری روح مجھ سے زیادہ
پاک صاف ہے،" الیوشا نے کھڑے ہوکر اس کی طرف رخصتی ہاتھ
بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی سیدھا نتاشا کی طرف جاتا ہوں اور
لیوبنکا کے ہاں جھانکوں گا بھی نہیں..."

"اور تمہیں لیوبنکا کے ہاں کرنا بھی کیا ہے؟ اس وقت تم نے
کہنا مانا اور وہاں جا رہے ہو تو تم بہت پیارے ہو..."

"تم خود سب سے ہزار درجہ زیادہ پیاری ہو،" الیوشا نے دکھے
ہوئے دل سے کہا۔ "ایوان پترووچ، مجھے آپ سے بس دو باتیں
کرنی ہیں ذرا۔"

ہم وہاں سے دو قدم سرک گئے۔

"میں نے آج بڑی بےشرمی کی حرکت کی،" اس نے سرگوشی میں
مجھ سے کہا۔ "بہت نیچ پن کیا۔ ساری دنیا کے سامنے میں قصوروار
ہوں اور ان دونوں لڑکیوں کے سامنے تو سب سے زیادہ۔ آج یہ
ہوا کہ ابا جان نے تیسرے پہر کے کھانے کے بعد مجھے
الیکزانڈرینا سے ملایا (یہ ایک فرانسیسی خاتون ہیں)۔ کیا دل کش
عورت ہے! میں... بس اس کی طرف کھنچ گیا اور... اب کیا کہوں

کہ کہا... میں ان لڑکیوں کے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہوں...
اچھا، رخصت، ایوان پتروویچ!"

"وہ بہت نیک دل، بڑا شریف آدمی ہے" جلدی سے کاتیا نے کہنا شروع کیا جب میں دوبارہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔ "لیکن اس کے بارے میں پھر باتیں ہوں گی بہت سی۔ سب سے پہلے ہمیں ایک رائے پر پہنچ جانا چاہئے — کہئے، آپ کی پرنس صاحب کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

"میں انہیں بہت برا آدمی سمجھتا ہوں۔"

"میری بھی یہی رائے ہے۔ ہم دونوں اس پر تو اتفاق رکھتے ہیں۔ اب فیصلہ کرنا ہمارے لئے آسان ہو جائے گا۔ اس کے بعد نتاشا نکولائیوینا کے بارے میں... آپ جانتے ہیں، ایوان پتروویچ، میں بالکل اندھیرے میں ہوں۔ انتظار تھا کہ آپ آئیں تو روشنی ملے۔ یہ سب وضاحت سے سمجھائیے کیونکہ سب سے اہم سوالوں پر میں صرف قیاس سے نتیجے نکالتی ہوں ان باتوں کے ذریعہ جو مجھ سے الیوشا کہتا رہا ہے۔ اور کوئی نہیں جس سے معلوم کیا جا سکتا۔ آپ بتائیے، اول تو یہ کہ (اور یہ سب سے مقدم ہے) آپ کا کیا اندازہ ہے — الیوشا اور نتاشا دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش و خرم رہیں گے یا نہیں؟ یہ چیز ایسی ہے کہ سب سے پہلے اسی کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ خود قطعی فیصلے پر پہنچ سکوں اور آخری صورت پر طے کر سکوں کہ کیا قدم اٹھایا جائے۔"

"لیکن اس کے بارے میں قطعی یقینی بات کیسے کہی جا سکتی ہے؟..."

"البتہ — یقینی تو نہیں کی جا سکتی" اس نے ٹوکا "مگر پھر بھی آپ کو کیا لگتا ہے؟ کیونکہ آپ بہت ذہین آدمی ہیں۔"

"میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ دونوں خوش نہیں رہیں گے۔"

"آخر کیوں؟"

"کیونکہ دونوں کا جوڑ نہیں ہے۔"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا!" اور اس نے دونوں ہاتھ بھینچ لئے جیسے گہرا دلی رنج ہوا ہو۔

"اور ذرا تفصیل سے بتائیے۔ سنتے ہیں آپ؟ میں بےحد مشتاق ہوں نتاشا سے ملنے کی، کیونکہ بہت باتیں ان سے کرنی ہیں اور میرا خیال ہے کہ ان سے مل کر ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا۔ میں

اپنے ذہن میں ان کی تصویر اتارتی رہتی ہوں — وہ ضرور بالضرور بہت ہی ذہین، سنجیدہ، راست باز اور نہایت خوبصورت ہوں گی۔ ہے نا؟"

"ٹھیک۔"

"مجھے اس کا یقین تھا۔ اچھا، اگر وہ ایسی ہیں تو بھلا الیوشا سے، ایسے بچے سے کیسے محبت ہو گئی انہیں؟ ذرا مجھے یہ بات سمجھائیے۔ مجھے اکثر اس بات کی ادھیڑبن ہوتی ہے۔"

"سمجھایا نہیں جا سکتا، کاتیرینا فیودوروونا۔ اس کا صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل ہے کہ محبت کس لئے ہو جاتی ہے، کیسے ہو جاتی ہے۔ ہے تو وہ بچہ ہی، لیکن آپ کو معلوم ہے، بچے سے کس قدر محبت ہو جاتی ہے۔" (میرا دل پگھلنے لگا جب میں نے اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں کو کہ کس درجہ گہرائی، سنجیدگی، محویت اور بےقراری سے وہ مجھ پر لگی ہوئی تھیں۔) "اور پھر خود نتاشا میں بچکانہ پن کی جتنی کمی ہے، جتنی زیادہ وہ سنجیدہ ہے — اتنی ہی تیزی سے وہ الیوشا پر جان فدا کر سکتی ہے۔ وہ سیدھا سچا ہے، مخلص ہے اور غضب کا بھولا ہے بلکہ کہنا چاہئے بھولپن سے بسا اوقات دل موہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نتاشا نے اس سے پیار کیا ہو کیونکہ — مگر یہ بات سمجھائی کیسے جائے؟.. سمجھ لیجئے کہ ہمدردی یا ترس کھانے کا جذبہ طاری ہو گیا۔ نیک طینت دل ہمدردی کے مارے بھی محبت کر بیٹھتا ہے... میں جانوں، یہ معاملہ ایسا ہے کہ آپ سے وضاحت کر نہیں سکتا بلکہ خود آپ سے ہی سوال کروں گا، اچھا بتائیے، آپ بھی تو اسے چاہتی ہیں نا؟"

میں نے جرأت سے یہ سوال کر ڈالا اور مجھے محسوس ہوا کہ اس جیسی پاکیزہ روح کی انتہاہ بچکانہ معصومیت کو میرے اس قسم کے بےربط سوال سے صدمہ نہیں پہنچے گا۔

"خدا شاہد ہے کہ خود مجھے بھی اب تک معلوم نہیں" اس نے مجھ سے آنکھیں ملاتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔ "لیکن لگتا ہے کہ میں بھی بہت محبت کرتی ہوں..."

"دیکھا آپ نے۔ اور کیا آپ وضاحت کر سکتی ہیں کہ کس لئے محبت کرتی ہیں؟"

"الیوشا میں مکر و فریب نہیں ہے" اس نے لمحہ بھر سوچ کر جواب دیا۔ "اور جب وہ مجھ سے آنکھیں چار کرکے کوئی بات کہتا ہے تو مجھے یہ بات بہت اچھی لگتی ہے... سنئے، ایوان پتروویچ، میں آپ سے اس کے بارے میں بات کر رہی ہوں، میں لڑکی ہوں، آپ مرد ہیں۔ کیا میں یہ مناسب کر رہی ہوں یا نہیں؟"

"کیوں، اس میں نامناسب کی کیا بات؟"

"ہاں بھی تو، نامناسب کی کیا بات؟ لیکن یہ لوگ" (اس نے اس ٹولی کی طرف آنکھوں سے اشارہ کیا جو سماوار کے گرد بیٹھی تھی) "غالباً یہ لوگ یہی کہیں گے کہ نامناسب بات ہے۔ یہ لوگ حق بجانب ہیں یا نہیں؟"

"نہیں — آپ یہ سوچتی ہی نہیں اپنے دل میں کہ غلطی کر رہی ہیں۔ تو..."

"میں ہمیشہ بالکل یہی کرتی ہوں" وہ بیچ میں بول پڑی۔ ظاہر تھا کہ اسے جلدی پڑی تھی کہ جتنی زیادہ سے زیادہ بات ہو سکے کر ڈالے۔ "جب مجھے کسی معاملے میں الجھن ہوتی ہے تو فوراً اپنے دل سے پوچھتی ہوں۔ اور جب دل مطمئن ہو جاتا ہے تو میں بھی مطمئن ہو جاتی ہوں۔ ہمیشہ آدمی کو یہی کرنا چاہئے۔ اور میں آپ سے بات کر رہی ہوں اس بےتکلفی کے ساتھ جیسے خود اپنے آپ سے باتیں ہو رہی ہوں۔ اس لئے کہ اول تو آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔ مجھے آپ کے اور نتاشا کے قصے میں الیوشا کے داخل ہونے سے پہلے تک کا حال معلوم ہے۔ جب میں نے سنا تھا تو رو پڑی تھی..."

"آپ سے کہا کس نے؟"

"الیوشا نے ہی کہا اور کون کہتا۔ اور جب وہ کہہ رہا تھا تو خود اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اور اس کی جانب سے یہ کیسی پیاری بات تھی۔ مجھے بہت پسند آئی۔ میرا خیال ہے کہ جتنا آپ اسے چاہتے ہیں ایوان پتروویچ، وہ آپ کو اس سے زیادہ چاہتا ہے۔ بس اسی طرح کی باتوں کی بدولت وہ مجھے پسند ہے۔ اور میں جو آپ سے اسی طرح بےتکلفی کی باتیں کر رہی ہوں جیسے خود اپنے آپ سے، اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ بہت ذہین آدمی ہیں، مجھے بہت کچھ مشورے دے سکتے ہیں اور سکھا سمجھا سکتے ہیں۔"

"آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں اتنا ذہین و سمجھدار ہوں کہ آپ کو سکھا سمجھا سکتا ہوں؟"

"جانیے، آپ بھی کیا بات کرتے ہیں!" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"میں نے یہ بات بس یوں ہی کہہ دی ہے۔ یہ مقصد نہ تھا۔ آئیے، اب سب سے اہم سوال پر بات کر ڈالیں۔ آپ یہ بتائیے مجھے ایوان پتروویچ — اب میں اپنے دل میں ایسا محسوس کرتی ہوں کہ نتاشا کی رقیب ہوں۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ہوں، اب سوال یہ ہے کہ کیا قدم اٹھایا جائے؟ اسی لئے میں نے آپ سے پوچھا کہ آیا وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہیں گے یا نہیں؟ دن رات اسی کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔ نتاشا کی پوزیشن بڑی افسوسناک ہے، بڑی ہی افسوسناک! الیوشا نے اس سے محبت کرنا قطعی ترک کر دیا ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ میری محبت میں مبتلا ہوتا جاتا ہے، ہے نا یہ بات؟"

"ایسا ہی لگتا ہے۔"

"اور پھر وہ اسے فریب بھی نہیں دے رہا۔ خود واقف نہیں ہے کہ اس کے دل سے نتاشا کی محبت جاتی رہی لیکن نتاشا غالباً اس بات سے واقف ہے۔ اسے کتنا صدمہ ہوتا ہوگا؟"

"تو آپ کیا کرنا چاہتی ہیں کاتیرینا فیودوروونا؟"

"میرے دل میں تو بہت منصوبے ہیں" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا "اور اس کے باوجود راہ نہیں سوجھ رہی۔ اسی لئے مجھے آپ سے ملنے کی اس قدر بےتابی تھی تاکہ آپ یہ سب واضح کر دیں۔ آپ ان سب معاملات کو مجھ سے کہیں بہتر سمجھتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے گویا آپ میرے لئے فرشتۂ رحمت ہیں۔ سنئے، میں نے شروع میں یوں گتھی کو سلجھایا: اگر وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں تو انہیں خوش و خرم رہنا چاہئے اور اس کی خاطر میرا فرض ہے کہ اپنی قربانی دے کر ان دونوں کی مدد کروں۔ ہے نا؟"

"میں جانتا ہوں کہ آپ نے اپنی قربانی دے دی ہے۔"

"ہاں، یہ ہوا تو ضرور۔ مگر بعد میں جب وہ یہاں میرے پاس آنے لگا اور مجھے زیادہ سے زیادہ چاہنے لگا تو میں اپنے بارے میں سوچ میں پڑ گئی اور ابھی تک فکرمند ہوں — قربانی دوں کہ نہ دوں؟ یہ بڑی بری بات ہے۔ ہے نا بری بات؟"

"قدرتی بات ہے،" میں نے جواب دیا۔ "ایسا ہی ہونا تھا... آپ کا قصور نہیں۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتی۔ آپ یہ بات اس لئے کہہ رہے ہیں کہ آپ بہت نیک‌دل آدمی ہیں اور میں اپنی جگہ یہ بات اس لئے سوچتی ہوں کہ میرا دل پوری طرح صاف اور پاکیزہ نہیں۔ اگر دل صاف اور پاکیزہ ہوتا تو سمجھ میں آجاتا کہ کیا قدم اٹھانا چاہئے۔ خیر، اسے چھوڑئے۔ بعد میں ان دونوں کے تعلقات کے بارے میں مجھے پرنس صاحب سے معلوم ہوا، maman سے معلوم ہوا اور خود الیوشا کی زبانی سنا۔ اس سے میں نے یہ قیاس کیا کہ ان کا جوڑ نہیں بیٹھ رہا۔ اور اب آپ نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ میں اور سوچ میں پڑ گئی کہ اب کیا ہونا ہے؟ اگر دونوں خوش‌وخرم نہیں رہیں گے تو بہتر ہے کہ الگ ہوجائیں۔ چنانچہ میں نے طے کیا کہ آپ سے اس کے بارے میں تفصیل سے پوچھوں اور خود نتاشا کے پاس جاؤں اور پورے معاملے کو اس سے مل کر طے کروں۔"

"مگر معاملہ طے کس صورت میں ہوگا؟ سوال تو یہ ہے۔"

"میں صاف یوں کہوں گی ان سے: 'آپ کو ہر چیز سے بڑھ کر الیوشا عزیز ہے۔ تو پھر آپ کو اس کی خوشی بھی سب سے بڑھ کر عزیز ہونی چاہئے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ کو اس سے جدا ہو جانا چاہئے'۔"

"مگر یہ بات اسے کیسی لگے گی؟ اور وہ اگر آپ سے اتفاق بھی کرلے، یہ مان بھی جائے تو، اس کے بس میں ہے کہ اس پر عمل کر سکے؟"

"یہی تو وہ بات ہے جسے میں دن رات سوچا کرتی ہوں اور... اور..."

ایک دم وہ رو پڑی۔

"آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ مجھے نتاشا کی حالت پر کتنا دکھ ہے،" اس نے زیرلب کہا۔ اس کے ہونٹ آنسوؤں سے لرز رہے تھے۔

اس کے بعد کہنے کو کوئی جملہ نہ تھا۔ میں چپ ہو گیا لیکن اندر سے میرا دل بھی اسے دیکھ کر بھرا آ رہا تھا، کسی خاص سبب سے نہیں بلکہ محض ایک طرح کی دردمندی کے مارے۔ کیا پیاری سی بچی تھی وہ! میں نے اس سے یہ بھی نہ پوچھا کہ خود کو یہ

کیوں سمجھتی ہے کہ وہ الیوشا کو مسرت اور چین دے سکے گی۔

"آپ کو موسیقی پسند ہے؟" اس نے ذرا مطمئن ہوکر سوال کیا لیکن ابھی ابھی جو آنسو نکل پڑے تھے ان کی وجہ سے وہ اب تک چپ چپ تھی۔

"ہاں پسند ہے،" میں نے کسی قدر تعجب کے ساتھ جواب دیا۔

"اگر وقت ہوتا تو میں آپ کو بیتھوون کا تیسرا کنسرٹ سناتی۔ آجکل میں وہی بجا رہی ہوں۔ اس میں کیا جذبات بھرے ہوئے ہیں، واہ... بالکل ایسے جیسے میں ان دنوں خود اپنے اندر پاتی ہوں۔ مجھے ایسا لگتا ہے۔ خیر، پھر کسی بار سہی۔ اس وقت تو باتیں کرلی ہیں۔"

ہم دونوں میں یہ گفتگو شروع ہوگئی کہ کاتیا کو نتاشا سے کیسے ملایا جائے اور اس کی سبیل کیونکر ہو۔ اس کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ گھر میں کاتیا پر نظر رکھی جاتی ہے۔ اور اگرچہ سوتیلی ماں کا برتاؤ اچھا اور پیار بھرا ہے لیکن پھر بھی نتالیا نکولائیونا سے ملنے کی اجازت وہ نہیں دیں گی۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ اس مقصد کے لئے چال چلی جائے۔ صبح کو بعض اوقات وہ سوار ہوکر ہواخوری کے لئے نکلتی لیکن وہ بھی تنہا نہیں، قریب قریب ہمیشہ کاؤنٹیس صاحبہ کے همراہ۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ کاؤنٹیس خود ساتھ نہیں ہوتی تھیں تو ایک فرانسیسی عورت کے ساتھ بھیج دیا کرتی تھیں اور یہ فرانسیسی خاتون آجکل بیمار تھیں۔ ایسا تب ہوتا ہے جب کاؤنٹس صاحبہ کو سر درد کا دورہ پڑتا ہے۔ اب اس دن کا انتظار کرنا ہوگا جب ان کے سر میں درد ہو۔ اور اس موقع کے لئے فرانسیسی خاتون کو رضامند کرنا ہوگا (یہ ایک بڑی بی تھیں مصاحب قسم کی) کیونکہ وہ نیک‌دل خاتون تھیں۔ نتیجہ اس تمام تدبیر کا یہ نکلا کہ نتاشا کے ہاں جانے کے لئے پہلے سے کوئی دن تاریخ طے نہیں کی جا سکتی تھی۔

"نتاشا سے مل کر آپ کو افسوس نہیں ہوگا،" میں نے کہا۔ "وہ خود آپ کو جاننے کی بہت مشتاق ہے۔ اور ہونا بھی چاہئے، خواہ وہ صرف اس لئے ہو کہ معلوم کرنا چاہتی ہو کہ الیوشا کو کس کے سپرد کر رہی ہے۔ آپ اس معاملے میں بہت فکر نہ کیجئے۔ وقت آپ کو فکرمند کئے بغیر ہی اس کا فیصلہ کردے گا۔ آپ تو گاؤں جانے والی تھیں نا؟"

''جی ہاں، عنقریب۔ ہو سکتا ہے کہ مہینے بھر میں'' اس نے جواب دیا۔ ''اور میں جانتی ہوں کہ پرنس صاحب اس پر خاص طور سے زور دے رہے ہیں۔''

''کیا خیال ہے، لیوشا جائے گا آپ کے ساتھ؟''

''ہاں، اس کے بارے میں میں نے بھی سوچا'' نگاہ روبرو کر کے اس نے جواب دیا۔ ''جائے گا ہی وہ!''

''ہاں، جائے گا تو۔''

''پروردگار، آخر اس سب کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ معلوم نہیں۔ سنئے، ایوان پتروویچ، میں آپ کو سب معاملات کے بارے میں لکھوں گی۔ اکثر لکھتی رہوں گی اور بہت سا لکھوں گی۔ بس اب میں آپ کے پیچھے پڑنے والی ہوں۔ آپ ہمارے ہاں آتے رہیں گے نا؟''

''معلوم نہیں، کاتیرینا فیودوروونا، سب حالات پر منحصر ہے۔ ممکن ہے بالکل ہی آنا نہ ہو۔''

''کیوں آخر؟''

''مختلف وجوہ پر اس کا انحصار ہے۔ اور سب سے مقدم اس پر کہ پرنس سے میرے تعلقات کیسے رہتے ہیں۔''

''وہ آدمی ایماندار نہیں ہے'' کاتیا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''اور آپ جانتے ہیں، ایوان پتروویچ، کیسا رہے جو میں ایک دن خود آپ کے ہاں پہنچ جاؤں؟ اچھا رہے گا یا نہیں؟''

''خود آپ کیا سمجھتی ہیں؟''

''میں سمجھتی ہوں کہ اچھا ہی رہے گا۔ خود ہی آپ کی خیریت معلوم کر لیا کروں گی...'' اس نے ذرا مسکراتے ہوئے بات پوری کی۔ ''میں اس لئے یہ بات کہتی ہوں کہ علاوہ اس کے کہ آپ کی عزت کرتی ہوں، آپ کو بہت پسند بھی کرتی ہوں... اور آپ سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ میں آپ کو پسند کرتی ہوں... آپ سے یہ بات کہتے ہوئے بھلا شرماؤں کیوں میں؟''

''ہاں، بھلا شرم کی کیا بات؟ آپ مجھے ابھی سے اتنی عزیز ہیں جیسے اپنا کوئی خاص رشتہ دار ہو۔''

''اچھا تو آپ میرا دوست بننا پسند کریں گے؟''

''ضرور — ضرور!'' میں نے جواب دیا۔

''اور یہ لوگ ضرور اس پر کہیں گے کہ یہ بات نامناسب ہے، ایک نوعمر لڑکی کو ایسا وطیرہ اختیار نہ کرنا چاہئے'' اس نے یہ

جملہ ان لوگوں کی طرف مجھے متوجہ کرتے ہوئے کہا جو چائے کی میز کے گرد بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ یہاں اتنا کہتا چلوں کہ شاید پرنس نے ہم دونوں کو باتیں کرنے کے لئے جان بوجھ کر تنہا چھوڑ دیا تھا۔

''میں تو اچھی طرح جانتی ہوں کہ پرنس کو میرے روپے سے غرض ہے'' اس نے کہا۔ ''انہوں نے میرے متعلق سوچ رکھا ہے کہ بچی ہوں بلکہ صاف منہ پر یہی کہہ دیتے ہیں۔ مگر میرا اپنے متعلق یہ خیال نہیں ہے۔ میں اب بچی نہیں ہوں۔ عجب قسم کے لوگ ہیں یہ سب — خود بچوں جیسے ہیں، پھر بھلا ایسی کس بات کی پڑی رہتی ہے؟''

''کاتیرینا فیودوروونا، میں آپ سے ایک بات تو پوچھنا بھول ہی گیا۔ یہ لیوینکا اور بورینکا کون ہیں، جن سے الیوشا اکثر ملنے جایا کرتا ہے؟''

''میرے دور کے رشتہ دار ہیں۔ بڑے ذہین اور نہایت ایماندار مگر بکواس بہت کرتے ہیں... میں ان کو خوب جانتی ہوں...''

اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''کیا یہ سچ ہے کہ آپ انہیں، جب روپیہ آپ کے قبضے میں آ جائے تو دس لاکھ کی رقم دینے والی ہیں؟''

''یہ دیکھئے، اب اسی دس لاکھ کے سوال کو لے لیجئے۔ اس کے بارے میں اتنی باتیں بناتے ہیں کہ میرا ناک میں دم آ گیا ہے۔ مجھے ضرور خوشی ہوگی کہ کسی کار خیر کے لئے رقم نذر کر دوں، آپ جانئے اتنی بڑی رقم رکھ کر بھی کیا ہوگا، ہے نا؟ لیکن ابھی ایسا کرنے میں بہت زمانہ پڑا ہے۔ اور وہ ہیں کہ ابھی سے اس کے بارے میں نقارہ پیٹ رہے ہیں، بحثیں ہو رہی ہیں، شور مچ رہا ہے کہ اس رقم کو کس کام میں لگانا اچھا رہے گا۔ اور تو اور، اس پر جھگڑا کھڑا کر دیا ہے انہوں نے۔ کس قدر عجیب بات ہے۔ ان لوگوں کو اس قدر جلدی پڑی ہے۔ یہ سب تو ہے مگر ہیں وہ ایماندار اور... ذہین۔ ابھی پڑھ رہے ہیں۔ دوسرے جیسے زندگی گزارتے ہیں ان سے تو خیر، یہ بہتر ہی ہے۔ ہے نہ یہ بات؟''

اس کے بعد ہم دونوں کی اور بہت سی باتیں رہیں۔ اس نے مجھے

— قریب قریب اپنی ساری زندگی کہہ ڈالی اور میری باتوں کو
بھی خوب جی لگا کر سنا۔ اس کا اصرار یہی تھا کہ نتاشا اور
الیوشا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ بیان کر دوں۔ کوئی آدھی
رات ہو چکی تھی جب پرنس میرے پاس آیا اور گویا اس بات کا
اشارہ کیا کہ رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ میں نے خداحافظ کہا۔
کاتیا نے گرمجوشی سے میرا ہاتھ دبایا اور معنی‌خیز نظروں سے دیکھا۔
کاؤنٹیس صاحبہ نے خواہش کی کہ میں آئندہ بھی ان کے ہاں آتا
رہوں۔ میں اور پرنس ساتھ ساتھ وہاں سے نکلے۔

اس معاملے میں ایک عجیب اور شاید قطعی نامناسب ریمارک دینے
سے میں خود کو باز نہیں رکھ سکتا۔ تین گھنٹے جو میری اور
کاتیا کی گفتگو ہوتی رہی، اس سے اور جو اثر ہوا وہ تو جانے
دیجئے، البتہ ایک طرح کا عجیب اور ساتھ ہی ساتھ گہرا اعتقاد اس
بات پر پیدا ہوا کہ وہ ابھی تک پوری طرح بچی ہے اور قطعی نہیں
جانتی کہ مرد اور عورت کے درمیان کیا پراسرار رشتے ہوتے ہیں۔
اس خیال کی روشنی میں کئی ایسے نتیجے جو اس نے نکال رکھے تھے
اور عام طور پر وہ سنجیدہ لب و لہجہ، جس سے اس نے کئی نہایت
اہم مسائل کو چھیڑا تھا، وہ سب کے سب غیرمعمولی مضحکہ‌خیز
نظر آنے لگے...

دسواں باب

''مجھے ایک بات سوجھی،، پرنس نے گاڑی میں میرے ساتھ
بیٹھتے ہوئے کہا ''کیسا رہے کہ ہم دونوں چل کر رات کا کھانا
کھا لیں؟ کیوں آپ کا خیال ہے؟،،
''واقعی، میں نہیں کہہ سکتا، پرنس صاحب،، میں نے ہچکچاہٹ
کے ساتھ جواب دیا۔ ''ویسے میں تو کبھی رات کو کھانا کھاتا
نہیں...،،
''اور ہاں، کھانے پر بیٹھ کر باتیں تو ہوں گی ہی،، نگاہ گاڑ کر
اور چالاکی کے ساتھ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
میں بالکل اس کا مطلب سمجھ گیا۔ ''وہ پوری بات کرنا چاہتا
ہے،، میں نے اپنے جی میں سوچا۔ ''اور مجھے بھی اس کی پڑی
ہے۔،، میں فوراً راضی ہو گیا۔

''تو پھر بات پکی۔ بالشایا موسکایا چلیں۔ آپ کی طرف۔۔
''رستوران کو؟،، میں نے ذرا کسی قدر گڑبڑا کر پوچھا۔
''ہاں اور کیا؟ میں تو اتفاق سے ہی کبھی کبھار رات کا
کھانا کھاتا ہوں۔ تو کیا آپ مجھے اس کی اجازت نہ دیں گے کہ میں
آپ کو دعوت دے سکوں۔،،
''مگر میں تو آپ سے کہہ چکا کہ رات کا کھانا کھاتا ہی
نہیں ہوں۔،،
''ایک بار کھا لینے میں کیا حرج ہے! اور پھر یہ بھی تو
دیکھئے کہ میں آپ کو مدعو کر رہا ہوں۔،،
یعنی مطلب یہ ہوا کہ میں آپ کی طرف سے ادا کروں گا۔ مجھے
یقین ہے کہ اس نے جان بوجھ کر یہ کہا تھا۔ میں لے جائے جانے
پر تو آمادہ ہو گیا لیکن ساتھ ہی جی میں ٹھان لیا کہ اپنا بل خود
چکاؤں گا۔ ہم دونوں گاڑی سے وہاں پہنچے۔ پرنس نے کمرہ
ریزرو کرا لیا اور ایک صاحب ذوق کی طرح اس نے دو تین کھانوں
کا انتخاب کیا۔ جن کھانوں کا آرڈر دیا گیا وہ بھی کافی قیمتی
تھے اور جو شراب لانے کو کہا وہ بھی خاصی مہنگی تھی۔ میری
جیب سے حساب آگے جا رہا تھا۔ میں نے مینو اٹھا کر دیکھا
اور اپنے لئے آدھا تیتر اور لافت کا ایک جام لانے کو کہا۔
پرنس نے شکایت کی۔
''تو آپ میرے ساتھ کھانا نہیں کھانا چاہتے! یہ تو بالکل
مضحکہ‌خیز ہے۔ *Pardon, mon ami نہایت تکلیف‌دہ تکلف ہے یہ،
بہت چھوٹے قسم کی خودپسندی۔ اس میں اپنی اپنی حیثیت کا فرق
مدنظر معلوم ہوتا ہے، اور شرط لگاتا ہوں کہ عین یہی بات ہے۔
میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ مجھے شکایت کا موقع دے
رہے ہیں۔،،
مگر میں اپنی بات پر ڈٹا رہا۔
''خیر آپ کی جو مرضی ہو...،، اس نے کہا۔ ''میں آپ کو
مجبور نہیں کروں گا... بتائیے ایوان پترووچ، کیا میں آپ سے پوری
طرح دوستی کے رنگ میں بات‌چیت کر سکتا ہوں؟،،
''میں آپ سے خود یہی درخواست کرتا ہوں۔،،

* معاف کیجئے گا، دوست (فرانسیسی)۔

''اچھا تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی یہ ضابطہ پرستی خود آپ کے لئے ہی مضر ہوگی۔ یہ آپ کے جیسے لوگ سب خود ایسے ہی نقصان کر لیتے ہیں۔ آپ ادیب ہیں۔ آپ کو تو لازم ہے کہ معاصرین کو جانیں لیکن آپ ہیں کہ خود کو دوسروں سے بچا کر رکھتے ہیں۔ میں اس وقت تیتر کے بارے میں نہیں کہہ رہا بلکہ آپ اس پر کمربستہ ہیں کہ ہمارے حلقے سے کسی قسم کا بھی میل جول رکھنے سے بالکل منکر ہو جائیں، اور یہی بات ہے جو لازمی طور پر آپ کے لئے نقصان‌دہ ہے۔ قطع‌نظر اس کے کہ آپ بہت خسارے میں رہتے ہیں، یعنی ایک لفظ میں کہوں کہ الھان ماری جاتی ہے، اس کو بھی جانے دیجئے۔ محض یہی بات سہی کہ آپ ان کو جانیں جس کے بارے میں لکھتے ہیں۔ آپ کے ناولوں کہانیوں میں کن کا ذکر ہوتا ہے، راجے نواب، سنگارخانے... مگر خیر، مجھے اس سے کیا! آپ کے ہاں اب ہوتا کیا ہے، غریبی کا ذکر، گم‌شدہ کوٹوں، انسپکٹروں*، جھگڑالو افسروں، کلرکوں، بیتے دنوں اور کٹر مذہبی لوگوں کے قصے، میں سب جانتا ہوں۔ جانتا ہوں...''

''مگر آپ غلطی پر ہیں، پرنس صاحب! اگر میرا آنا جانا نہیں ہے ان لوگوں کے ہاں وہ جو بقول آپ کے 'اونچا حلقہ' ہے تو اس کی وجہ ہے کہ اول تو اس میں جی اکتاتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہاں کرنا ہی کیا ہے۔ تاہم اس کوچے میں آنا جانا رہتا ہی ہے...''

''معلوم ہے مجھے۔ پرنس 'ر' صاحب کے ہاں سال میں ایک بار ہو آئے۔ وہیں پہلی بار آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن سال کے باقی دنوں آپ اپنے جمہوری غرور میں منہ پھلائے اپنی کوٹھریوں میں پڑے رہتے ہیں اگرچہ آپ میں سے سب لوگ اس طرح پیش نہیں آتے۔ ایسے بھی تیز آدمی آپ میں موجود ہیں جن سے مجھ جیسے آدمی کو بھی متلی آتی ہے...''

''میں آپ سے التجا کروں گا، پرنس صاحب کہ اس موضوع سخن کو بدل دیا جائے اور ہم واپس اپنی اپنی کوٹھریوں کا رخ نہ کریں۔''

---

* اشارہ ہے گوگول کی کہانی ''اوورکوٹ'' اور اس کے ڈرامے ''انسپکٹر جنرل'' کی طرف۔ (ایڈیٹر)

''اوہ، پروردگار، اب آپ خفا ہو گئے نا۔ اور آپ نے خود ہی دوستانہ گفتگو کی اجازت دی تھی مجھ کو۔ لیکن معاف کیجئے گا خلل ہوئی، ابھی تک میں نے خود کو آپ کی دوستی کا سزاوار نہیں بنایا ہے۔ یہ شراب معقول ہے، چکھ ڈالئے۔''

اس نے اپنی بوتل میں سے میرے لئے آدھ گلاس بھر دیا۔

''دیکھتے ہیں آپ، میرے عزیز یوان پتروویچ، میں خوب سمجھتا ہوں کہ دوسرے پر اپنی دوستی لادنا نازیبا ہے۔ مگر ہم آپ کے ساتھ اتنے گستاخ اور بداطوار نہیں ہیں جتنا آپ ہم لوگوں کے بارے میں اپنی جگہ سوچتے ہیں۔ ساتھ ہی میں یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ آپ جو یہاں میرے پاس بیٹھے ہیں تو کوئی میرے لئے دل میں خاص جذبہ لئے نہیں بیٹھے ہیں بلکہ اس لئے کہ میں وعدہ کر چکا ہوں کہ آپ سے باتیں ہوں گی۔ سچ ہے نا؟''

وہ خود ہی ہنس پڑا۔

''اور چونکہ ایک خاص فرد کا مفاد آپ کے مدنظر ہے اس لئے آپ سننا چاہتے ہیں کہ دیکھیں میں کیا کہتا ہوں۔ ہے نا یہی بات؟'' زہریلی مسکراہٹ سے اس نے کہا۔

''آپ نے غلط نہیں سمجھا'' میں بےتابی کے مارے ایک دم بول پڑا۔ (میں نے دیکھا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا کہ جب وہ کسی کو اپنے قابو میں پا جاتے ہیں، چاہے یہ قابو بہت معمولی سا کیوں نہ ہو، تو وہ اسے یہ بات محسوس کرائے بغیر چھوڑتے نہیں۔ اور میں اس وقت پرنس کے قابو میں تھا۔ کیونکہ جو کچھ وہ کہنے کا ارادہ کئے ہوئے تھا اسے اول سے آخر تک سنے بغیر میں اٹھ کر جا نہیں سکتا تھا۔ اور وہ خود اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اس کا لب و لہجہ فوراً بدل گیا اور زیادہ سے زیادہ لیچ پن کی بےتکلفی اور تمسخر پیدا ہوتا گیا)۔ ''پرنس صاحب، آپ نے غلط نہیں سمجھا میں اسی غرض سے آیا بھی ورنہ سچی بات یہ ہے کہ مجھ سے بیٹھا نہ جاتا... اتنی رات گئے۔''

جی چاہتا تھا کہ کہہ دوں ''ورنہ میں آپ کے ساتھ بیٹھنے کا بھی روادار نہ ہوتا کسی طرح''۔ مگر میں نے ضبط کر لیا اور بات کا رخ بدل دیا۔ اس کے داب میں آکر نہیں بلکہ کم‌بخت اپنی کمزوری اور شرافت کے خیال سے۔ اور واقعی یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ آدمی کے منہ پر کڑوی بات کہہ دی جائے، چاہے

،، اسی قابل کیوں نہ ہو۔ ور چاہے میں اس سے اسی طرح درشت بات کہنے کی سوچے ہوئے ہوں۔ میں جانوں کہ پرنس نے اسے میری انکھیوں سے تاڑ لیا ور جب میں بول رہا تھا تو اس نے تمسخر بھری نظر سے دیکھا، جیسے میری کمزور طبیعت سے لطف اٹھا رہا ہو اور اپنی نظر سے چیلنج کر رہا ہو کہ ”کہو، ہمت نہیں پڑی نا۔ گڑبڑا گئے، برخوردار!،، ایسا ہی ہوا ہوگا کیونکہ جب میں نے بات پوری کی تو وہ قہقہہ مارکر ہنسا اور ذرا تھپکنے کے انداز میں میرے زانو پر ہولے سے ہاتھ مارا۔

”ہنسی دلاتے ہو، برادر،، میں نے اس کی نظروں میں یہ جملہ پڑھا۔ ”ٹھیر جاؤ ذرا!،، میں نے اپنے دل میں سوچا۔

”آج میں بہت مزے میں ہوں!،، وہ زور سے بولا۔ ”اور واقعہ یہ ہے کہ مجھے خود بھی اس کا سبب نہیں معلوم۔ ہاں، ہاں دوست، یہی بات ہے! میں اسی کے بارے میں خاص طور سے بات کرنا چاہتا تھا۔ جو کچھ کہنا سننا ہے بس وہ ہو جانا چاہئے، بات قطعی طور پر کسی نتیجے تک پہنچ جانی چاہئے اور امید ہے کہ اس بار آپ مجھے مکمل طور پر سمجھ لیں گے۔ ہاں تو دوست وہ جو میں نے آپ سے ان روپیوں کی بات کی تا اور اس بےعقل باپ کا معاملہ جو پیر نابالغ ہے... تو اب اس کا تذکرہ بھی فضول ہے۔ میں نے یوں ہی بات کی بات چھیڑی تھی۔ ہا۔ ہا۔ ہا! آپ ٹھیرے ادبی آدمی، آپ نے خود ہی قیاس دوڑ لیا ہوگا...،،

میں پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ ابھی سے وہ نشے میں چور تو نہیں ہوا تھا۔

” ور رہا، وہ اس لڑکی کا معاملہ۔ تو سچی بات یہ ہے کہ میں اس کی عزت کرتا ہوں بلکہ پسند کرتا ہوں۔ آپ یقین کیجئے۔ وہ نک‌چڑھی ضرور ہے۔ مگر ’گلاب کانٹوں بغیر نہیں ہوتا، جیسا کہ پچاس سال پہلے کہتے تھے اور کیا خوب کہتے تھے۔ کانٹے چبھتے ہیں مگر اسی میں تو مزا ہے، اور چاہے میرا الکسیئی احمق سہی لیکن میں اس کا قصور ایک حد تک معاف کرچکا کیونکہ اس نے اچھے ذوق کا ثبوت دیا۔ مختصر یہ کہ مجھے ایسی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں اور خود میرے بھی،، اس نے بہت زور دے کر اپنے ہونٹ بھینچے ”خاص اپنے کچھ ارادے ہیں۔ خیر، مگر یہ بات پھر کبھی...،،

”پرنس صاحب! سنئے، پرنس صاحب!،، میں چیخ پڑا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے یہ جو آپ نے تیزی سے بات بدلا ہے... دیکھئے... نہ گفتگو کا موضوع بدلئے۔ آپ سے میری درخواست ہے!،،

”آپ کو پھر غصہ آنے لگا۔ اچھا... یوں ہی سہی، میں موضوع سخن بدلے دیتا ہوں، بدلے دیتا ہوں! مگر آپ سے میرا صرف ایک سوال ہے میرے عزیز دوست۔ کیا واقعی آپ اس کی بہت عزت کرتے ہیں؟،،

”یقیناً،، میں نے درشتی کے ساتھ دوٹوک جواب دیا۔

”اچھا... تو اچھا کیا آپ اس سے محبت بھی کرتے ہیں؟،، اس نے نفرت‌انگیز طور پر دانت نکال کر اور آنکھیں بھینچ کر سوال جاری رکھا۔

”آپ خود کو بھولے جا رہے ہیں!،، میں چیخ پڑا۔

”نہیں، نہیں بھولوں گا۔ آپ صبر سے کام لیجئے۔ آج حیرتناک حد تک میری روح مزے میں ہے۔ ایک زمانے سے ایسا لطف نہیں آیا تھا۔ کچھ تھوڑی سی شمپین چلے گی؟ کیا خیال ہے، میرے شاعر؟،،

”میں نہیں پیئوں گا۔ جی نہیں چاہتا!،،

”یہ کہئے بھی نہیں! آج تو آپ کو میرا ساتھ دینا ہی پڑےگا۔ آج میں کچھ بہت‌ہی زیادہ مگن ہوں اور چونکہ میں تیرا خوش‌اخلاق بلکہ جذباتی حد تک خوشِ‌اخلاق آدمی تو اکیلا مزے نہیں لے سکتا۔ کون جانے، ہم پیتے پیتے اس بےتکلفی کو پہنچ جائیں کہ آپ کے بجائے تم اور تو پر آجائیں۔ ہا۔ ہا۔ ہا! نہیں میرے نوجوان دوست، آپ ابھی تک مجھے نہیں پہچانتے ہیں۔ یقین ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہو جائےگی۔ میں چاہتا ہوں کہ آج آپ میرے دکھ میں بھی برابر کے شریک ہوں اور سکھ میں بھی، قہقہوں میں بھی، آنسوؤں میں بھی، اگرچہ اس کا موقع نہیں آئےگا میرے خیال میں، کم سے کم میں تو رونے سے رہا۔ کہئے، کیا کہنا ہے ایوان پتروویچ؟ آپ صرف اتنا خیال کر لیجئے کہ جس بات کو میرا دل چاہتا ہے اگر وہ نہ ہوئی تو ممکن ہے کہ نہیر ٹوٹ جائے، مزا کرکرا ہو جائے، سب کچھ ہوا ہو جائے اور کچھ بھی نہ ہو نہ سکے۔ اور آپ جو یہاں بیٹھے ہیں تو محض یک امید میں کہ نئی

سن لیں۔ کیا سچ نہیں ہے یہ بات؟،، اس نے مجھے کمینہ پن سے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ''اچھا تو اب آپ خود چن لیجئے۔،،

اس دھمکی میں وزن تھا۔ میں فوراً راضی ہو گیا۔ ''وہ کہیں مجھے نشے میں دھت تو کرنا نہیں چاہتا؟،، میں نے اپنی جگہ سوچا۔ اس سلسلے میں یہاں ایک بات کا ذکر مناسب ہوگا۔ بہت زمانہ ہوا میں پرنس کے بارے میں افواہ سن چکا تھا۔ لوگوں سے سنے میں آیا تھا کہ اگرچہ یہ شخص سوسائٹی میں خود کو بہت لئے دئے اور قاعدے سے رہتا ہے لیکن کبھی کبھی اسے خوب شراب پی کر بدمستی کا شوق چرتا ہے۔ رات کے وقت کبھی اتنا پی جاتا ہے کہ تن بدن کا ہوش نہیں رہتا اور خفیہ طور سے نہایت گندی اور بدمعاشی کی حرکتیں کرتا پھرتا ہے... اس کے بارے میں بری سے بری افواہیں میرے کان میں پڑ چکی تھیں... لوگوں کا بیان ہے کہ الیوشا کو بھی یہ معلوم تھا کہ باپ کبھی کبھی نشے میں دھت ہو جاتا ہے اور وہ اس راز کو سب سے، خاص کر نتاشا سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک بار وہ مجھ سے یہ بات کہنے چلا مگر فوراً ہی کٹ گیا اور پھر میرے پے درپے سوالوں کا جواب تک نہیں دیا۔ خیر، یہ بتا دوں کہ میں نے الیوشا کی زبانی یہ قصے نہیں سنے تھے اور یہ بھی مانتا ہوں کہ مجھے ان کا یقین نہیں آیا تھا۔ اب مجھے انتظار ہوا کہ دیکھوں آگے کیا ہوتا ہے۔

شمپین آئی۔ پرنس نے دو گلاسوں میں انڈیلی، اپنے لئے اور میرے لئے۔

''خوب پیاری لڑکی ہے، پیاری لڑکی! حالانکہ اس نے میری بے عزتی ہی کی ہو،، وہ شراب کے گھونٹ لیتے ہوئے مزے میں آہستہ آہستہ کہتا چلا گیا۔ ''مگر یہ پیاری ہستیاں بہت دلکش ہوتی ہیں، خاص طور سے ایسے موقعوں پر... اور دیکھتے ہیں غالباً اس نے سوچا ہوگا کہ مجھے شرمندہ کردیا — یاد ہے اس رات کو — میری دھجیاں اڑا دیں! ہا۔ ہا۔ ہا! اس کے گالوں پر سرخی کتنا سجتی ہے، واہ! آپ کو عورتوں کے معاملے میں کچھ دسترس ہے؟ کبھی کبھی اچانک سرخی کی لہر جیسے گالوں پر بہار دیتی ہے۔ آپ نے نظر کی ہے؟ اوہو، خدایا، لگتا ہے کہ آپ پھر خفا ہو چلے ہیں نا؟،،

''جی ہاں، خفا تو ہوں!،، میں زور سے بولا۔ اب مجھے تاب صبر نہیں رہ گئی تھی۔ ''اور مجھے پسند نہیں کہ آپ اس وقت نتالیا نکولائیونا کے بارے میں زبان سے کچھ کہیں... یعنی اس لب و لہجہ میں بات کریں۔ میں... میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دوں گا!،،

''اوہو، اچھا تو آپ ہی کی خوشی کروں گا اور پھر اب کا رخ موڑ دوں گا۔ میں تو گوندھے ہوئے آٹے کی طرح نرم ہوں، بالکل موم کی ناک۔ آئیے، آپ کے بارے میں بات ہو جائے۔ میں آپ کو پسند کرتا ہوں، ایوان پتروویچ۔ کاش آپ کو معلوم ہو کہ میں آپ کے معاملات میں کتنا دوستانہ اور مخلصانہ خیال رکھتا ہوں...،،

''پرنس صاحب، کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم اصل معاملے پر بات چیت کریں،، میں نے اس کی گفتگو میں دخل دیا۔

''یعنی ہمارے اپنے معاملے پر، یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ؟ آپ کی بات تو میں آدھے لفظ سے بھی سمجھ لیتا ہوں، * mon ami۔ لیکن آپ گمان بھی نہیں کر سکتے کہ مسئلے کے قلب تک ہم پہنچ جائیں گے بشرطیکہ اس وقت آپ کے بارے میں بات چھڑ جائے اور آپ میری بات کاٹیں نہیں۔ اچھا تو اب سلسلے سے کہتا ہوں — میں آپ سے کہنا چاہتا تھا، میرے انمول دوست ایوان پتروویچ کہ اس طرح جینا، جیسے آپ جیتے ہیں، اس کا مطلب کہ سیدھے سیدھے خود کو تباہ کرنا۔ آپ مجھے معاف کیجئے گا کہ میں اس نازک سے سوال کو چھیڑ رہا ہوں۔ میں دوستی کی خاطر ایسا کر رہا ہوں۔ آپ غریب آدمی ہیں، اپنے پبلشر سے پیشگی رقم لیتے ہیں، اپنا قرضہ چکاتے ہیں۔ اس سے جو باقی بچ رہتا ہے آپ کے پاس، اس سے چھ مہینے چائے پانی پر بسر کرتے ہیں، اپنی کوٹھری میں ٹھٹھرے ہوئے کپکپایا کرتے ہیں اور انتظار میں رہتے ہیں کہ دیکھئے پبلشر کب اپنے رسالے میں آپ کا ناول چھاپتا ہے! ہے نا؟،،

''چلئے یوں ہی سہی۔ لیکن پھر بھی یہ...،،

''یہ زیادہ شریفانہ عمل ہے بہ نسبت چوری کرنے، سر ٹیکنے، رشوتیں وصول کرنے، جوڑ توڑ کرنے وغیرہ وغیرہ کے۔ میں جانتا

* عزیز من (فرانسیسی)۔

ہوں، جانتا ہوں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ یہ باتیں بہت پہلے لکھی اور چھاپی جا چکی ہیں۔"
"اور سچ بات یہ کہ آپ کو میرے معاملے کے بارے میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا آپ کو سلیقہ سکھایا ہوتا؟"
"ہاں۔ واقعی آپ مجھے سلیقہ نہیں سکھائیں گے۔ مگر آخر کیا کرنا چاہئے اگر ہم کو ایسے ہی نازک نکتے سے واسطہ ہو۔ اس سے دامن بچا کے گزرنا بھی مشکل۔ خیر، چلئے، کوٹھریوں وزنیریوں کو ان کے حال پر چھوڑتے ہیں۔ مجھے ویسے بھی ان کا شوق نہیں ہے، البتہ جب تک کوئی خاص موقع اس کا نہ ہو"
(اس نے ایک گھناؤنا قہقہہ مارا)۔ "لیکن یہ بات مجھے حیرت میں ڈالے ہوئے ہے کہ آخر آپ کو کیا شوق ہے دوسرے درجے کے آدمی کی حیثیت اختیار کرنے کا؟ یہ صحیح ہے کہ آپ کے ادیبوں میں سے کسی نے غالباً یہ بھی کہیں کہہ دیا ہے کہ ممکن ہے انسان کا سب سے عظیم وصف اسی میں ہو کہ وہ زندگی میں دوسرے درجے کے آدمی کی حیثیت اختیار کرے... غالباً کچھ ایسی ہی بات کہی ہے! میں نے بات‌چیت میں کہیں اس کا تذکرہ سنا تھا۔ لیکن دیکھئے، الیوشا آپ کی منگیتر کو لے اڑا۔ مجھے یہ معلوم ہے۔ اور آپ ہیں کہ کسی شیدا کی طرح، ان کے لئے اپنی جان کھپائے دے رہے ہیں، ان کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اور قریب قریب یہ حالت کر رکھی ہے کہ ان کی آواز پر دوڑتے ہیں... آپ معاف کیجئے گا، میرے عزیز، مگر یہ تو اعلیٰ جذبات کا گھٹیا تماشہ ہے... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سے دراصل آپ خود تنگ نہ آ چکے ہوں! تنگ آنے کی معنی، شرم آنا کہہ جائیے۔ بس اگر آپ کی جگہ ہوتا تو شرم و غیرت سے مرجاتا۔ اور سب سے بری تو ہے شرم کی بات، شرم کی بات!"
"پرنس صاحب! غالباً آپ مجھے یہاں جان بوجھ کر لائے ہیں تاکہ میری بےعزتی کریں!" میں غصے میں آپے سے باہر ہو کر چیخ پڑا۔
"نہیں، نہیں، میرے دوست، ہرگز نہیں۔ میں اس لمحے سیدھا سادہ کاروباری آدمی ہو گیا ہوں اور آپ کی راحت و آسائش چاہتا ہوں۔ مختصر یہ کہ میں بگڑی کو بنا دیکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن خیر، چلئے، سب قصے کو ایک طرف رکھے دیتے ہیں۔ آخر

تک میری بات آپ سن لیجئے۔ اگر ممکن ہو تو دو منٹ کے لئے اپنے غصے پر قابو رکھئے۔ اچھا، آپ کے جی میں کیا ہے؟ آپ کے لئے کیسا رہے گا کہ شادی ہو جائے۔ دیکھئے، اب میں بالکل بےتعلق بات کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں۔ آپ یوں حیرت سے میرا منہ کیوں تک رہے ہیں؟"
"اس انتظار میں ہوں کہ آپ اپنی بات پوری کر لیں،" میں نے واقعی حیرت سے اس کا منہ تکتے ہوئے جواب دیا۔
"بات کو بڑھا پھیلا کر کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بس اتنا جاننا چاہتا تھا کہ خود آپ کی کیا رائے ہوگی اگر آپ کا کوئی دوست، جسے آپ کی سچی اور مستقل راحت و آسائش کی فکر ہو، یوں ہی سرسری راحت نہیں، وہ کوئی لڑکی پیش کرے! نوجوان اور خوبصورت لڑکی، لیکن... ایسی جو ذرا تجربہ رکھتی ہو۔ میں کنایے سے کام لے رہا ہوں لیکن آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ یعنی ایسی لڑکی جیسی نتالیا نکولائیونا ہیں۔ اور ساتھ میں اچھا خاصا نعم‌البدل بھی ہے تو... (دیکھئے، میں ایک غیر متعلق مسئلے پر بات کر رہا ہوں، ہمارے اس معاملے سے اس کا واسطہ نہیں۔) ہاں، تو اب بتائیے، کیا رائے ہوگی آپ کی؟"
"میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کا... دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا!"
"ہا۔ ہا۔ ہا! ہا... کہیں آپ مجھ پر ہاتھ تو نہیں چھوڑنے والے ہیں؟"
واقعی میں اس پر جھپٹنے والا تھا۔ اب تاب صبر نہ رہی تھی۔ میرے دماغ پر اس نے اپنے وجود کی وہ پرچھائیں ڈالی تھی جیسے کوئی گند ہو، کوئی بہت بڑا سا مکڑا ہو جسے بری طرح جی چاہتا تھا کہ بس کچل ڈالو۔ مجھ پر طعن و طنز سے اسے لطف آ رہا تھا۔ مجھ سے وہ ایسے کھیل رہا تھا جیسے بلی چوہے سے کھیلتی ہے یہ سمجھ کر کہ میں اس کے بس میں ہوں۔ مجھے ایسا لگا (اور میں سمجھ گیا) کہ اسے خاص لطف آ رہا ہے، بلکہ جس طرح میرے سامنے بےحیائی، بےشرمی سے، بدتمیزی سے اور چیلا کر آخر اس نے اپنی نقاب الٹی ہے اس سے پرنس کو خاص طرح کی لذت محسوس ہو رہی ہے۔ میرے حیرت‌زدہ ہو جانے اور بھونچکے رہ جانے سے وہ مزا لینا چاہتا تھا۔ اس کے دل میں میری طرف سے

تحقیر کے جذبات بپھرے تھے اور مجھ پر قہقہے لگا رہا تھا۔

مجھے شروع سے ہی یہ کھٹکا لگا ہوا تھا کہ اس نے پہلے سے منصوبہ ذہن میں رکھا ہے اور اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی غرض پوشیدہ ہے۔ لیکن میری حالت ایسی تھی کہ چاہے کچھ بھی ہوتا، اس کی بات مجھے پوری سن لینی ہی تھی۔ نتاشا کا مفاد اسی میں تھا اور میرا فرض تھا کہ جو بھی گزرے اسے سہہ جاؤں کیونکہ ممکن تھا کہ اسی لمحے سارا معاملہ طے ہو جائے۔ لیکن ساتھ ہی دشواری یہ بھی تھی کہ ایسے بھی کئے طعنے اور گرے ہوئے جملے میں نتاشا کے نام پر کیسے سن لیتا اور ٹھنڈے دل سے انہیں کیونکر برداشت کر لیتا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ خود بھی اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ میری یہ ہمت نہیں کہ پوری بات سننے سے انکار کرکے اٹھ جاؤں۔ اس سے میں اور بھی پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"خیر، اسے خود بھی میری ضرورت ہے،" میں نے جی میں سوچا اور اس کے سوالوں کا سختی اور بدکلامی سے جواب دینے لگا۔ وہ بات کو سمجھ گیا۔

"ہاں تو میرے نوعمر دوست،" اس نے سنجیدہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "ایسے کام نہیں چلے گا۔ بہتر ہے کہ ہم بات کرکے صفائی کر لیں۔ دیکھئے نا آپ کہ میں آپ سے کچھ کہہ ڈالنے کا ارادہ کر رہا تھا اور آپ کے برتاؤ میں وہ لچک ہونی چاہئے تھی کہ جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا اسے سن لیتے۔ میری خواہش ہے کہ بات کروں تو ویسے کروں جیسے میرا دل چاہتا ہے اور جیسے مجھے پسند ہے اور اصل میں ہونا بھی ایسا ہی چاہئے۔ لیکن سوال یہ ہے، میرے نوجوان دوست، کہ آپ ذرا صبر سے کام لیں گے؟"

میں نے خود کو قابو میں رکھا اور چپ رہا، اگرچہ وہ مجھے ایسے زہرخند کے ساتھ گھور رہا تھا جیسے خود چیلنج کر رہا ہو کہ میں سخت سے سخت احتجاج کروں۔ تاہم وہ سمجھ گیا کہ میں بیٹھ کے سن لینے پر راضی ہوں اور اس نے اپنی گفتگو جاری رکھی:

"مجھ پر بگڑئیے نہیں، میرے دوست! اور ایسی بات بھی کیا تھی جس سے آپ ناراض ہوتے۔ صرف یہی نا کہ صاف سیدھی بات کہہ رہا تھا۔ لیکن حقیقت میں یہ ہے کہ آپ کو اس کے سوا مجھ سے کسی اور بات کی توقع ہی نہ تھی۔ ہے نا، حالانکہ میں کچھ

بھی آپ سے کہتا — چاہے میٹھی دل موہنے والی باتیں کرتا یا ایسے جیسے اب کر رہا ہوں، مطلب وہی ہوتا جو اب ہے۔ آپ دل میں مجھے ذلیل سمجھ رہے ہیں، ہے نا؟ مگر ذرا دیکھئے تو کیا پیاری سادگی پائی جاتی ہے مجھ میں، کیسی بے تکلفی ہے، کیا bonhomie* ہے۔ میں آپ کے سامنے ہر بات کا اقرار کرتا ہوں یہاں تک کہ اپنی بالکپنے کا بھی۔ جی ہاں mon cher** — ذرا آپ کی جانب سے بھی bonhomie چاہتا ہوں۔ سب ہم ڈھنگ سے متفق ہو جائیں گے، بات مکمل طور پر نپٹ لیں گے اور آخر میں ایک دوسرے کو ٹھیک سے سمجھ لیں گے۔ آپ میری باتوں پر تعجب نہ کیجئے — آخر میں اس قدر اکتا چکا ہوں ان سب معصومیوں سے، ایوشا کی ان پاکدامنیوں سے، شیلر کی سی شاعرانہ حرکتوں سے، اور وہ جو بلندیاں ہیں ان بدبخت تعلقات میں نتاشا والے قصے کی، (ویسے لڑکی بہت ہی پیاری ہے) کہ میں تنگ آکر، کہیے چاہئے کہ خوش ہوں کہ موقع ملے جو ان پر ٹوٹ پڑوں۔ اور بتائے دیتا ہوں کہ وہ موقع بس اب آ پہنچا ہے۔ ہاں تو یہ بھی ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنا دل کھول کے رکھ دینا چاہتا ہوں... ہا۔ ہا۔ ہا!"

"پرنس صاحب، آپ مجھے حیرت میں ڈالے دے رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہے ہیں آپ۔ پولیشنیل*** کا انداز اختیار کر گئے ہیں آپ! یہ خلاف توقع انکشافات..."

"ہا۔ ہا۔ ہا، ایک حد تک یہ حقیقت بھی ہے۔ کیا خوب مقابلہ کیا ہے آپ نے! ہا۔ ہا۔ ہا! میں عیش اڑا رہا ہوں، میرے دوست، میں اس وقت عیش اڑا رہا ہوں۔ مزے میں ہوں۔ اس لئے میرے شاعر، آپ کو بھی چاہئے کہ پوری طرح میری دلجوئی کریں۔ آئیے، خیر، پیا جائے،" اس نے اپنا جام بھرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا اور اس وقت وہ اپنے آپ سے بہت مطمئن تھا۔ "آپ جانتے ہیں، میرے دوست کہ اس کمبخت شام کو، وہ یاد ہے آپ کو نتاشا کے ہاں کی رات، اس نے تو میرا خاتمہ ہی کر دیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ لڑکی بذات خود بہت دلکش تھی لیکن میں وہاں

---

* شرافت (فرانسیسی)۔

** میرے عزیز (فرانسیسی)۔

*** پولیشنیل — مغربی یورپ کے کٹھ پتلی تماشے کا مسخرہ۔ (ایڈیٹر)

سے غصے کی آگ لئے ہوئے نکلا اور اب میری یاد سے وہ کبھی
جائے گی نہیں۔ نہ تو یاد سے جائے گی، نہ اسے چھپاؤں گا۔ ٹھیک ہے
کہ ہمارا بھی وقت آئے گا بلکہ عنقریب آنے والا ہے، خیر، اس وقت
یہ تذکرہ چھوڑیے ہیں۔ اور باتوں کے علاوہ میں آپ کو یہ بھی
بتا چاہتا تھا کہ میرے مزاج میں ایک ایسا خاصہ ہے جس سے
آپ ابھی تک واقف نہیں ہیں — وہ یہ کہ مجھے اس قسم کی تمام
ادنیٰ درجے کی بیہودگیوں سے، فضول کی نادانیوں سے، اور دلکش لغویات
سے بڑی رغبت ہے۔ اور ہمیشہ سے مجھے اس کا شوق رہا کہ خود
ایسا ہی جامہ پہن لوں، اسی انداز میں بات کروں، سدا کے نوجوان
شیلروں کو تھپکوں، مزے میں لاؤں اور پھر ایک دم ان پر
کاری ضرب لگاؤں اور اچانک ان کے سامنے اپنی نقاب الٹ دوں اور
چہرہ بگاڑ کر ان کی نقل بناؤں، ان کا منہ چڑاؤں، عین اسی وقت زبان
نکال کر دکھاؤں جب انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو کہ ایسا ہوگا۔
کیا ہے؟ آپ سمجھتے نہیں ان باتوں کو۔ آپ کو یہ باتیں گری
ہوئی، رذیل، مضحکہ‌خیز اور غیرشریفانہ لگتی ہوں گی — ہے نا؟،،

”بالکل یہی بات ہے۔،،

”آپ آدمی کھرے ہیں، میں کہہ سکتا ہوں۔ مگر کیا کیا
جائے۔ جب وہ مجھے ستاتے ہوں۔ میں بھی بےوقوفی کی حد تک کھرا
آدمی ہوں مگر مجبوری، طبیعت ہی ایسی پائی ہے۔ میں آج آپ
سے اپنی زندگی کے کچھ خاص قسم کے واقعات بیان کروں گا۔ آپ
مجھے بہتر طور پر سمجھ لیں گے اور ساتھ ہی لطف بھی بہت آئے گا۔
واقعی اب ممکن ہے کہ میں پول‌شنیل جیسا ہو گیا ہوں۔ لیکن
پول‌شنیل بےتکلف اور کھرا تو ضرور ہے، ہے نا؟،،

”سنئے پرنس صاحب، کافی رات جا چکی ہے اور واقعی...،،

”تو ہو بہ ہو، ایسی بھی کیا بےتابی! اور آپ کو کہاں کی
جلدی پڑی ہے۔ ذرا بیٹھیں ہم، دوستانہ باتیں ہو جائیں، خلوص
سے، جام شراب پر، جیسے اچھے دوست ملتے ہیں، باتیں کرتے ہیں
بس میں، سمجھیے نا؟ آپ سوچ رہے ہیں کہ مجھ پر چڑھ گئی ہے —
کوئی بات نہیں، اچھا ہی ہے۔ ہا۔ ہا۔ ہا! سچ ہے کہ ہمیشہ
دوستوں کے ساتھ گزری ہوئی یہ صحبتیں بہت دنوں یاد آتی ہیں اور
ان کی یاد میں کیا لطف آتا ہے کہ واہ۔ ایوان پترووچ، آپ دل
کے اچھے نہیں ہیں! وہ جو ہوتی ہے جذباتیت وہ نہیں ہے آپ میں،

احساس کا مادہ۔ بھلا ایک آدھ گھنٹے کی بات ہی کیا، ایسے دوست
کی خاطر، جیسے میں۔ پھر اسی سلسلے میں یہ بھی ہے کہ اصل
معاملے سے اس کا تعلق ہے... اتنا نہیں سمجھتے آپ، اور پھر بھی
ادیب بنے پھرتے ہیں! آپ کو تو چاہئے تھا کہ اس موقع سے خوش
ہوں، کیونکہ آپ مجھے خاص کردار کے طور پر استعمال کر سکتے
ہیں۔ ہا۔ ہا۔ ہا! خدایا، آج میں کس درجہ صاف‌گوئی پر اتر آیا
ہوں!،،

اس پر واقعی شراب سوار ہو چلی تھی۔ اس کا چہرہ بدل چکا
تھا اور اس پر ایک طرح کی خباثت برس رہی تھی۔ صاف معلوم ہوتا
تھا کہ وہ وار کرنا، ڈس لینا، کاٹ کھانا اور دوسرے کی ہنسی
اڑانا چاہتا ہے۔ ”یہ ایک حد تک اچھا ہی ہوا کہ وہ مدہوش
ہے،، میں نے جی میں سوچا۔ ”مدہوش آدمی ہمیشہ دل کی بھڑاس
نکالتا ہے۔،، لیکن پرنس اپنی جگہ ہوش میں تھا۔

”میرے دوست،، اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ صاف نظر آتا
تھا کہ خود اپنے آپ پر نازاں ہے۔ ”ابھی ابھی میں نے آپ کے
سامنے ایک اعتراف کیا ہے (ممکن ہے کہ اس میں معقولیت نہ رہی
ہو) کہ کبھی کبھی مجھے ایک ناقابل برداشت ترنگ آتی ہے کہ
بعض خاص حالات میں لوگوں کے منہ پر اپنی زبان نکال دوں۔ یہ
جو ایک بےضرر قسم کی سادگی بھری صاف‌گوئی تھی اس پر آپ نے
مجھے پول‌شنیل سے تشبیہ دے دی، جس پر واقعی ہنسی آتی ہے۔
اب اگر آپ مجھ کو طعنہ دیتے ہیں، اگر آپ کو مجھ پر حیرانی
ہو رہی ہے کہ میں آپ کے خیال میں بدتمیزی سے پیش آ رہا
ہوں، مختصراً یہ کہ گنوارپن برت رہا ہوں کہ آپ سے بات‌چیت
کا لہجہ بدل دیا ہو جب آپ دراصل قطعی نا شائستگی کر رہے ہیں۔
اول تو یہ صورت میرے مفید مطلب ہے۔ دوسرے یہ کہ میں اس
وقت اپنے شان موجود نہیں ہوں بلکہ آپ کے ساتھ نکلا ہوں... یعنی
کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہم دونوں اچھے دوستوں کی حیثیت سے عیش
اڑانے نکلے ہیں۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ مجھے اپنی ترنگ میں
بہہ نکلنا بہت عزیز ہے۔ جانتے ہیں آپ؟ ایک دفعہ تو مجھے یہ
ترنگ آ گئی تھی کہ مابعدالطبیعاتی اور مخیر بن جاؤں اور آپ
کے ہی جیسے خیالات مجھ میں بھر گئے تھے۔ مگر یہ بہت زمانے
کی بات ہے، جب عنفوان شباب کا زریں دور تھا۔ اس زمانے کی یہ

یاد ہے تک باقی ہے کہ میں اپنی دیہات کی جاگیر گیا تھا اور
فلاح و بہبود کے جذبات لئے ہوئے گیا تھا۔ قدرتی بات ہے کہ
وہاں ہر شے سے جی اکتا گیا۔ مگر آپ کو یقین نہ آئے گا کہ ہوا
کیا بعد میں۔ اکتاہٹ کے مارے میں نے وہاں خوبصورت چھوکریوں
سے میل ملاقات شروع کر دی... پھر آپ منہ بنانے لگے نا! ارے
میرے عزیز، بگڑتا کاہے کو؟ ہم دوستوں کی طرح بے تکلفانہ بات چیت
کر رہے ہیں۔ جھوم رہے ہیں۔ لگام ڈھیلی چھوڑ دینے کا وقت ہے نا!
میں نے بالکل روسی مزاج پایا ہے۔ سمجھو کہ قطعی روسی طبیعت۔
یعنی وطن کو عزیز رکھنے والا۔ اور خود کو بہاؤ پر چھوڑ
دینے والا آدمی ہوں۔ اور تم جانو کوئی کوئی لمحہ چھین کر زندگی
کا بھی لطف اٹھاتے رہنا چاہئے آدمی کو۔ مرنا تو برحق ہے،
پھر اس کے بعد کیا دھرا ہے! چنانچہ میں نے کہا چلو ذرا
چھوکریوں کے ایرے پھیرے کئے جائیں۔ یاد پڑتا ہے کہ ایک
گڈرین تھی۔ اس کا شوہر تھا خوبصورت کسان پٹھا۔ میں نے اسے
جی بھر پٹوایا اور فوج میں بھرتی کرانے والا تھا (یہ سب عہد
ماضی کے قصے ہیں، میرے شاعر!) مگر اپنی فوج میں پہنچنے کی
نوبت نہ آئی تھی کہ وہ میرے ہسپتال میں ہی مر بسا... گاؤں
میں میرا ایک ہسپتال تھا، جس میں بارہ مریضوں کے پلنگ تھے —
نہایت اعلیٰ درجے کا ساز و سامان، صاف ستھرا، شفاف، چکنا فرش ٹائل
کا۔ بہ ہر خیر، ایک زمانہ ہوا کہ میں نے وہ ہسپتال اٹھا دیا مگر
کبھی اس پر مجھے فخر ہوا کرتا تھا۔ یوں تو میں خیرخیرات میں
لگا ہوا تھا۔ لیکن اس کسان کے قصے میں دوسری بات۔ اسے میں
نے تنے کوڑے لگائے کہ وہ تاب نہ لا سکا اور دنیا سے سدھار
گیا۔ کیوں؟ اس کی بیوی کی بدولت... اچھا پھر آپ نے برا
منہ بنانا شروع کر دیا۔ سننے سے آپ کو خواہ مخواہ کوفت ہو
رہی ہے۔ آپ کے شریفانہ جذبات پر شاق گزر رہا ہے؟ دیکھئے،
دیکھئے۔ موڈ خراب نہ کیجئے اپنا! یہ سب آج کی نہیں، ایک زمانے
پہلے کی باتیں ہیں۔ میں نے یہ حرکت اس وقت کی تھی جب میں
زندگی کے رومانوی دور میں تھا اور جی میں تھی کہ انسانیت کی
خدمت کروں... میں ان دنوں میں لائن پر پڑ گیا تھا۔ اور یہ کوڑے
لگانے والا واقعہ تبھی پیش آیا۔ اب میں کسی پر کوڑا نہیں اٹھا سکتا۔

بلکہ اب تو ایسی بات گوارا نہیں ہوگی۔ اب رواداری برتنے کی
ضرورت ہے، اب ہم سب بنے ہیں، وقت ایسا ہی ہے، جناب... ہاں
اب تو مجھے سب سے زیادہ حیرت ہوتی ہے اس بے وقوف اخمینیف پر۔
مجھے یقین ہے کہ اخمینیف کو اس کسان والا قصہ معلوم تھا، پوری
طرح... اور جانتے ہیں آپ کیا ہوا، اس نیک آدمی نے اسی نیکدلی
کے مارے — جو میرے خیال میں کچھ تھوڑے کی ہی ہوتی ہے
اور اس وجہ سے بھی کہ اس زمانے میں وہ میری محبت میں مبتلا
ہو چکا تھا اور من میں میرے بڑے گن گاتا تھا، سب نے مل کر ایسا
کہ چاہے کوئی کچھ کہے وہ اس واقعے کا ایک لفظ بھی نہیں
مانے گا۔ چنانچہ اسے ذرا بھی یقین نہیں آیا۔ وہ اس واقعی امر کو
ذرا بھی خاطر میں نہ لایا۔ بارہ برس تک اسی طرح وہ میرا کٹر
حامی رہا اور چٹان کی طرح ثابت قدم یہاں تک کہ خود اس پر ضرب
پڑ گئی۔ ہا۔ ہا۔ ہا! خیر، یہ سب فضول کی بات ہے! آئیے
پی ڈالیں، عزیزم۔ سنئے، آپ کو عورتوں وورتوں کا بھی شوق ہے
یا نہیں؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف اسی کی سنتا رہا۔ اب اس
نے دوسری بوتل چڑھانی شروع کر دی تھی۔

"اور مجھے رات کے کھانے پر عورتوں کے بارے میں بات چیت
بہت پسند ہے۔ آپ چاہیں تو کھانے سے نمٹ کر ایک خاتون سے
آپ کو ملایا جائے، mademoiselle Philiberte۔ واہ، کیا خیال ہے
آپ کا؟ آپ کو ہو کیا گیا؟ لگتا ہے جیسے میری صورت سے بیزار
ہیں... ہوں؟"

وہ گویا فکر میں پڑ گیا۔ لیکن پھر اس نے فوراً اپنا سر اٹھایا،
مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پھر بولنے لگا:

"ہاں تو بیٹی، میرے شاعر دوست، ایک راز آپ کو بتانا
چاہتا ہوں قدرت کا، جس سے آپ ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ یقین ہے
کہ فی الحال آپ مجھے گناہگار قرار دے رہے ہوں گے بلکہ بدی،
شیطان اور گمراہی کا پلندہ سمجھ رہے ہوں گے۔ مگر خیر، میں
آپ سے کہتا ہوں کہ اگر کہیں یہ ممکن ہوتا (جو بہرحال انسانی
فطرت کی وجہ سے ممکن نظر نہیں آتا) کہ ہم میں سے ہر شخص
اپنے رازدارانہ خیالات کہہ سناتا، اور بے جھجک، بے دریغ وہ کچھ
کہہ ڈالتا جو وہ دوسروں سے کہتے ڈرتا ہے اور کسی صورت زبان

پر نہیں آتا ہے، بلکہ عزیز سے عزیز دوست تک کو ان کی ہوا نہیں دیتا ہے، اور ہو اور خود کبھی کبھی اپنے دل میں ان کا اقرار کرتے گھبراتا ہے، اگر وہ سب زبان سے اگل سکتا — تو دنیا میں ایسا تعفن پھیل جاتا کہ ہم سب کے دم گھٹ جاتے۔ اسی لئے میں برسبیل تذکرہ کہتا چلوں کہ دیکھئے ہماری سماجی عادات اور اوصاف کے خوب ہیں۔ ان میں کس درجہ گہرا خیال پایا جاتا ہے — میں یہ نہیں کہتا کہ ان میں اخلاقی اصول بھی ہیں، البتہ اپنی حفاظت کا جذبہ پایا جاتا ہے اور تسکین مدنظر ہے۔ یہ لفظ تسکین اور بھی سب رہے گا کیونکہ اخلاق اور کیا ہے، دراصل وہی تسکین، یعنی تسکین کے ہی پیش نظر اخلاق کو وضع کیا گیا ہے۔ خیر، اس وقت ہم نسانی اوصاف کی بات چھوڑ دیں۔ میں اصل موضوع سے بہکا جا رہا ہوں۔ بعد میں آپ یاد دلا دیجئے گا۔ اس پر قصہ مختصر کرتا ہوں کہ آپ مجھ کو کمینگی، گندگی، بدعنوانی اور بداخلاقی کا مورد الزام سمجھئے مگر شاید میرا قصور صرف اتنا ہے کہ دوسروں سے زیادہ صاف گو ہوں اور بس۔ میں ان باتوں کو بھی نہیں چھپاتا جنہیں لوگ خود اپنی ذات تک سے پردے میں رکھتے ہیں، جیسا کہ میں آپ سے کہہ چکا ہوں... میری یہ حرکت بری سہی مگر فی الحال میں یہی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ خیر، آپ فکر نہ کیجئے،، اس نے تمسخر بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''میں نے 'قصور' کا لفظ استعمال کیا مگر میں اس قصور کی معافی بالکل نہیں چاہتا۔ اور یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ آپ کے لئے دل آزاری کا سبب پیدا نہیں کروں گا۔ آپ سے میں یہ نہیں اگلوانا چاہتا کہ خود آپ کے سینے میں ایسے رازہائے پنہاں ہیں کہ نہیں، تاکہ آپ کے رازوں کے اعتراف کو اپنے لئے وجہ جواز بنا لوں... دیکھئے، کس قدر شرافت اور شائستگی کا برتاؤ کر رہا ہوں۔ میں ہمیشہ شرافت سے پیش آیا کرتا ہوں...،،

''آپ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں،، میں نے اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بہکی بہکی باتیں بنا رہے ہیں — ہا۔ ہا۔ ہا! تو کیا کہہ ڈالوں کہ آپ اس وقت دل میں کیا سوچ رہے ہیں؟ سوچ رہے ہیں کہ یہاں میں لایا کیوں آپ کو، نہ یہ بات، نہ وہ بات، اور بلاوجہ اب آپ کے سامنے خود کو بےنقاب کر رہا ہوں۔ ہے نا یہی؟،،

''ہاں، ہے تو۔،،

''خیر، تو آپ کو بعد میں معلوم ہو جائے گا۔،،

''سب سے زیادہ سیدھی بات یہ کہ آپ قریب قریب دو بوتل خالی کر چکے ہیں اور... بہک چلے ہیں۔،،

''مطلب یہ کہ مجھ پر نشہ چڑھ گیا۔ ہو سکتا ہے۔ ٹھیک جیسے ہیں،، یہ ایک نرم طریقہ ہے کہنے کا کہ آپ نشے میں دھت ہیں۔ اوف، کیا آدمی ہیں آپ بھی سوچنے کے! مگر... لگتا ہے کہ ہم پھر ایک دوسرے کو کچوکے دینے پر اتر آئے۔ حالانکہ بات کوئی اور دلچسپ سی چل رہی تھی۔ ہاں تو میرے شاعر دوست، سنو، اگر دنیا میں کوئی شے عمدہ اور لذیذ رہ گئی ہے تو وہ ہے عورت۔،،

''سنئے پرنس صاحب، ابھی تک میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ آپ نے مجھی کو کیوں اپنے رازوں کا اور عشق بازی... تمناؤں کا امین چنا ہے۔،،

''ہوں... تو میں آپ سے کہہ تو چکا کہ بعد میں سب معلوم ہو جائے گا آپ کو۔ ابھی سے اپنا دماغ پریشان نہ کیجئے۔ شاید میں نے یوں ہی بےوجہ کہہ دیا ہو۔ آپ ٹھہرے شاعر آدمی۔ سب سمجھ لیں گے۔ لیکن یہ بات تو ابھی میں آپ سے کہہ چکا تھا۔ ایک دم سے نقاب الٹ دینے میں عجب مزا ہے۔ عجب لطف ہے اس بیزاری میں کہ آدمی خود کو دوسرے کے سامنے اچانک بےنقاب کر دے اور اس کا بھی خیال نہ کرے کہ کسی کا لحاظ رکھنا ہے۔ میں آپ کو ایک لطیفہ سناؤں — پیرس میں ایک خبطی اہلکار تھا۔ بعد میں جب یقین ہو گیا کہ یہ شخص پگلا ہے تو اسے پاگل خانے پہنچا دیا گیا۔ جب اس پر شروع شروع دیوانگی طاری ہوئی تو اس نے لطف لینے کی ایک خوب ترکیب نکالی۔ وہ خود کو بالکل مادرزاد برہنہ کر لیا کرتا تھا اور ٹانگوں میں صرف جوتے اور موزے پہنے رہتا۔ اوپر سے ڈھیلی ڈھالی برساتی ڈالے جو ایڑیوں تک آتی تھی۔ اس میں لپٹ کر وہ گمبھیر اور شاندار پُررعب انداز میں گھر سے سڑک پر نکل کھڑا ہوتا۔ یوں اگر دیکھئے تو اچھا بھلا آدمی، جیسے اور لوگ۔ بس ابھی برساتی میں ٹہلتا پھر رہا ہے۔ مگر جیسے ہی اکیلے میں کسی کا سامنا ہو جاتا جہاں کوئی اور نہ ہو تو وہ چپ چاپ اس کے قریب پہنچتا،

نہایت سنجیدہ اور گہری سوچ بچار میں مبتلا آدمی کا سا انداز لئے ہوئے اور ایک دم اس کے سامنے پہنچ کر رک جاتا، ایک دم درسانی انارڈ ٹ اور بالکل تنگ دھڑنگ... روح کی منظر کشائی کر دیتا۔ بس دم بھر کو یہ منظر رہتا۔ اور پھر وہ اپنے آپ کو لپیٹ لیتا اور حیرت‌زدہ تماشائی کے برابر سے ہوکر چہرے پر کسی قسم کے آثر ظاہر کئے بغیر چپ چاپ سنجیدگی سے وہاں سے آگے بڑھ جاتا اسی شان و وقار کے ساتھ جیسے ڈرامہ 'ہملٹ' میں بھوت جیتا ہے۔ مرد ہو، عورت ہو، بچہ ہو، سب کے ساتھ اس کا یہی ایک سا برتاؤ تھا۔ اور لےدے کے اسی میں اس کو مزا آتا تھا۔ کچھ اسی قسم کا مزا آئے اگر آپ کسی جذباتی شیلر صفت آدمی کو دونی کرکے رکھ دیں، کہ جب اسے گمان تک نہ ہو آپ اس کے منہ کے آگے یہ لمبی زبان نکال دیں۔ واہ۔ کیا لفظ ہے 'ہونق'! یہ میں نے کہیں حال کے کسی ادیب کے ہاں پڑھا ہے۔"

"اچھا، وہ تو تھا دیوانہ، مگر آپ..."

"اور میں ہوشیار ہوں نا۔"

"جی ہاں۔"

پرنس قہقہہ مار کر ہنسا۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ، میرے پیارے" اس نے کہا۔ اس کی صورت پر انتہا گستاخی برس رہی تھی۔

"پرنس صاحب" میں نے اس کی گستاخی پر جھنجلائے ہوئے کہا "آپ کو ہم سب سے نفرت ہے۔ مجھ سے بھی نفرت ہے۔ اور آپ ہر شخص اور ہر بات کا مجھ سے انتقام لے رہے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے آپ کی گھٹیا درجے کی خودپسندی کا۔ آپ کینہ‌ور آدمی ہیں اور کینہ بھی گھٹیا رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ کو برہم کردیا ہے۔ اور غالب جس بات پر آپ سب سے زیادہ برہمی ہے وہ ہے اس شام کا معاملہ۔ ویسے آپ کے پاس بدلہ لینے کی اس سے بڑھ کر اور کوئی کارگر تدبیر نہ تھی کہ آپ یوں کھلم کھلا میری تذلیل کریں۔ حد ہے کہ آپ نے اس معمولی سے لحاظ کو بھی خاک میں ملا دیا جو عام طور سے سب ایک دوسرے کے ساتھ برتتے ہیں۔ آپ مجھے بس یہ دکھا دینا چاہتے ہیں کہ میری موجودگی میں آپ شرافت اور لحاظ کے تمام آداب کو ٹھکرا سکتے ہیں اس طرح کہ برملا اور بے دھڑک میرے منہ پر اپنا گندہ نقاب اتار کر پھینک دیں اور

یوں بالکل سامنے اپنے اخلاقی ننگ‌چڑھے پن کی نمائش کریں..."

"یہ سب آپ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں؟" اس نے مجھے بدتمیز اور کینہ‌ور آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "یہی نا کہ آپ اپنی دوربک‌نظری جتانا چاہتے ہیں؟"

"یہ جتانے کے لئے کہ میں آپ کو خوب سمجھتا ہوں اور اسے صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں۔"

«Quelle idée, mon cher» * وہ اپنا لہجہ بدل کر اور ایک دم اسی پہلے کے ہلکے پھلکے چھیڑ چھاڑ کے بابونی انداز میں کہتا چلا گیا۔ "آپ نے بلاوجہ مجھے اصل موضوع سے ہٹا دیا۔ «Buvons, mon ami» ** اجازت عطا ہو کہ آپ کا جام بھر دوں۔ میں آپ سے بہت ہی پرلطف اور عجیب قسم کا کارنامہ بیان کرنے والا ہوں۔ اختصار کے ساتھ کہوں گا۔ ایک زمانے کی بات ہے کہ کسی خاتون سے میری ملاقات تھی۔ اس کی عمر ایسی تھی کہ الہتی جوانی تو نہیں کہی جا سکتی البتہ ہوگی کوئی ۲۷، ۲۸ برس کی — حسن اور اول درجے کا حسن — کیا سینہ تھا، کیا قامت تھا! کیا انداز تھے! آنکھیں عقابی، ایسی کہ آرپار ہو جائیں۔ ہمیشہ تنی ہوئی اور مانع۔ پروقار اور خود کو بہت لئے دئے۔ اس کی برف جیسی سردمہری کا عام چرچا تھا۔ اور سب گھبراتے تھے کہ اس کی عصمت و عفت رسائی سے بالاتر ہے اور لاکھوں چنے چبوا دینے والی۔ یہی لفظ 'ناکوں چنے چبوانے والی' بس مناسب ہے۔ اس کے آس پاس والوں میں کوئی اتنا سخت‌گیر نہیں تھا جیسی وہ کہ صرف بےہودگی کو ہی نہیں بلکہ کسی عورت کی ذرا معمولی سی لغزش کو بھی برداشت نہ کرتی تھی اور ایسی بےدردی سے سزا دیتی تھی کہ جس کی داد تھی نہ فریاد۔ اپنے حلقے میں اس کا بڑا اثر تھا۔ جو بڑی آن‌بان والی عمررسیدہ عورتیں تھیں، جنہیں اپنی عصمت و عفت کا بڑا ہیبتناک گھمنڈ تھا وہ بھی اس کے آگے جھکتی تھیں بلکہ رعونت‌ادب نہ کرتی تھیں۔ یہ سب پر یکساں بےرحمی کی نظر رکھتی تھی جیسے پرانے زمانے کی خانقاہوں کی راہبہ ہو۔ نوجوان عورتیں اس کی کڑی نگاہ اور

---

* واہ، کیا خیال سوجھا ہے، میرے یار (فرانسیسی)۔

** آئیے، پی لیں میرے دوست (فرانسیسی)۔

سخت نکتہ‌چینی کے سامنے لرزتی تھیں۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک جملہ، ایک اشارہ کسی کی بھی نیک‌نامی اور آبرو پر پانی پھیر سکتا تھا۔ اس نے سوسائٹی میں اپنے لئے ایسا طرفہ مقام بنا رکھا تھا کہ عورتیں تو کیا — مرد بھی اس سے خوف کھاتے تھے۔ بالآخر وہ ایک طرح کے گیان دھیان کے تصوف میں مبتلا ہو گئی اور وہ بھی اتنا ہی سرد اور پروقار تھا... آپ کو یقین آئے گا؟ اس سے بڑھ کر بدکار اور عیاش عورت ہو نہیں سکتی ایسی بگڑی ہوئی تھی وہ۔ اور مجھے یہ شرف حاصل ہوا کہ میں پوری طرح اس کا رازدار بن گیا۔ یعنی یوں کہو کہ میں اس کا پوشیدہ اور پراسرار عاشق تھا۔ ہماری ملاقاتیں اس قدر ہوشیاری اور استادی کے ساتھ طے ہوا کرتی تھیں کہ خود اس کے گھر والوں میں سے کسی کو ہوا تک نہیں لگتی تھی۔ صرف ایک خواص تھی، نہایت ہی حسین فرانسیسی چھوکری۔ وہ اس کے تمام رازوں کی شریک تھی۔ مگر وہ تھی اس قابل کہ اس پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ خیر، اس کو بھی ان کارروائیوں میں اپنا ساجھے کا حصہ مل ہی جاتا تھا۔ وہ کیسے؟ اب میں اس کا ذکر نہیں کروں گا۔ اس میری نواب‌زادی کو عیاشی کی اس قدر چاٹ تھی کہ مارکوئس دے‌ساد* بھی اس سے درس لیتا۔ مگر اس تمام نفس‌پرستی یا عیاشی کی سب سے شدید اور سب سے نوکیلی خراش اس میں تھی کہ سب کچھ راز میں تھا اور کیسے فریب کیا جا رہا تھا۔ یہ کہ ہر وہ چیز جسے دوسروں کے سامنے یہ خاتون بہت عالی مرتبہ، قابل احترام فرض اور تقدس قرار دیا کرتی تھیں — اور اس پر اندر اندر شیطانی قہقہہ، اور جان بوجھ کر ہر اس چیز کو پاؤں تلے روندنا جسے مقدس کب کیا ہو اور وہ بھی ساری حدیں پار کرکے، عیش پرستی کو وہاں تک لے جانا جہاں انتہا سے زیادہ گرما گرم تصور بھی نہ پہنچ سکے۔ سب سے بڑھ کر یہی چیز تھی جس میں لذت کا اصلی رس بھرا ہوا تھا۔ کیا عورت تھی! عورت کے روپ میں شیطان کی روح، مگر شیطان بھی ایسا کہ بےحد دل‌ربا۔ آج بھی اس کی یاد آتی ہے تو دل لہریں لینے لگتا ہے۔ عین اس

---

* فرانسیسی اہل قلم جس کا موضوع کام شاستری ادب ہے۔ (ایڈیٹر)

وقت جب عیش کا پارہ چڑھتا تب ہو وہ ایک دم قہقہہ مار کر ہنس پڑتی تھی جیسے بےخودی میں بہہ گئی ہو۔ اور میں ان قہقہوں کو خوب سمجھتا تھا اور خود قہقہے مارتا تھا... اگرچہ اب اس واقعے کو برسوں ہوچکے ہیں پھر بھی جب اس کی یاد آجاتی ہے تو سینے میں سانس رک جاتا ہے۔ اس نے ہر طرح سے مجھے دشکر دیا۔ اب اگر میں اسے صدمہ پہنچانا چاہتا بھی تو کچھ بگاڑ نہ سکتا تھا۔ بھلا کس کو میری بات کا یقین آتا؟ ہائے، کیا کیرکٹر تھا۔ کیا کہتے ہو میرے نوجوان دوست..

”تھو تھو — کیا گری ہوئی بات ہے!“ میں نے اس اعتراف کو گھناؤنے‌پن کے ساتھ سن کر جواب دیا۔

”آپ میرے نوجوان دوست شمار نہ ہوتے اگر اس کے علاوہ کوئی جواب آپ کی زبان سے نکلتا۔ میں پہلے ہی جانتا تھا کہ آپ یہ کہیں گے۔ ہا۔ ہا۔ ہا! ٹھیرو ذرا، mon ami، جیتے رہو خود سمجھ میں آ جائے گا۔ ابھی کچے ہیں آپ۔ نہیں نہیں، اگر آپ ایسا کہتے ہیں تو شاعر نہیں ہیں — وہ عورت زندگی کے معنی سمجھتی تھی اور جانتی تھی کہ اسے خوب اچھی طرح کیسے برتنا چاہئے۔“

”ہاں، مگر آدمی اس درندگی تک جائے ہی کیوں؟“

”کس درندگی تک؟“

”جس تک وہ عورت پہنچ گئی تھی اور آپ بھی اس کے ساتھ۔“

”اوھو۔ آپ اسے درندگی کہتے ہیں — یہ تو اس کی علامت ہے کہ آپ اپنی انگلی پکڑکر چلنے کے قابل ہیں، اور آپ کے نکیل پڑی ہے۔ یہ تو البتہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ آزادی خود کو اس سے بالکل الٹی سمت میں بھی ظاہر کر سکتی ہے... خیر، چلو، ذرا کھل کے صاف بات کریں، mon ami ... آپ خود مانیں گے کہ یہ محض بکواس ہے۔“

”تو پھر کیا ہے جو بکواس نہیں ہے؟“

”شخصیت — میں بذات‌خود۔ یہ بکواس نہیں ہے۔ سب کچھ میرے لئے ہے۔ ساری دنیا میرے لئے بنی ہے۔ سنو، میرے عزیز۔ مجھے اب تک یقین ہے کہ زمین پر عیش و مسرت کے ساتھ رہنا ممکن ہے۔ یہی عقیدہ بہترین عقیدہ ہے کیونکہ اس کے بغیر آدمی بےمسرت زندگی بھی بسر نہیں کرسکتا۔ سونے اس کے کیا دھرا

ہے کہ آدمی زہر گلے سے اتار لے۔ کہتے ہیں کہ کسی بے وقوف
نے یہ بھی کیا تھا۔ وہ فلسفہ بگھارتا رہا یہاں تک کہ ہر شے
کو تباہ کرکے رکھ دیا اور یہاں تک تباہ کیا کہ جو حسب
معمول اور قدرتی انسانی رشتے ہیں ان کے جواز تک کو مٹا
دیا۔ پھر آخر میں کیا رہا۔ کچھ نہیں۔ لے دے کے حاصل جمع
صفر۔ اور پھر اس نے اعلان کر دیا کہ زندگی میں بہترین شے
زہر ہلاہل ہے۔ آپ کہیں گے — یہ 'ہملٹ' تھا، یعنی ایک
شکست کی مایوسی، یعنی ایک ایسی بالاتر چیز ہے کہ ہم اس
کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن آپ ہیں شاعر آدمی اور
میں ٹھہرا ایک معمولی مخلوق۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ انسان
کو چاہئے کہ وہ چیزوں کو نہایت سیدھے سادے اور عملی
روپ میں دیکھا کرے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو ایک
زمانہ ہوا کہ خود کو تمام بندھنوں سے، ذمہ داریوں کے بوجھ
سے بھی آزاد کر چکا ہوں۔ میں کسی ذمہ داری یا فرض شناسی کو
اسی وقت مانتا ہوں جب دیکھ لوں کہ اس سے مجھے فیض پہنچے گا۔
آپ بہرحال چیزوں کو اس طرح نہیں دیکھ سکتے کیونکہ آپ کے
پیروں میں بیڑیاں ہیں اور ذوق آپ کا مر چکا ہے۔ آپ آدرش
کی تمنا میں، اعلیٰ صفات کی آرزو میں تڑپتے ہیں۔ یوں تو میرے
دوست، آپ جو شے بھی مجھ سے کہیں میں اسے ماننے کو تیار
ہوں، مگر ذرا کیا جب نگاہ میں یہ حقیقت بسی ہوئی ہو کہ
تمام اعلیٰ وصف کی گھٹی میں انتہائی شدید قسم کی خود پسندی
پڑی ہے۔ اور کوئی چیز جتنی پاک پاکیزہ ہوتی ہے اتنی ہی
زیادہ اس میں خود پسندی بھری ہوتی ہے۔ بس اب میں ایک ہی
اصول مانتا ہوں کہ خود سے محبت کرو۔ زندگی کیا ہے — تجارتی
لین دین۔ تم اپنا روپیہ برباد نہ کرو، بلکہ جس سے جتنی راحت
اٹھاؤ، اس کی اتنی قیمت چکا دو۔ اس طرح آپ اپنا حق ہمسائگی
پورا پورا ادا کر دیتے ہیں۔ یہ ہیں میرے اخلاقیات، اگر آپ
واقعی انہیں جاننا چاہتے ہیں تو جانئے۔ گرچہ میں ساتھ ساتھ یہ
بھی تسلیم کرتا ہوں کہ میری سمجھ بوجھ میں زیادہ مناسب بات
یہ ہے کہ حق ہمسائگی ادا نہ کیا جائے بلکہ اس سے مفت کام
لینے کی کوشش کی جائے۔ میرے سامنے کوئی آدرش نہیں ہیں، نہ
مجھے ان کی تمنا ہے، اور نہ کوئی ضرورت نظر آتی ہے۔ آدمی

ان آدرش و درش کے بغیر بڑے مزے کی خوش و خرم زندگی گزار
سکتا ہے... یوں دیکھئے تو میں خوش ہوں کہ زہر ہلاہل کے
بغیر کام چلا سکتا ہوں۔ گر کہیں ذرا نیک صالح ہوتا تو شاید
مشکل ہو جاتی، زہر کے بغیر کام نہ چلتا اس احمق فلسفی کی
طرح (جرمن ہی ہو سکتا ہے بلاشبہ۔ نہیں، نہیں! زندگی میں بہت
کچھ خوشگوار موجود ہے! مجھے پیار ہے اثر و رسوخ سے، عہدے
اور مرتبے سے، عالیشان ڈیوڑھی سے، تاش کی بازی میں لمبی رقم
لگانے سے (تاش کی تو گویا دھت سی ہے مجھے)۔ لیکن سب سے
بڑھ کر جو چیز پسند ہے مجھ کو وہ ہیں عورتیں... ہر قسم کی
عورتیں۔ مجھے خفیہ اور درپردہ عیاشیاں بھی پسند ہیں۔ جتنی
انوکھی اور اچھوتی ہوں اتنا ہی خوب۔ بلکہ منہ کا مزا بدلنے
کو اگر ان میں ذرا سی گندگی بھی شامل ہو جائے تو کوئی
حرج نہیں... ہا ہا ہا! اب میں آپ کے چہرے سے دیکھ سکتا
ہوں کہ میرے لئے کتنی نفرت برس رہی ہے!"

"بجا فرمایا آپ نے" میں نے جواب دیا۔

"خیر، فرض کیا آپ بھی حق بجانب ہی سہی۔ لیکن سوچئے
تو ذرا سی گندگی زہر ہلاہل سے تو بہتر ہی ہے، ہے نا؟"

"نہیں، نہیں، زہر ہلاہل بہتر ہے۔"

"میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ 'ہے نا؟' اسی لئے کہ آپ
کے جواب سے لطف اندوز ہوں گا۔ جانتا ہوں کہ آپ کیا جواب
دیں گے۔ نہیں، میرے نوعمر دوست — اگر آپ کو واقعی انسانیت
سے اصلی محبت ہے تو پھر آپ کی تمنا ہونی چاہئے کہ تمام معقول
لوگوں کا ذوق وہی ہو جو میرا ذوق ہے بلکہ اس میں گندگی
کا شائبہ بھی رہے۔ ورنہ دنیا میں معقول لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہ
رہ جائے گی اور یہاں صرف احمق لوگ بسیں گے۔ کیا وہ احمق
خوش قسمت نہیں ہوں گے؟ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ آج تک
وہ مثل چلی آ رہی ہے 'بے وقوف خوش قسمت پیدا ہوتے ہیں'۔
اور آپ کو معلوم ہے اس سے بڑھ کر خوشگوار بات ہو نہیں
سکتی کہ بے وقوفوں کے ساتھ رہا جائے اور ان کی ہاں میں ہاں ملائی
جائے۔ اس سے آدمی فائدے میں رہتا ہے! آپ یہ نہ سوچئے کہ
مجھے مصلحت عزیز ہیں، اور بعض روایتوں کے احترام کا بڑا قائل ہوں
اور اثر و رسوخ پیدا کرنے کی کوشش میں رہتا ہوں۔ نہیں جناب، اصل میں

مجھے صاف نظر آتا ہے کہ میں ایک نکمی ناکارہ سوسائٹی میں بسر کر رہا ہوں لیکن اس سوسائٹی میں میرے لئے آسائش موجود ہے۔ اور میں اس کا دم بھرتا ہوں اور دکھاتا ہوں کہ میں اس کا زبردست حامی ہوں حالانکہ اگر موقع پڑ جائے تو سب سے پہلے میں ہی اسے چھوڑ بھاگوں۔ مجھے آپ لوگوں کے تمام جدید خیالات کا علم ہے اگرچہ ان کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کوئی چیز نہیں جس کی وجہ سے میرے ضمیر میں کھٹک ہوتی ہو۔ میں ہر بات سے اسی کراہت ہوں جب تک کہ مجھے تسلی رہے۔ مجھ جیسے بہت لوگ ہیں دنیا میں اور ہم واقعی مزے میں ہیں۔ دنیا میں سب کچھ مٹ مٹا جائے گا مگر ایک ہم ہیں کہ کبھی نہیں مٹ سکتے۔ جب سے دنیا چلی آتی ہے تب سے ہمارا وجود قائم ہے۔ ساری دنیا ڈوب جائے مگر ہم ہیں کہ تیرتے رہیں گے اور ہمیشہ اوپر ہی اوپر تیرتے جائیں گے۔ اچھا، ذرا اسی کو لیجئے، غور کیجئے کہ ایسے لوگ کتنے جاندار اور پائدار ہوتے ہیں جیسے ہم۔ کہ مثال بننے اور نمونہ ہونے کی حد تک ٹھوس اور مستحکم ہوتے ہیں۔ کبھی آپ کے ذہن میں یہ بات آئی؟ یعنی خود فطرت ہماری حفاظت کرتی ہے۔ ہی۔ ہی۔ ہی! میں خاص کر ۹۰ سال جینا چاہتا ہوں۔ مجھے موت پسند نہیں اور اس سے خوف آتا ہے۔ شیطان جانے آدمی کو کس طرح کی موت کا سامنا ہوگا۔ مگر ہم یہ باتیں ہی کیوں کریں۔ وہ جو فلسفی تھا جس نے زہر پیا اسی نے مجھے اسی لائن پر ڈالا ہے۔ لعنت ہو فلسفے پر! Buvons, mon cher* ہم نے حسینوں کا ذکر چھیڑا تھا... مگر آپ کدھر کا رخ کئے ہوئے ہیں؟“

”میں تو گھر چلا اور آپ کا بھی چلنے کا وقت ہو گیا...“

”فضول، واہیات، یعنی میں نے تو، کہنا چاہئے کہ دل کھول کے آپ کے سامنے رکھا اور آپ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی نہ سمجھ پائے کہ یہ دوستی کا کس بڑا ثبوت ہے۔ ہی۔ ہی۔ ہی! آپ میں محبت کی کمی ہے، میرے شاعر دوست۔ لیکن ذرا ٹھیرئے، میں ایک بوتل اور منگوانا چاہتا ہوں۔۔“

”بسری ہوگی؟“

* آؤ پئیں، میرے یار! (فرانسیسی)

”جی ہاں۔ اور جہاں تک نیکی اور شرافت کا تعلق ہے تو میاں صاحبزادے! (آپ مجھے اجازت دیجئے کہ اس پیارے نام سے مخاطب کر سکوں، ہے نا، اور کسے خبر، ممکن ہے ایک دن میری نصیحت آپ کے کام آ جائے)... ہاں تو میاں صاحبزادے! نیکی اور شرافت کے بارے میں تو میں کہہ چکا ہوں۔ لیکن بس جتنی بڑھ کے نیکی ہوگی، اس میں اتنی ہی خودپرستی ہوگی۔ اس موضوع پر میں آپ کو ایک بہت ہی خوب لطیفہ سنا سکتا ہوں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجھے کسی لڑکی سے محبت ہو گئی تھی اور محبت بھی قریب قریب سچی۔ بلکہ اس نے میری خاطر بہت کچھ قربان کر دیا...“

”یہ وہی لڑکی تو نہیں جس کو آپ نے لوٹ لیا تھا؟“ میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔ اب مجھے تاب ضبط نہ رہی تھی۔

پرنس اس پر چونک پڑا۔ اس کے تیور بدل گئے۔ آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اور انہی آنکھوں سے اس نے مجھے گھورا جو حیرت اور غصے سے تپ رہی تھیں۔

”ذرا ٹھیرئے“، اس نے گویا اپنے آپ سے کہا۔ ”ذرا ٹھیر جائیے۔ میں حواس ٹھیک کر لوں۔ واقعی پی گیا ہوں۔ اور خیالات کی ڈور سلجھانی مشکل ہو رہی ہے...“

اس نے دم لیا اور مجھے ٹوہ لینے والی نگاہ سے دیکھا۔ اس میں پھر وہی کینہ بھرا تھا۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا گویا اسے اندیشہ ہے کہ کہیں میں چل نہ دوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت وہ دماغی ادھیڑبن میں مبتلا تھا اور یہ سراغ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ بھلا یہ معاملہ جس کی کسی کو شاید ہی خبر ہو، میں نے کہاں سے اس کی سن گن پائی ہوگی اور کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی بدولت کوئی خطرہ گھات میں لگا ہو۔ یہ عالم کوئی منٹ بھر کو رہا مگر فوراً اس کا چہرہ پھر بدل گیا۔ وہی تمسخرآمیز، شرابی اور مزے کی کیفیت پھر اس کی آنکھوں میں عود کر آئی۔ وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا

”ہا۔ ہا۔ ہا! آپ پکے ٹلیراں* ہیں۔ بس اس کے سوا کوئی

* ٹلیراں ۱۹ویں صدی میں فرانس کا بڑا چالاک سیاست داں تھا۔ (ایڈیٹر)

ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ یہ تو دیکھئے کہ میں واقعی خود اس کے سامنے بےعزت ہوکر رہ گیا جب اس نے میرے منہ پر یہ طعنہ مارا کہ میں نے اسے لوٹ لیا ہے۔ کس بری طرح وہ چیخی چلائی، کیسے برے برے کوسنے دئے اس نے! بڑی سخت عورت تھی اور... اپنے اوپر ذرا بھی قابو نہ تھا۔ لیکن آپ خود ہی انصاف کیجئے۔ اول تو یہ کہ میں نے اسے لوٹا کھسوٹا نہیں تھا جیسا کہ آپ نے ابھی کہا ہے۔ اس نے برضا و رغبت اپنی رقم مجھے دی اور وہ میری رقم ہو گئی۔ یوں فرض کیجئے — آپ اپنا بہترین ڈریس کوٹ مجھے بخش دیتے ہیں،، (یہ کہتے وقت اس نے میرے اس اکلوتے کوٹ کی طرف دیکھا جو کسی قدر ملا دلا تھا اور تین سال ہوئے جب ایک درزی ایوان اسکورنیاگین نے سی کر دیا تھا)۔ ''اچھا تو میں آپ کا احسان‌مند ہوں اور اسے پہن ڈالتا ہوں۔ اتفاق سے سال بھر بعد آپ کا میرا جھگڑا ہو گیا۔ اب آپ اپنا کوٹ واپس مانگتے ہیں۔ مگر میں نے اس عرصے میں کوٹ پہن پہنا کر برباد کر دیا۔ تو اب واپس مانگنا شرافت نہیں ہے۔ دیا ہی کیوں تھا؟ دوسرے یہ کہ اگرچہ وہ رقم میری ہو چکی تھی پھر بھی مجھے چاہئے کہ واپس کردوں۔ مگر ذرا سوچئے تو اتنی بڑی رقم ایک دم کہاں سے ہاتھ آسکتی ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھ سے یہ سب شیلرازم (جذباتیت) اور فالتو قسم کے وعظ نہیں سہے جاتے۔ یہ میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں اور یہی بات سب کی جڑ تھی۔ آپ یقین نہیں کر سکتے کہ اس نے کیسے ونچے اونچے دعوے کئے، خوب چیخی چلائی کہ یہ رقم، جاؤ تمہیں بخش دی (حالانکہ رقم میری ہو چکی تھی)۔ اس پر مجھے غصہ آ گیا اور فوراً ہی میں نے صورت حال کا صحیح صحیح جائزہ لیا۔ میں عام طور سے حاضر دماغ رہتا ہوں۔ میں نے سوچا کہ رقم اسے واپس دے کر کیوں مفت میں رنجیدہ کروں۔ بھلا میں اس کو اس لطف سے محروم کر دیتا جو صرف میری بدولت اسے دکھ بھرنے اور ساری عمر مجھے کوسنے میں آنے والا تھا۔ آپ میری بات کا یقین کیجئے، میرے دوست کہ اس قسم کی ستم زدگی میں واقعی بڑے اونچے درجے کی لذت میسر ہوتی ہے کہ آدمی اپنی جگہ بجا طور پر یہ سوچے کہ میں بلند و برتر ہوں اور مجھے پورا حق ہے کہ اپنے ستم پہنچانے والے کو پاجی اور کمینہ کہہ کر

کوستے جاؤں۔ یہ لذت اندوزی بہت سیر حاصل ہو [illegible] جاتی ہے۔ بعد میں شاید اس عورت کے دل کی [illegible] نہ رہا ہوگا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ خوش ہوگی۔ [illegible] میں اسے اس لذت و مسرت سے محروم کرنا نہیں چاہتا تھا [illegible] میں نے رقم واپس نہیں بھیجی۔ اور اس سے میرا یہ نظریہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص میں دریادلی کے آثار جتنے زیادہ اور نمایاں ہوں گے اتنا ہی اس کی ذات میں نہایت گھناؤنے قسم کی خودپرستی بڑے پیمانے پر ہوگی... بھلا آپ یہ بات نہ سمجھتے ہوں، کیسے ممکن ہے؟ مگر... ہاں آپ تو میری پکڑ کرنا چاہتے تھے۔ ہا۔ہا۔ہا! ہاں، تو اب مان لیجئے کہ آپ مجھے پھانسنا چاہتے تھے۔ واہ رے تلیران!،،

''اچھا، خدا حافظ!،، میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ایک منٹ اور! خاتمے کے دو لفظ اور کہوں گا،، وہ ایک دم اپنا نفرت‌انگیز لہجہ دھیما کرکے سنجیدگی کے انداز میں زور سے بولا۔ ''آپ میرے آخری الفاظ سن لیجئے — اب تک جو کچھ میں نے آپ سے کہا اس سے صاف طور پر اور بےغل و غش یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ (اور میں جانوں آپ خود اسی نتیجے پر پہنچے ہوں گے) کہ میں اپنے ذاتی مفاد کو کسی شخص کے لئے، کسی چیز کی خاطر قربان نہیں کرتا ہوں۔ مجھے روپے سے محبت بھی ہے، اس کی ضرورت بھی۔ کاتیرینا نیودوروونا کے پاس بہت روپیہ ہے۔ اس کے باپ کے پاس آبکاری کا ٹھیکہ رہا ہے دس سال۔ ۳۰ لاکھ کی رقم اس لڑکی کے قبضے میں ہے اور یہ رقم میرے بڑے کام آئے گی۔ الیوشا اور کاتیا ایک دوسرے کا نہایت مناسب جوڑ ہیں — دونوں پکے بےوقوف ہیں۔ اور یہی بات میرے کام آنے والی ہے۔ چنانچہ میری تمنا ہے اور نیت ہے کہ ان دونوں کی شادی ہو جائے اور جتنی جلد ہو سکے ہو جائے۔ دو تین ہفتے کے اندر کاؤنٹیس صاحبہ اور کاتیا دونوں دیہات کی جاگیر پر جانے والی ہیں۔ الیوشا کو ان کے ساتھ جانا چاہئے۔ نتالیا نکولائیونا کو سمجھا دیجئے کہ خیریت اسی میں ہے کہ کوئی خواہ مخواہ کی جھنجھٹ نہ پڑے، کوئی شیلرازم کا روڑا نہ اٹکے اور وہ میری مخالفت نہ کریں۔ میں بڑا انتقامی اور کینہ‌ور آدمی ہوں۔ اپنی ساری کسر نکال لوں گا اور ڈرتا نہیں۔ میں اس لڑکی سے نہیں ڈرتا — بلاشبہ سب کچھ

نوبل کیتھلیں... آپ بالکل اس لبادے والے پاگل کی طرح بیٹی نے بس۔ آپ نے مجھے انسان تک نہیں سمجھا۔''

''بالکل ٹھیک اندازہ کیا آپ نے، میرے نوجوان دوست۔'' اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے سراسر سمجھ لیا۔ خواہ مخواہ بیوڑنی ادیب ہیں آپ۔ مجھے امید ہے کہ ہم دونوں دوستانہ طریقے سے جدا ہو رہے ہیں۔ ہاں تو کیا ایک ساتھ پروڈیسٹنٹ نہ پیئیں گے؟ کیوں؟''

''آپ نشے میں دھت ہیں۔ اسی لئے میں آپ کو وہ جواب نہیں دینا چاہتا جو آپ کو...''

''پھر آپ بات ان کہی چھوڑے دے رہے ہیں۔ بات پوری کیجئے کہ جو آپ کو جواب دینا چاہئے۔ ہا۔ ہا۔ ہا! ظاہر ہے کہ اپنا دل ادا کرنے کی اجازت مجھے نہیں دیں گے آپ!''

''جی نہیں۔ آپ فکر نہ کیجئے۔ میں اپنا حساب خود ادا کروں گا۔''

''ہاں۔ بے شک۔ اچھا تو ہمیں ایک راستے پر تو جانا ہے نہیں؟''

''میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔''

''اچھا۔ رخصت، میرے شاعر۔ امید ہے کہ آپ مجھے جان گئے ہیں...''

وہ چل دیا۔ چلتے وقت قدم ذرا ڈگمگا رہے تھے۔ پھر اس نے میری طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔ پیادے نے اسے سہارا دے کر گاڑی میں سوار کر دیا۔ میں اپنے راستے پر ہو لیا۔ رات کے دو بج چکے تھے۔ بارش ہو رہی تھی۔ رات اندھیری تھی...

چوتھا حصہ

پہلا باب

میں بیان نہیں کر سکتا کہ میرے اندر عناد کی آگ کتنی بھڑک گئی تھی۔ اگرچہ کسی بات کی بھی توقع کی جا سکتی تھی تاہم میں دم بخود رہ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ میرے سامنے اچانک اپنے تمام بھیانک پن کے ساتھ آ گیا ہو۔ ہاں، یاد پڑتا ہے کہ میرے حواس پراگندہ تھے جیسے کسی چیز نے مجھے کچل کر رکھ دیا ہو اور کوئی منحوس عذاب میرے دل کو بڑھ بڑھ کر چبا رہا ہو۔ مجھے نتاشا کی فکر پڑ گئی تھی۔ آگے چل کر اس کے لئے بڑے مصائب کا سامنا نظر آ رہا تھا۔ میں بدحواسی میں سرنگوں تھا کہ آخر کیا کیا جائے جس سے اس مصیبت کو ٹالا جا سکے اور آخری سانحہ پیش آنے تک جو وقت باقی ہے اس میں نتاشا کا دل ہلکا رکھا جا سکے۔ آخری سانحہ پیش آ کے رہے گا اس میں تو شبہ نہیں رہا تھا۔ وہ وقت قریب تھا اور بس اب یہ دیکھنے کو رہ گیا تھا کہ اس کی صورت کیا ہوگی۔

مجھے نہیں معلوم کہ گھر کیسے پہنچا۔ اگرچہ راستے بھر بارش میں بھیگتا گیا تھا۔ صبح کے ۳ بج رہے تھے جب میں پہنچا۔ ابھی میں نے اپنے کمرے کے دروازے پر دستک بھی نہ دی ہوگی کہ مجھے ایک کراہ سنائی دی اور دروازہ کی چٹخنی جھٹ سے کھل گئی گویا نیلی کی آنکھ تک نہیں جھپکی بلکہ اس تمام عرصے میں دروازے پر ہی میرا انتظار کرتی رہی۔ ایک موم بتی بھی روشن تھی۔ میں نے نیلی کی صورت دیکھی اور دیکھتے ہی سہم گیا۔ بالکل چہرہ ہی بدلا ہوا تھا۔ آنکھوں سے تپ کے شعلے نکل رہے تھے اور اس نے ایسی وحشت زدہ نگاہ سے دیکھا جیسے مجھے پہچانتی نہ ہو۔ اسے تیز بخار چڑھا تھا۔

''نیلی، کیا ہوا تمہیں؟ کیا طبیعت خراب ہے؟'' میں نے اس پر جھکتے ہوئے اور اس کے گرد بازو پھیلا کر پوچھا۔

وہ تشنج کے ساتھ بےاختیار مجھ سے چمٹ گئی، جیسے کسی چیز سے سہمی ہوئی ہو، کچھ جیسی جیسی اور اضطراری حالت میں کہنے لگی گویا اسی کا انتظار ہو کہ میں آؤں اور وہ مجھے یہ بتائے۔ میں نے سنا مگر اس کے الفاظ ایسے عجیب سے اور بے ربط تھے کہ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس پر سرسامی کیفیت طاری تھی۔

میں تیزی سے اس کو بستر تک لے گیا مگر وہ مجھ سے چمٹی رہی اور اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ چھوڑتی نہ تھی گویا وہ دہل گئی ہے اور کسی سے پناہ چاہتی ہے۔ بستر پر بھی اسے قرار نہ تھا۔ وہ میرا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی، اسے خوف تھا کہ کہیں میں اسے چھوڑ کر چل نہ دوں۔ میرے حواس بجا نہ تھے اور اعصاب پر اس قدر کشاکش تھی کہ اس کی صورت دیکھتے دیکھتے میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میں خود بےبس تھا۔ جب نیلی نے میرے آنسو دیکھے تو وہ نظر جما کر دیر تک میری صورت تکتی رہی، اس کی نگاہ میں ایسی گہری اور سوز و سازوالی توجہ تھی گویا وہ کسی بات کو ذہن نشین کرنے اور سمجھنے کی کوشش میں ہو۔ صاف نظر آتا تھا کہ بڑی کوشش سے کام لے رہی ہے۔ آخر اس کے چہرے سے کسی خیال کے آثار ظاہر ہوئے۔ عصبی تشنج کے سخت دورے کے بعد عام طور سے وہ کچھ دیر کے لئے خیالات کی ڈور سلجھانے اور الفاظ کو ٹھیک طرح ادا کرنے کے قابل نہیں رہتی تھی۔ فی الحال یہی صورت تھی۔ مجھ سے کچھ کہنے کی سخت جان توڑ کوشش کرنے اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے اس نے اپنا ننھا سا ہاتھ پھیلایا اور میرے آنسو پونچھنے لگی۔ گلے میں باہیں ڈال دیں، مجھے اپنے قریب کھینچ لیا اور پیار کر لیا۔

اب یہ بات صاف تھی کہ جب میں گھر پر موجود نہیں تھا اس وقت نیلی کو دورہ پڑا۔ اور دورہ اس حالت میں پڑا جب وہ دروازے پر کھڑی تھی۔ جب دورہ گزر چکا تو اس کے بعد بھی دیر تک غالباً وہ ہوش میں نہیں آئی۔ ایسے وقت حقیقت اور ہذیان باہم گڈمڈ ہو جاتی تھی۔ ممکن تھا کہ اس نے کسی خوفناک بات کا تصور کیا ہو، بھیانک خواب دیکھا ہو۔ اور عین اسی وقت اسے دھندلا سا خیال ہو کہ میں پھر جلد واپس آنے والا ہوں اور دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور فرش پر دروازے کے پاس پڑے پڑے وہ میری آمد پر ایک دم چونک پڑی ہو اور سنے کی دستک پر اٹھ کھڑی ہوئی ہو۔

”مگر دروازے پر اس کا ہونا کیا معنی؟“ مجھے حسرت ہوئی اور ایک دم میں نے سخت استعجاب سے دیکھا کہ وہ اپنا اوور کوٹ پہنے ہوئے تھی (یہ کوٹ میں نے ابھی کچھ دن پہلے اس بیوپاری عورت سے خریدا تھا جس سے میری جان پہچان تھی اور جو کبھی میرے گھر آجاتی تھی اور کپڑے ادھار دے جاتی تھی)۔ تو مطلب یہ کہ نیلی باہر جانے کو تیار تھی اور تعجب نہیں جو دروازے کی چٹخنی کھول ہی رہی ہو کہ اتنے میں اسے دورہ پڑ گیا۔ آخر وہ جا کہاں رہی تھی؟ ممکن ہے اس وقت بھی اس پر ہذیانی حالت طاری تھی۔

اس دوران میں نیلی کا بخار کم نہ ہوا اور پھر اس کے دماغ کو گرمی چڑھی اور وہ بےہوش ہو گئی۔ میرے یہاں آنے کے بعد سے اب تک اسے دو بار دورہ پڑ چکا تھا، لیکن ہر بار کوئی نقصان پہنچائے بغیر اتر گیا تھا۔ لیکن اس وقت بخار بہت تیز تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے اس کے برابر بیٹھے رہنے کے بعد میں نے کچھ کرسیاں صوفے کے پاس کھینچ لیں اور کپڑے پہنے پہنے دراز ہو گیا تاکہ اگر وہ آواز دے تو آواز سنتے ہی فوراً اٹھ بیٹھوں۔ میں نے چراغ بھی گل نہیں کیا۔ جب تک نیند آئے آئے کئی بار میں نے اس پر نظر ڈال لی۔ نیلی بالکل پیلی پڑ گئی تھی۔ ہونٹوں پر بخار کے مارے پپڑیاں جم رہی تھیں اور خون لگا تھا، شاید غش کھا کے گرنے سے ایسا ہوا ہوگا۔ چہرے پر ابھی تک خوف و دہشت کے آثار طاری تھے اور لگتا تھا کہ سوتے میں بھی دماغ سخت اذیت میں مبتلا تھا۔ میں نے طے کیا کہ ”اگر اس کی حالت سدھر نہ آئی تو صبح ہوتے ہی جلد سے جلد ڈاکٹر کو لاؤں گا۔“ مجھے خطرہ اس بات کا تھا کہ کہیں بخار کی شدت دماغ پر اثر نہ کر جائے۔

”ہو نہ ہو پرنس نے اسے دہشت زدہ کیا ہے!“ مجھے احساس ہوا اور ساتھ ہی مجھے جھرجھری آ گئی جب مجھے پرنس کی کہی یاد آئی اس عورت کے بارے میں جس نے اپنی رقم اس کے منہ پر پھینک ماری تھی۔

دوسرا باب

...دو ہفتے گزر گئے۔ نیلی صحتیاب ہو رہی تھی۔ بخار کا اثر دماغ پر نہیں ہوا تھا۔ مگر بیماری سخت تھی۔ اپریل کے شروع میں ایک روز جب دھوپ کھلی ہوئی تھی، وہ اتنے دن بعد بستر سے اٹھی۔ ایسٹر کے تہوار کا منہ دیکھا۔

مجبوری لڑکی! میں اب اپنی کہانی کو اسی طرح سلسلہ وار بیان نہیں کر سکتا۔ اب جبکہ یہ قصہ بیان کرنے بیٹھا ہوں تو اس کو بیتے بھی بہت زمانہ ہو گیا لیکن اس لمحے بھی مجھے بڑے قلق اور دل مسوس ڈالنے والے غم کے ساتھ یاد آتا ہے کہ ننھا سا ستا ہوا، سانولا چہرہ اور سیاہ آنکھیں کس طرح تجسس اور غور سے ایک جگہ جم کر رہ جاتی تھیں جب ہم دونوں اکیلے تھے اور وہ بستر پر پڑے پڑے بڑی دیر تک پلک جھپکائے بغیر تکتی جیسے جستجو کر رہی ہو کہ اچھا بوجھو، میرے دماغ میں اس وقت کیا ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ میرا قیاس کام نہیں کرتا اور میں الجھا ہوا ہوں وہ نرمی سے مسکرا دیتی گویا آپ ہی آپ مسکرا رہی ہو۔ اور میری طرف ایک دم پتلی سوکھی انگلیوں والا جلتا ہوا ننھا سا ہاتھ بڑھا دیتی تھی۔ اب کیا ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ سب کچھ گزر چکا، سلجھ چکا — لیکن آج تک اس بیمار، مظلوم اور دکھی دل کے راز میری سمجھ سے باہر ہیں۔

لگتا ہے کہ میں اصل موضوع سے ہٹ جا رہا ہوں مگر کیا کروں، اس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ بس نیلی کا ہی تصور کروں۔ عجیب بات ہے کہ اس وقت جبکہ میں اکیلا ہسپتال میں پڑا ہوں، ان سب سے چھوٹ چکا ہوں جن سے بے پناہ اور شدید محبت تھی، اس وقت گزرے ہوئے ان دنوں کا کوئی بہت معمولی سا واقعہ جو سمجھ سے نظرانداز ہو جایا کرتا تھا یا اگر نظر آتا بھی تو کچھ دیر بعد بھول جاتا تھا، ایک دم دماغ کے پردے پر نمودار ہوتا ہے اور بالکل ہی مختلف معنی مطلب ظاہر کرتا ہے، جس سے تصویر مکمل ہو جاتی ہے اور میری سمجھ میں وہ باتیں ٹھیک طرح سے آجاتی ہیں جو میں اب تک نہیں سمجھ سکا تھا۔

جب نیلی بیمار پڑی تو شروع کے چار دنوں میں ڈاکٹر اور

میں، ہم دونوں اس کی طرف سے سخت اندیشے میں مبتلا رہے۔ پانچویں دن ڈاکٹر مجھے ایک طرف لے گیا اور بولا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں، اس کی حالت سنبھل جائے گی۔ یہ وہی ڈاکٹر تھا جس سے میرے اتنے عرصے کے تعلقات تھے — خوش مزاج، شریف اور سنکی سا عمر رسیدہ کنوارا، جسے میں نیلی کی پہلی بیماری پر بلا کر لایا تھا اور اس کے سینے پر یہ بڑا سا اسٹانسلاف تمغہ دیکھ کر نیلی حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"اچھا تو اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں!" میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اس بار تو اس کی حالت سنبھل ہی جائے گی، لیکن وہ زیادہ دن تک بچے گی نہیں۔"

"کیوں نہیں بچے گی؟" میں چیخ پڑا۔ موت کی اس پیش گوئی نے میرے ہوش اڑا دیئے۔

"ہاں، اس لئے کہ اس کا جلد ہی مر جانا یقینی ہے۔ مریض کو دل کا پرانا عارضہ ہے، اور ذرا بھی حالات ناموافق ہوئے تو وہ پھر بستر پر پڑی ہوگی۔ پھر ممکن ہے صحت بحال ہو جائے لیکن دیر تک تندرستی قائم رہ نہیں سکتی۔ وہ پھر بیمار پڑے گی اور بالآخر دنیا سے سدھار جائے گی۔"

"تو کیا اس کو زندہ رکھنے کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی؟ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا!"

"مجبوری ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ناموافق حالات دور کئے جائیں، زندگی میں سکون ہو، ہچکولے نہ ہوں، شادمانی بڑھائی جائے تو موت کو ٹالا جا سکتا ہے اور اس کے سوا بعض ایسے بھی موقع دیکھنے میں آئے ہیں... عجیب، اتفاقیہ اور انوکھے واقعات کہ... مریض کو دل خوشکن حالات کا تار باندھ کر بچا لیا گیا۔ یہ ہو ہے مگر جڑ بنیاد سے مرض نکال دیا جائے — ممکن نہیں۔"

"مگر خدایا، اب کیا کیا جائے؟"

"میرے مشورے پر عمل کیا جائے، پرسکون زندگی بسر کی جائے اور سفوف پابندی سے استعمال کیا جائے۔ میں نے دیکھا کہ یہ لڑکی نخرے کرتی ہے، مزاج میں اس کے استقلال نہیں بلکہ کبھی تو اسے مذاق اڑانے کی سوجھتی ہے۔ اسے پابندی سے سفوف پھانکنا سخت ناپسند ہے اور ابھی ابھی قطعی انکار کر چکی ہے۔"

"ہاں، ڈاکٹر۔ ہے تو واقعی بہت عجیب لڑکی۔ مگر میں جانوں ان تمام باتوں کی وجہ وہ چڑچڑاپن ہے جو اس کے مزاج میں بس گیا ہے۔ کل کی بات ہے کہ وہ سب کہنا مان رہی تھی۔ لیکن آج جب میں اسے دوا دینے لگا تو اس نے چمچے کو ایسے ٹہوکا دیا جیسے اتفاق سے ان جانے میں ہاتھ لگ گیا ہو اور ساری دوا چھلک گئی۔ پھر دوسری دوا میں گھولنا چاہتا تھا تو اس نے ڈبہ ہی میرے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور فرش پر بکھیر کر خود رونے لگی... میں نہیں سمجھتا کہ وہ محض اس پر خفا تھی کہ میں دوا پلانا چاہتا تھا،" دم بھر سوچ کر میں نے کہا۔

"ہوں۔ چڑچڑاپن! بہت دکھ جھیل چکی ہے وہ،" (نیلی کی پوری داستان صاف صاف میں ڈاکٹر کو سنا چکا تھا اور میں نے جو قصہ سنایا تھا اس پر ڈاکٹر کو حیرت بھی بہت ہوئی تھی) "سب کچھ [illegible] ہے۔ اور اس کی بدولت یہ بیماری۔ خیر، فی الحال اگر کچھ کیا جا سکتا ہے تو یہ کہ سفوف کا استعمال رہے۔ وہ سفوف لازمی طور پر پھانکتی رہے۔ میں جا کے ایک بار پھر اسے قائل کرنے کی کوشش کروں گا کہ ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کرنا کتنا ضروری ہے۔ اور... بس یہ کہ دوا پیتی رہے۔"

ہم دونوں باورچی خانے سے نکل آئے (جہاں ہم باتیں کر رہے تھے) اور ڈاکٹر پھر مریضہ کے بستر کے پاس گئے۔ مگر میرا اندازہ ہے کہ ہماری باتوں کی بھنک نیلی کے کان میں پڑ چکی تھی۔ کم سے کم اس نے تکیے سے سر ضرور اٹھایا تھا اور کان ہماری طرف کرکے تمام وقت باتیں سننے کی کوشش ضرور کی تھی۔ ادھ کھلے دروازے کی جھری میں سے میں سب کچھ دیکھ چکا تھا، لیکن جیسے ہی ہم وہاں سے نکل کر اس کی طرف بڑھے تو وہ [illegible] شڑاپ سے بستر میں دبک گئی اور طنزیہ مسکراہٹ سے ہماری طرف دیکھنے لگی۔ بیماری کے چار دنوں میں بچی بہت دبلی ہو گئی تھی۔ آنکھیں دھنس گئی تھیں اور بخار نے اب تک پیچھا نہ چھوڑا تھا۔ اس کی وجہ سے چہرے پر شرارت کی جو تب و تاب آ گئی تھی اور سرکشی کے جو تیور ہو گئے تھے وہ بہت عجیب لگتے تھے اور شہر پیٹرسبرگ کے تمام جرمنوں میں سب سے بھلا آدمی یہ ڈاکٹر بھی اچنبھے میں آ گیا اور اس کا منہ بدحواسی میں تکتا رہ گیا۔

نہایت سنجیدگی سے، لیکن جس قدر ہو سکتا تھا [illegible] دھیما کرکے انہوں نے شفقت سے، نرم دل نشیں انداز میں [illegible] سمجھانا شروع کیا کہ دیکھو جو سفوف تجویز ہوا ہے بہت ضروری ہے اور کارآمد ہے، اور ہر ایک [illegible] کہ وہ نسخے کا استعمال کرے، اس کے [illegible] نیلی سر اٹھا رہی تھی لیکن اچانک، ایسے جیسے محض اتفاق سے اس کا بازو لگ گیا ہو، چمچے کو ٹہوکا دیا اور اس میں جتنی دوا تھی سب کی سب چھلک کر نکل گئی۔ محض [illegible] تھا کہ اس نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔

"بڑی ہی افسوسناک لاپرواہی ہے،" ڈاکٹر نے غصہ کئے بغیر کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ تم نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ خیر... کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہو جائے گا، ہم پھر دوا تیار کرتے ہیں۔"

نیلی ان کے منہ پر ہنس پڑی۔ ڈاکٹر نے نپے تلے انداز میں سر ہلایا۔

"بہت بری بات،" انہوں نے دوسری پڑیا گھولتے ہوئے کہا۔

"بہت، بے حد شرم کی بات۔"

"آپ خفا نہ ہوں،" لیلی نے جواب دیا اور ہنسی کو ضبط کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی "میں اب کی بار دوا ضرور پی لوں گی... لیکن یہ بتائیے، میں آپ کو پسند ہوں؟"

"اگر تم ٹھیک ٹھیک بیوہار کروگی تو میں تمہیں بہت پسند کروں گا۔"

"واقعی بہت زیادہ؟"

"ہاں، ہاں، بہت زیادہ۔"

"تو اب آپ مجھے پسند نہیں کرتے؟"

"اب بھی پسند کرتا ہوں۔"

"اچھا تو اگر میں آپ کو پیار کرنا چاہوں تو آپ مجھے پیار کریں گے؟"

"ہاں، اگر کہنا مانوگی تو۔"

اس پر لیلی ضبط نہ کر سکی اور پھر ہنس پڑی۔

"مریضہ خوش مزاج ہے۔ مگر اس وقت یہ اعصابی کیفیت ہے

اور اسے شرارت سوجھی ہے،، ڈاکٹر نے نہایت سنجیدگی کا منہ بنا کر زیرلب مجھ سے کہا۔

''اچھا یہ بات ہے تو میں دوا ضرور پیئوں گی،، نیلی اپنی کمزور دبی آواز میں ایک دم جلدی سے بولی۔ ''یہ بتائیے کہ جب میں بڑی ہو جاؤں گی تو کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے؟،،

بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اس نئی شرارت کی ایجاد میں اسے خوب لطف آیا ہے۔ آنکھوں میں چمک دوڑ گئی تھی اور ہنسی کے ضبط سے ہونٹ پھڑکنے لگے۔ وہ ڈاکٹر کے جواب کے انتظار میں تھی اور ڈاکٹر حیران اور کچھ بوکھلائے ہوئے تھے۔

''ہاں، ضرور،، انہوں نے اس نئی ترنگ پر بے اختیار مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''ہاں اگر تم اچھی لڑکی نکلیں — تمیزدار، سلیقہ مند اور کہنا ماننے والی لڑکی اور یہ کہ...،،

''یہ کہ میں نئی دوا پینے لگوں؟،، نیلی نے ڈاکٹر کو لقمہ دیا۔

''اوہو، بالکل، یہ کہ دوا پینے لگو۔،، انہوں نے پھر دبی آواز میں مجھ سے کہا، ''بڑی اچھی لڑکی ہے یہ۔ بڑی خوبیاں ہیں، بہت کچھ ہے اس لڑکی میں... خوب، ذہین بات... مگر صاحب، شادی... یہ اچھی سوجھی اس کو...،،

ڈاکٹر نے پھر دوا اس کے نزدیک بڑھائی۔ اس بار نیلی نے کوئی بہانہ نہیں کیا بلکہ سیدھی طرح چمچے کو نیچے سے ٹھوکا دے دیا اور ہاتھ مارتے ہی ساری کی ساری دوا بیچارے ڈاکٹر کی واسکٹ اور چہرے پر لٹ گئی۔ نیلی نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا۔ لیکن اس بار یہ قہقہہ پہلی سی خوش دلی اور چھیڑ کا انداز نہیں رکھتا تھا بلکہ اس کی آنکھوں سے بے رحمی اور پاجی پن کے شرارے نکل رہے تھے۔ اس تمام وقت میں لگتا تھا وہ کوشش کرتی رہی کہ مجھ سے نظر چار نہ ہو اور صرف ڈاکٹر کو ہی مذاق اڑانے والی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتی رہے۔ اس مسکراہٹ میں بھی بہرحال بے قراری چھلک رہی تھی اور اس بات کا انتظار کہ دیکھیں اب یہ بڑے میاں ڈاکٹر آگے کیا کرتے ہیں۔

''اوف! پھر تم نے وہی حرکت کی! کیسی بدقسمتی کی بات ہے! لیکن... میں پھر دوا گھول کے تیار کرتا ہوں اور دیتا ہوں،، بڑے میاں نے اپنا چہرہ اور واسکٹ رومال سے پونچھتے ہوئے کہا۔

نیلی کو اس رویے پر بڑا تعجب ہوا۔ اسے یہ گمان تھا کہ ہم بگڑ جائیں گے اور ناراض ہوکر برا بھلا کہنے لگیں گے، ڈانٹیں ڈپٹیں گے اور شاید آپ سے آپ اس وقت اس کا جی چاہ رہا تھا کہ کوئی بہانہ مل جائے کہ وہ رو سکے، بے قرار ہو کر سسکیاں بھر سکے اور صبح کی طرح پھر دوا پھینک سکے اور جھنجھلا کر کچھ توڑ پھوڑ سکے اور اس طرح کی حرکتیں کرکے اپنا ننھا سا دکھی اور مچلنے والا دل ہلکا کر سکے۔ اس طرح کی چونچلوں والی چھیڑخانی صرف بیماروں میں ہی نہیں ہوتی ہے اور نہ صرف نیلی میں۔ کتنی ہی بار خود میرے ساتھ یہ صورت پیش آئی کہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا ہوں اور جی میں بے اختیار اور بے قرار خواہش اس بات کی ہے کہ کوئی شخص میری توہین کر دے، کوئی بات کہہ کر مجھے ناراض کر دے اور میں اسے اپنی توہین قرار دے کر بگڑ بیٹھوں اور کسی پر اپنا غصہ جی بھر کے نکال لوں۔ عورتیں عام طور سے اسی طرح غصہ نکالتی ہیں، رونے لگتی ہیں، سچ سچ کے آنسو بہا ڈالتی ہیں اور ان میں جو زیادہ جذباتی ہوتی ہیں ان پر تشنج کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ یہ معمولی سا روزمرہ کا قصہ ہے اور اکثر ایسی حالتوں میں پیش آتا ہے جب کسی کے دل میں کوئی غم جما ہوا ہو، ایسا غم جس کے بارے میں کسی کو کچھ پتہ نہیں ہوتا، جسے آدمی ظاہر تو کرنا چاہتا ہے مگر کر نہیں پاتا۔

ڈاکٹر کو حالانکہ وہ سب چکی تھی پھر بھی ان کی فرشتہ صفت رحم دلی اور صبر و سکون سے متاثر ہوکر، نہ وہ زبان سے ملامت کا ایک بھی لفظ نکالے بغیر پھر تیسری بار دوا گھولنے بیٹھ گئے، نیلی ایک دم ٹھنڈی پڑ گئی۔ اس کے ہونٹوں سے وہ مسکراہٹ جس میں طنز و تمسخر تھا، غائب ہوگئی، چہرے پر رنگ دوڑ گیا اور آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے مجھ پر ایک دزدیدہ نگاہ ڈالی اور فوراً ہی دوسری طرف دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر نے دوا بڑھائی۔ اس نے چپ چاپ، شرما کر بڑے میاں کا بھرا ہوا لال ہاتھ تھام لیا اور آہستہ آہستہ ان کے چہرے پر نظر ڈالی۔

''ڈاکٹر صاحب... آپ ناراض ہوں گے... کہ میں کیسی بدتمیز اور بےہودہ ہوں،، اس نے کہنا شروع کیا مگر اس سے پیشتر

کہ وہ بات پوری کر سکتی کمبل میں دبک گئی۔ اپنا سر ڈھک لیا اور زور زور سے سسکیاں لے کر رونے لگی۔

"میری بیٹی روؤ نہیں... کوئی بات نہیں ہوئی۔ بس، اعصاب کی خرابی ہے۔ تھوڑا سا پانی پی لو۔"

مگر نیلی ڈاکٹر کی بات ہی نہیں سن رہی تھی۔

"بس اب چپ ہو جاؤ... اپنے آپ کو ہلکان مت کرو،" وہ کہتے رہے۔ ڈاکٹر اپنی ذات سے بڑے حساس آدمی تھے، خود ان کا دل نیلی پر ترس کھا رہا تھا۔ "میں تمہیں معاف کرتا ہوں اور تم سے شادی کروں گا بشرطیکہ تم اچھی تمیزدار لڑکی کی طرح بات مانو اور..."

"اور دوا پی لوں!" کمبل کے نیچے سے ہلکی سی اعصابی ہنسی کے ساتھ یہ جواب برآمد ہوا۔ کیا ہنسی تھی جس میں گھنٹیاں سی بج رہی تھیں اور جس میں سسکیوں کا شگاف پڑا ہوا تھا۔ وہ ہنسی جو میری اس قدر جانی پہچانی ہے۔

"اچھے دل کی مہربان بچی ہے،" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا اور ان کی آنکھوں میں آنسو آتے آتے رہ گئے۔ "بیچاری بچی!"

اس دن سے نیلی اور ڈاکٹر کے درمیان ایک عجب قسم کا مگر بہت ہی اچھا رشتہ قائم ہو گیا۔ اور اس کے برخلاف میرے ساتھ نیلی میں روزبروز بیزاری، چڑچڑاپن اور جھلاہٹ بڑھتی ہی گئی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس کی توجیہ کیسے کروں اور مجھے اس پر تعجب ہوتا تھا خاص طور سے اس لئے کہ یہ تبدیلی اس قدر اچانک نمودار ہوئی تھی۔ بیماری کے ابتدائی دنوں میں تو وہ خاص طرح میرے ساتھ نرمی اور پیار سے پیش آتی۔ لگتا تھا کہ کبھی مجھ پر سے نظریں نہ ہٹا سکے گی، اپنے پاس سے ذرا اٹھنے نہ دیتی تھی، اپنے نتھے سے تپتے ہوئے ہاتھ میں میرا ہاتھ تھامے رہتی تھی اور مجبور کرتی تھی کہ میں اس کے پاس بیٹھا رہوں۔ وہ اگر دیکھ لیتی کہ اداس یا رنجیدہ ہوں تو بہلانے اور خوش کرنے کی کوشش کرتی، چھیڑ چھاڑ کرتی، مجھ سے شرارت کرتی اور میرا مذاق اڑاتی اور صاف ظاہر ہوتا کہ خود اپنے دکھ کو دبائے ہوئے ہے۔ رتوں کو میرا کام کرنا اسے پسند نہ تھا۔ یا یہ کہ میں جاگ کر اس کی تیمارداری کروں اور اگر میں اس کی بات نہ مانتا تو رنجیدہ ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی

اس کے چہرے پر مجھے فکرمندی کے آثار نظر آتے۔ وہ مجھ سے پوچھ گچھ کرنے لگتی۔ اس بات کی کرید کرتی کہ میں کیوں اداس ہوں اور دماغ کس قصے میں الجھا ہوا ہے۔ لیکن اس پر حیرت ہوتی کہ جب کبھی نتاشا کا نام بیچ میں آجاتا وہ فوراً گفتگو روک دیتی یا ادھر ادھر کی کوئی اور بات چھیڑ دیتی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے نتاشا کا ذکر ناپسند ہے اور اس سے مجھے بڑی حیرت ہوتی تھی۔ میں گھر میں قدم رکھتا تو وہ خوش ہو جاتی تھی لیکن ادھر میں نے ٹوپی اٹھایا باہر جانے کو اور اس نے مجھے اداسی سے دیکھا، بلکہ عجیب نظر سے اور نگاہوں سے میرا پیچھا کرتی جیسے گویا ملامت کر رہی ہو۔

اس کی بیماری کا وہ چوتھا دن تھا کہ رات گئے تک میرا وقت نتاشا کے ہاں گزرا۔ بلکہ آدھی رات کے بعد بھی میں وہیں اٹک گیا۔ ہمیں آپس میں بہت سی باتیں کرنی تھیں۔ جب میں گھر سے باہر جانے لگا تو میں نے اپنی مریضہ سے کہا کہ دیکھو، میں جلدی ہی لوٹ آؤں گا۔ خود میرا اندازہ بھی تھا کہ واپسی جلدی ہوگی۔ مجبوری سے جب مجھے نتاشا کے ہاں ٹھہر ہی جانا پڑا تو نیلی کے بارے میں فکر یا پریشانی نہیں ہوئی کیونکہ نیلی کو میں نے گھر پر اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ الکساندرا سیمیونوونا اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ مسلوبویف یوں ہی دم بھر کو مجھ سے ملنے چلا آیا تھا۔ اس کی زبانی نیلی کی بیماری کا حال اور یہ کہ مجھے اور بہت سی فکریں ہیں اور میں تن تنہا ہوں، الکساندرا سیمیونوونا کو معلوم ہو گیا۔ واہ کیا نیک دل اور ہاتھ بٹانے والی عورت تھی، الکساندرا سیمیونوونا!

"اچھا تو مطلب یہ کہ اب وہ ہمارے ہاں شام کے کھانے پر نہیں آئیں گے!.. خدا رحم کرے ان کے حال پر! اور بیچارے بالکل تن تنہا ہیں۔ کوئی یار و مددگار نہیں ہے کسی کا۔ خیر، یہ ایک موقع ہے کہ ہم اپنی ہمدردی دکھائیں۔ یہ موقع غنیمت ہے، اسے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے۔"

فوراً وہ میرے مکان پر وارد ہو گئی اور اپنے ساتھ گاڑی میں ڈھیر کا ڈھیر سامان لاد کے لائی۔ آتے ہی پہلی بات جو اس کے منہ سے نکلی یہ تھی کہ اب وہ یہیں ٹھہرے گی اور مشکل کے وقت میری مدد کرنے آئی ہے۔ اس نے گٹھری کھول ڈالی۔ اس میں

شربت تھے، اچار مربے تھے جو بیمار کے فوراً کام آ سکتے تھے، جوڑے اور مرغی تھی کہ اگر حالت سدھری ہو تو وہ بیمار کی غذا میں استعمال ہو سکیں، سیب تھے آنچ پر دم دینے کے لئے۔ رنگترے تھے۔ ڈیف کے خشک مربے تھے (بشرطیکہ ڈاکٹر کی طرف سے ان کی اجازت ہو)۔ اور آخر میں نقلی ریشم کے کپڑے، بستر کی چادریں، کھانے کی میز کے رومال، رات کے گون، پٹیاں، گدیاں، یعنی پورے ہسپتال کا سازوسامان۔

"ہمارے ہاں سب سامان موجود ہے!" اس نے جلدی جلدی اضطراب کے ساتھ بولتے ہوئے کہا گویا کہیں کی جلدی پڑی ہو۔ "اب آپ تو ٹھاٹ جوانیا زندگی بسر کر رہے ہیں، کنواروں کی سی۔ آپ کے پاس تو یہ گرہستی نکلنے سے رہی۔ تو مہربانی کرکے مجھ کو اجازت دیجئے... اور آپ کے فلپ فلیپچ کی یہی مرضی ہے۔ ہاں تو اب کیا ہے... جلدی کیجئے... جھٹ پٹ!.. اب مجھے کیا کرنا ہے: کیسی طبیعت ہے لڑکی کی؟ ہوش میں ہے نا؟ اوہو، کس قدر بےآرامی رہی ہوگی اسے۔ تکیہ تو میں ابھی لگائے دیتی ہوں تا کہ ذرا سر نیچا رہے۔ کیا خیال ہے آپ کا... چمڑے کا تکیہ ٹھیک نہیں رہےگا، کیا؟ چمڑے کا تکیہ زیادہ ٹھنڈا رہتا ہے۔ ہائے، میں بھی کیسی بےوقوف ہوں! خیال ہی نہ آیا کہ چمڑے کا تکیہ لیتی چلوں۔ خیر، اب جاتی ہوں اور دم کے دم میں لے آتی ہوں... کیوں کیسا رہےگا، آگ نہ جلا لوں؟ میں اپنی بڑی بی کو آپ کے پاس بھیج دوں‌گی۔ ایک بڑی بی سے میری جان پہچان ہے۔ آپ کے ہاں کوئی نوکرانی بھی تو نہیں ہے۔ ہے نا؟ اچھا تو مجھے اب کیا کرنا ہے؟ یہ کیا دھرا ہے؟ جڑی بوٹیاں؛ تو کیا ڈاکٹر نے نسخے میں لکھی ہیں؟ شاید ان جڑی‌بوٹیوں کا جوشاندہ بنتا ہوگا۔ خیر، میں اب چولہے کی آگ جلائے دیتی ہوں۔"

مگر میں نے اسے ٹھنڈا کیا اور اسے اس بات پر حیرت بھی ہوئی بلکہ افسوس بھی کہ پہل کرنے کو بہت کم نہیں ہے۔ پھر بھی اس نے ہمت نہیں چھوڑی۔ نیلی سے تو آتے ہی اس نے دوستی بنا لی اور جب تک نیلی بیمار پڑی رہی اس نے میرا بڑا ہاتھ بٹایا۔ قریب قریب روزانہ اس کی آمد ایک معمول ہو گئی تھی۔ اور اس کا انداز ہمیشہ کچھ اس طرح کا ہوتا تھا جیسے

کوئی شے گم ہو گئی ہو، کوئی کام بگڑ گیا ہو اور انہیں اسے درست کرنے کی جلدی پڑی ہو۔ اور ہمیشہ یہ بخ لگا دیتی تھی کہ فلپ فلیپچ کی مرضی یوں ہے۔ نیلی کو الکساندرا سیمیونوونا بہت اچھی لگی۔ دونوں میں ایسی رسم پڑ گئی جیسے آپس میں بہنیں ہوں اور میرا تو قیاس ہے کہ یہ خاتون اتنی ہی بچی تھیں جتنی خود نیلی۔ وہ اسے ادھر ادھر کے قصے کہانیاں سناتی اور اس کا جی بہلاتی اور جب وہ اپنے گھر چلی جاتی تو نیلی کو اس کی کمی کھلتی تھی۔ جب وہ پہلی بار ہمارے ہاں وارد ہوئی ہے تو بیمار بچی کو عجیب سا لگا لیکن اسے اپنا خیال دوڑانے میں دیر نہیں لگی کہ بن بلائی مہمان کس غرض سے آئی ہے۔ اور حسب‌معمول وہ بگڑ گئی۔ اس نے پیچ وتاب کھایا، منہ کو تالا لگا لیا اور بےمروتی سے پیش آئی۔

"کیوں آئی تھیں یہ ہمارے ہاں؟" نیلی نے الکساندرا سیمیونوونا کے چلے جانے کے بعد ناگواری کے انداز میں سوال کیا۔

"تمہارا ہاتھ بٹانے اور دیکھ بھال کرنے آئی تھیں وہ تو۔"

"مگر کیوں؟ کس لئے؟ میں نے ان کی اس طرح کی کوئی خدمت نہیں کی۔"

"اچھے دل کے لوگ اس بات کی راہ نہیں دیکھتے کہ اور لوگ پہلے ان کے کام آ چکے ہوں، تب وہ دوسروں کے کام آئیں۔ وہ تو بس وقت ضرورت دوسروں کی مدد کرنا چاہتے ہیں بغیر اپنی غرض کے۔ نیلی، سنو، دنیا میں بہتیرے ہمدرد لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ ایسوں سے تمہارا واسطہ نہیں پڑا اور جب تمہیں ان کی ضرورت تھی وہ تمہیں نہیں ملے۔"

نیلی نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں اس کے پاس سے چل دیا۔ مگر کوئی پندرہ منٹ بعد اس نے مجھے آواز دی۔ آواز میں نقاہت تھی۔ مجھے کو کچھ مانگا اور گرمجوشی کے ساتھ وہ مجھ سے لپٹ گئی، میرے سینے پر سر رکھ دیا اور دیر تک اپنے پاس سے ہلنے نہیں دیا۔ دوسرے دن جب الکساندرا سیمیونوونا آئی تو پرمسرت تبسم کے ساتھ نیلی نے اس کو خوش آمدید کہا اگرچہ اب بھی اس میں اس کی طرف سے جھجک باقی تھی۔

یہ اس دن کا ذکر ہے جب میں نے رات گئے تک سارا وقت نتاشا کے ہاں گزارا۔ میں گھر بہت دیر سے پہنچا۔ نیلی سوچکی تھی۔ الکساندرا سیمیونوونا کو بھی نیند آ رہی تھی مگر وہ اب تک مریضہ کے پاس بیٹھی میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ فوراً اس نے جلدی جلدی کنسر پھسر کرکے مجھے بتانا شروع کیا کہ نیلی اول اول مگن تھی، خوب قہقہے لگا رہی تھی لیکن بعد میں اداس ہو گئی۔ جب میں گھر نہیں پہنچا تو اس بات پر وہ چپ چپ سی ہو گئی اور فکر میں پڑ گئی۔ "اس کے بعد نیلی نے سر درد کی شکایت کی، رونے لگی اور ایسی سسکیاں بھریں کہ خود میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں اس کا"، الکساندرا سیمیونوونا نے بتایا۔ "وہ مجھ سے نتالیا نکولائیونا کے بارے میں باتیں کرنے لگی مگر میں اس سلسلے میں اسے کچھ نہ بتا سکی۔ سوالات تو اس نے بند کر دئیے مگر روتی رہی اور روتے روتے سو گئی۔ اچھا، اب خداحافظ، ایوان پتروویچ۔ اب اس کی حالت بہتر ہے۔ مجھے صاف نظر آ رہا ہے اور اب گھر جانا چاہئیے۔ فلپ فلیپچ نے مجھ سے اسے کو کہہ دیا تھا۔ آپ کے سامنے مانتی ہوں کہ انہوں نے اس بار صرف دو گھنٹے کو آنے دیا تھا لیکن میں اپنی مرضی سے ٹھہر گئی۔ خیر، آپ اس کا خیال نہ کیجئے اور میری طرف سے فکر میں مت پڑئیے۔ وہ مجھ سے ناراض ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے... غالباً صرف اتنا ہے کہ... اوہ توبہ، ایوان پتروویچ، بتائیے تو میں کیا کروں — وہ روزانہ نشے میں دھت گھر لوٹنے لگے ہیں! کوئی معاملہ ہے جس میں الجھے ہوئے ہیں، مجھ سے بات تک نہیں کرتے، پریشان نظر آتے ہیں۔ کوئی خاص دم ان کے دماغ پر سوار ہوا ہے۔ مجھے صاف نظر آتا ہے۔ لیکن روزانہ رات کو شراب چڑھی رہتی ہے۔ اس وقت جو فکر ہے مجھے کہ وہ اس بات کی کہ اگر وہ گھر آئے ہوں گے تو انہیں بستر پر کون لٹائے گا؟ اچھا تو بس چلی، میں چل دی! خداحافظ، ایوان پتروویچ۔ میں یہاں آپ کی کتابوں سے بھی الجھتی رہی ہوں... وہ کتنی بہت سی کتابیں ہیں۔ ان میں بڑی سمجھ کی باتیں ہوں گی۔ اور ایک میں بے وقوف ہوں کہ

کچھ بھی نہیں پڑھا... اچھا، تو اب کل تک کے لئے رخصت۔"

لیکن دوسرے دن صبح کو نیلی بیدار ہوئی تو اس کی طبیعت گری گری اور اداس تھی۔ مشکل سے ہی اس نے میری کسی بات کا جواب دیا۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی جیسے مجھ سے سچ مچ ناراض ہو۔ البتہ کئی بار میں نے اس کو اپنی طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پکڑا۔ گویا یہ نگہ غلط انداز تھی۔ وہ جس نظر سے مجھے دیکھتی تھی اس میں بہت کچھ غم چھپا ہوا تھا اور دل میں کھبا ہوا۔ مگر اس کے سوا ایک نرم نگاہی بھی تھی کہ اس وقت جب وہ سامنے سے سیدھی طرح نظر چار کرتی تھی اتنی نمایاں نہ ہوتی تھی۔ اسی روز ڈاکٹر کے ساتھ وہ دوا پھینکنے اور الٹنے کا واقعہ پیش آیا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا سوچوں۔

مگر نیلی میری طرف سے بالکل ہی بدل گئی۔ اس کے عجیب طور طریقے، اس کے ناز نخرے، اور بعض اوقات مجھ سے اس کی قریب قریب نفرت اس دن تک جاری رہی جب تک وہ میرے پاس سے چلی نہ گئی۔ یہاں تک کہ وہ آخری سانحے کا دن آ پہنچا جس نے ہماری ساری داستان ہی تمام کردی۔ خیر اس کے بارے میں بعد میں کہوں گا۔

البتہ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ گھنٹے آدھ گھنٹے کو وہ میرے ساتھ اسی جذبے کے ساتھ پیش آنے لگتی جو پہلے پایا جاتا تھا۔ ایسے لمحوں میں اس کی نرم نگاہی اور گھلاوٹ دگنی ہو جاتی اور اکثر ایسے وقت وہ تڑپ کے رو دیا کرتی تھی۔ مگر جب ہی یہ لمحے گزر جاتے اور وہ پہلے کی طرح پھر غم کی آغوش میں نڈھال ہو کر گر پڑتی اور پھر مجھے غصے بھری نظر سے دیکھتی یا اسی طرح جھلانے لگتی جیسے ڈاکٹر کے ساتھ کیا تھا، یا ایک دم یہ دیکھ کر کہ میں اس کی کسی شرارت سے بیزار ہوں وہ ہنسنا شروع کر دیتی اور ہمیشہ اس طرز عمل کا انجام آنسوؤں پر ہوا کرتا تھا۔

ایک بار وہ الکساندرا سیمیونوونا سے بھی جھگڑ پڑی اور بولی کہ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہئے۔ اور جب میں الکساندرا سیمیونوونا کی موجودگی میں اسے ڈانٹنے لگا تو وہ بگڑ گئی، بپھرے ہوئے غصے سے پھٹ کر اس نے مجھے سخت جواب دے دے

اور پھر ایک دم چپ ہو گئی اور ایسی چپ لگائی کہ دو دن تک کسی سے بات‌چیت بھی نہیں کی، دوا نہیں پی، کھانے پینے تک سے انکار کردیا۔ آخر وہی بڑے میاں ڈاکٹر اسے راہ پر لائے اور وہ اپنے کئے پر پچھتائی۔

یہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ دو والے واقعے کے بعد سے نیلی اور ڈاکٹر کے درمیان تعجب‌خیز قسم کا دلی ربطہ شروع ہو گیا تھا۔ نیلی ان سے محبت کرنے لگی تھی اور ان کی آمد سے پہلے چاہے کتنی ہی غمزدہ کیوں نہ ہو، لیکن ان کا خیرمقدم کرتے وقت اس کے چہرے پر خوشی بھری مسکراہٹ پھیل جاتی تھی۔ خود ڈاکٹر کا معاملہ یہ تھا کہ بڑے میاں ہمارے ہاں روز ایک پھیرا اور کبھی دن میں دو دو پھیرے کرنے لگے۔ جب نیلی کی صحت قریب قریب ٹھیک ہو گئی اور وہ اٹھنے بیٹھنے لگی، تب بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ڈاکٹر پر اس نے ایسا منتر پھونکا تھا کہ وہ ایک دن بھی اس سے اپنا مذاق اڑوائے اور قہقہے سنے بغیر نہیں کاٹ سکتے تھے اور اس سے خوب لطف اندوز ہوتے۔ نیلی کے لئے ڈاکٹر نے تصویری رسالے لانے شروع کردئے جو ہمیشہ تعلیمی یا اصلاحی قسم کے ہوتے تھے۔ ایک تو خاص طور سے اسی کے لئے خریدا گیا تھا۔ بعد میں ڈاکٹر اس کے لئے خوبصورت ڈبوں میں بند مٹھائی کی گولیاں، چاکلیٹ وغیرہ لانے لگے۔ ایسے موقعوں پر ڈاکٹر کی آمد میں خاص تقریب کی سی شان ہو جاتی تھی، جیسے یہ ان کی سالگرہ کا موقع ہو اور نیلی فوراً سمجھ لیتی تھی کہ وہ تحفہ لئے ہوئے آئے ہیں۔ وہ خود سے تحفے کی نمائش نہ کرتے بلکہ خوامخواہ ہنستے ہوئے نیلی کے پاس بیٹھ جاتے اور شروع اشاروں میں کہنا شروع کرتے کہ اگر ایک خاص ایسی اور ویسی لڑکی ٹھیک طرح کا برتاؤ کرنا سیکھ لے اور میری غیرحاضری میں بھی قابل تعریف رویے سے پیش آنے لگے تو بس اس لڑکی کو ایک اعلیٰ درجے کے انعام کا مستحق سمجھا جائے گا۔ اس تمام گفتگو کے دوران وہ اس قدر مہربانی اور نیک‌دلی کے ساتھ اسے دیکھتے کہ گرچہ نیلی صاف صاف ان کے منہ پر ہنستی تھی لیکن اس کی روشن آنکھوں سے خلوص میں ڈوبا ہوا جذبہ' محبت ظاہر ہو ہی جاتا تھا۔ آخر میں بڑے میاں نہایت ادب آداب کے ساتھ کرسی سے اٹھتے، مٹھائی کا ڈبہ نکالتے اور نیلی کے حوالے کرتے

ہوئے یہ ضرور کہتے ’’اپنی ہونے والی اور جیتی جاگتی بیوی کے لئے...‘‘ یہ کہتے وقت غالباً وہ خود نیلی سے بھی زیادہ خوش ہوتے تھے۔

اس کے بعد ان دونوں کی باتیں شروع ہوتیں اور ہر بار ڈاکٹر صاحب بہت شدت کے ساتھ اور مشورے کے طور پر اس بات پر زور دیتے کہ وہ اپنی صحت کا خیال رکھے اور اسے خاص ڈاکٹری نصیحتیں کیا کرتے۔

’’سب سے مقدم بات یہ ہے کہ آدمی کو اپنی تندرستی کا خیال کرنا چاہئے،‘‘ وہ کٹر عقیدے کے طور پر بیان کرتے۔ ’’زندہ رہنے کے لئے سب سے پہلے اور سب سے لازم یہی ہے اور دوسرے یہ کہ ہمیشہ آدمی کی تندرستی بنی رہے اور اس کی بدولت زندگی کی خوشیاں میسر ہوں۔ میری پیاری بچی، اگر تمہارے دل کو غموں کا روگ لگا ہو تو انہیں بھول جاؤ یا کم‌ازکم اتنا کرو کہ ان کی طرف دھیان مت دیا کرو... اور اگر غم نہیں ہیں، تو... خیر، تب بھی ان کی طرف دھیان جانا نہیں چاہئے بلکہ صرف خوشگوار باتوں کو ذہن میں لانا چاہئے... یعنی ہلکی پھلکی، طبیعت کو مگن رکھنے والی باتیں...‘‘

’’اور میں کن خوشگوار اور ہلکی پھلکی چیزوں کا خیال کروں؟‘‘ نیلی نے سوال کیا اور ڈاکٹر صاحب لاجواب ہوکر رہ گئے۔

’’ہاں... کوئی بھی بچکانہ کھیل جو تمہارے سن کے مطابق ہو... یا پھر، بس ایسی ہی کوئی چیز، اس کے بارے میں دھیان کیا کرو...‘‘

’’میں کھیل کود پسند نہیں کرتی، مجھے نہیں چاہئے،‘‘ نیلی نے جواب دیا۔ ’’اس سے تو اچھی نئی فراکیں ہیں۔‘‘

’’نئی فراکیں! ہوں، یہ کوئی بہت اچھی بات نہیں ہے۔ ہر چیز میں ہمیں اعتدال سے کام لینا چاہئے۔ بہرحال... یہ بھی ہو سکتا ہے... نئی فراکوں کے شوق میں کوئی ہرج نہیں ہے۔‘‘

’’اچھا تو جب میں آپ سے شادی کروں‌گی تو آپ مجھے بہت سی فراکیں بنوا دیں‌گے؟‘‘

’’کیا سوجھی ہے!‘‘ ڈاکٹر صاحب نے کہا اور وہ ترش ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ نیلی شرارت سے مسکرائی اور ایک بار ذرا دیر کو اپنی طرف سے غافل ہوکر اس نے مسکرا کر مجھے بھی...

نظر بھر کے دیکھا۔ "بہرحال ایک سوٹ تو تمہیں دوں گا بشرطیکہ تم اپنے طور طریقوں سے اس کی مستحق ٹھیرو۔"

"اور جب آپ سے شادی ہو جائے گی تو کیا مجھے روز روز دوا پابندی سے پینی پڑے گی؟"

"تب ممکن ہے تمہیں تھوڑی دیر کے لئے دوا پینے سے نجات ہو جائے"، ڈاکٹر اس پر مسکرانے لگے۔

نیلی نے اپنے قہقہے سے بات چیت کا سلسلہ توڑ دیا۔ بڑے میاں بیوی اس کے ساتھ ہنسے اور بڑے چاؤ سے اسے لطف لیتے دیکھتے رہے۔

"بہت کیلنڈرا ذہن ہے!"، انہوں نے میری طرف مڑ کر کہا۔ "پھر بھی اس میں چوچلوں کی اور ایک خاص طرح کی ترنگوں اور جھلاہٹ کی علامتیں موجود ہیں۔"

ڈاکٹر بجا کہتے تھے۔ مجھے ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اس لڑکی کو ہو کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ بالکل اس کی مرضی ہی نہیں ہے مجھ سے بات کرنے کی، گویا میں نے کسی طرح کا کوئی قصور کر دیا ہو اس کے سلسلے میں۔ اس بات سے مجھے بڑا رنج ہوتا تھا۔ میں خود بھی دکھی ہو گیا اور ایک بار تو سارے دن میں نے اس سے بات ہی نہیں کی لیکن دوسرے دن خود اپنی جگہ شرمندہ ہوا۔ اکثر وہ رویا کرتی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیسے تسلی دوں۔ آخر ایک موقع ایسا آیا کہ اس نے اپنی چپ توڑ دی۔

تیسرے پہر کا وقت تھا، دن چھپنے سے ذرا پہلے میں گھر واپس آیا اور دیکھا کہ نیلی نے جلدی سے کوئی کتاب تکئے کے نیچے چھپائی۔ یہ میرا ناول تھا جو اس نے میز پر سے اٹھا لیا تھا اور میری غیرحاضری میں پڑھ رہی تھی۔ بھلا اسے مجھ سے چھپانے کی کیا ضرورت پڑی؟ "جیسے جیسے جھینپ گئی ہو"، میں نے دل ہی دل میں سوچا مگر کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے وہ سمجھ جائے کہ میں نے تاڑ لیا ہے۔ کوئی پندرہ منٹ بعد جب میں باورچی خانے میں منٹ بھر کو گیا وہ جلدی سے بستر سے کودی اور ناول کو وہیں رکھ دیا جہاں رکھا ہوا تھا۔ جب میں باورچی خانے سے نکلا تو دیکھتا کیا ہوں کہ کتاب وہیں میز پر رکھی ہے۔ ایک منٹ بعد اس نے مجھے آواز دی۔ اس کی آواز میں جذبات کی

جھنکار تھی۔ پچھلے چار دن میں شاید ہی اس نے مجھ سے کوئی بات کی ہوگی۔

"کیا آپ... آج... جائیں گے نتاشا سے ملنے؟" اس نے مجھ سے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ہاں نیلی، آج اس سے ملنے جانا بہت ضروری ہے۔"

نیلی منٹ بھر چپ رہی۔

"کیا آپ... ان سے بہت... بہت محبت کرتے ہیں؟" اس نے پھر مری ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"ہاں، نیلی بہت محبت۔"

"میں بھی ان سے محبت کرتی ہوں" اس نے دھیمے سے کہا۔ پھر وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"میں ان کے پاس جانا چاہتی ہوں اور وہیں رہنا چاہتی ہوں"، نیلی نے دبی نگاہ سے مجھے دیکھتے ہوئے پھر بات کا سلسلہ اٹھایا۔

"یہ ناممکن ہے، نیلی"، میں نے چونک کر جواب دیا۔ "تو کیا تم مجھ سے اس قدر بےزار ہو؟"

"کیوں ناممکن کیوں؟"، وہ بالکل سرخ ہو گئی۔ "آپ خود ہی تو مجھے اس پر راضی کر رہے تھے اور منا رہے تھے کہ میں جا کر ان کے باپ کے یہاں رہوں۔ مگر میں وہاں جانا نہیں چاہتی۔ کیا نتاشا کے پاس نوکرانی ہے کوئی؟"

"ہاں۔ ہے تو۔"

"تو پھر وہ نوکرانی کو الگ کردیں اور میں ان کے گھر کام کروں گی۔ ان کی خاطر جو کچھ کر سکتی ہوں کروں گی اور پیسے بھی نہیں لوں گی۔ میں ان سے پیار کروں گی اور ان کا باورچی خانے کا کام دھندا کیا کروں گی۔ آج ہی آپ ان سے کہہ دیجئے۔"

"مگر آخر کیوں؟ یہ کیا سوجھی ہے تم کو، نیلی، اور تم نے نتاشا کے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ تمہیں اپنی باورچن بنالے پر راضی ہو جائیں گی؟ اگر تمہیں اپنے پاس رکھنا ہی ہے تو اپنی برابر کی حیثیت سے رکھیں گی یعنی چھوٹی بہن بنا کر۔"

"نہیں، نہیں۔ میں برابر کی حیثیت نہیں چاہتی۔ یہ صورت مجھے منظور نہیں..."

"مگر کیوں؟"

نیلی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے جیسے اب رو پڑے گی۔

"وہ آدمی جس سے اسے محبت ہے اب سے چھوڑ کر چل دینے والا ہے اور دغا دے جائے گا۔ ہے نا؟" آخرکار اس نے پوچھا۔

میں سٹپٹا گیا۔

"مگر تمہیں کس بات سے یہ خیال پیدا ہوا؟"

"آپ نے خود ہی تو اس کے بارے میں مجھے سب کچھ بتایا اور پھر پرسوں الکسندرا سیمیونوونا کے شوہر یہاں صبح کو آئے تھے میں نے ان سے بھی پوچھ لیا — انہوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔"

"کیا معنی؟ کیا سلوبوتیف صبح کو یہاں آیا تھا؟"

"جی ہاں، آئے تھے،" اس نے آنکھیں جھکا کر جواب دیا۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ وہ آیا تھا؟"

"معلوم نہیں کیوں......"

میں نے خیال دوڑایا۔ "خدا جانے اس میں کیا راز ہے کہ یہ شخص سلوبوتیف پراسرار طریقے پر یہاں آنے جانے لگا ہے۔ اس لڑکی سے آخر کس قسم کے مراسم پیدا کئے ہیں اس نے؟ جاکے اس سے ملنا چاہئے،" میں نے سوچا۔

"اچھا، خیر، تو تمہیں نیلی اس سے کیا لینا، اگر وہ نتاشا کو دغا دے تو؟"

"مگر آپ کو ان سے اس قدر محبت ہے،" نیلی نے میری طرف نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔ "اور اگر آپ انہیں اتنا چاہتے ہیں تو ان سے شادی کر لیں گے، جب دوسرا مرد چلا جائے گا۔"

"نہیں، نہیں، نیلی، یہ بات نہیں۔ وہ مجھ سے اس طرح محبت نہیں کرتی جیسے میں کرتا ہوں۔ اور... میں... نہیں، یہ بات نہیں ہو سکتی، نیلی۔"

"میں آپ دونوں کے ہاں نوکرانی کی حیثیت سے کام کروں گی اور آپ خوش خوش زندگی بسر کریں گے،" نیلی نے گویا سرگوشی کے انداز میں جواب دیا اور مجھ سے آنکھیں تک چار نہیں کیں۔

"اس لڑکی کو ہو کیا گیا ہے؟ آخر کیا معاملہ ہے؟" میں نے جی ہی میں سوچا اور دل پر گھونسہ سا لگا۔ نیلی خاموش ہو

گئی اور پھر رات تک اس نے ایک لفظ بھی مجھ سے نہیں کہا۔ جب میں گھر سے جانے لگا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور رات گئے تک روتی رہی جیسا کہ بعد میں الکسندرا سیمیونوونا نے مجھے بتایا۔ روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ رات کو بھی وہ روئی اور سوتے میں کچھ بڑبڑائی۔

مگر اس دن کے بعد سے وہ اور گم سم رہنے لگی اور خاموش ہو گئی۔ مجھ سے اس نے بولنا چالنا ہی بند کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ دو تین بار اپنے اوپر اس کی دزدیدہ نگاہ پکڑی اور اس میں بھی اس قدر نرمی اور گھلاوٹ تھی! لیکن یہ کیفیت پائدار نہ تھی۔ اتفاقیہ گھلاوٹ کے لمحوں کے ساتھ ہی یہ نوجہ بھی ختم ہو جاتی۔ اور گویا اسی جذباتی کیفیت کی ضد میں نیلی ہر ساعت اور غمزدہ ہوتی چلی گئی، اور تو اور ڈاکٹر کے ساتھ بھی اس کا رویہ بدل گیا۔ اس تبدیلی پر خود ڈاکٹر کو حیرت ہوئی۔ اسی عرصے میں نیلی کی صحت قریب قریب بحال ہو گئی تھی اور آخر میں ڈاکٹر صاحب نے بھی اسے کھلی ہوا میں چلنے پھرنے کی اجازت دے دی تھی مگر بہت تھوڑی دیر کے لئے۔ موسم کھلا ہوا، روشن اور گرم ہو چلا تھا۔ یہ ایسٹر کا ہفتہ سا جو اس سال کافی دیر سے آیا*۔ میں صبح کو گھر سے نکل گیا۔ نتاشا کے ہاں پہنچنا ناگزیر تھا لیکن ارادہ کر کے گیا تھا کہ جلدی ہی گھر لوٹ آؤں گا تاکہ نیلی کو باہر گھمانے لے جاؤں۔ اتنی دیر کے لئے میں اسے گھر پر اکیلا چھوڑ گیا۔

میں بیان نہیں کر سکتا کہ واپسی پر گھر میں کیسی کاری ضرب میرے انتظار میں تھی۔ جلدی جلدی میں گھر آیا۔ دروازے پر کیا دیکھتا ہوں کہ چابی تالے کے باہر اٹکی ہوئی ہے۔ اندر قدم رکھا — سناٹا تھا۔ اندیشوں کے مارے میں دم بخود رہ گیا۔

---

* بڑے روزوں کا آخری ہفتہ۔ بڑے روزوں اور ایسٹر کا تعین قمری کیلنڈر کے مطابق ہوتا ہے اس لئے مختلف سالوں میں وہ مختلف وقت پر آتے ہیں۔ یہ تہوار موسم بہار میں پہلے پورے چاند کے بعد کے اتوار کو منایا جاتا ہے (پرانے کیلنڈر کے مطابق ۲۲ مارچ سے ۲۵ اپریل تک)۔ (ایڈیٹر)

میز پر ایک پرزہ نظر آیا جس پر پنسل سے بڑے بڑے ناموزوں خط میں لکھا تھا:

"میں آپ کو چھوڑ کر جا رہی ہوں اور اب آپ کے ہاں کبھی واپس نہ آؤں گی۔ لیکن آپ سے محبت بہت کرتی ہوں۔ آپ کی مخلص، نیلی۔"

میرے منہ سے وحشت کے مارے چیخ نکل گئی اور میں مکان سے باہر دوڑا۔

چوتھا باب

اس سے پہلے کہ میں سڑک پر پہنچ سکوں اور سوچ سکوں کہ اب کیا کرنا ہے، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک گھوڑا گاڑی آکے ہمارے دروازے کے پاس رکی۔ اس میں سے الکساندرا سیمیونوونا نیلی کا بازو تھامے ہوئے اتری۔ وہ اسے ایسی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی گویا اسے خطرہ ہو کہ کہیں پھر وہ بھاگ نہ جائے۔ میں ان دونوں کی طرف لپکا۔

"نیلی یہ کیا حرکت ہے! تم کہاں چلی گئی تھیں۔ گئیں کیوں؟" میں نے چیخ کر کہا۔

"ذرا صبر کیجئے۔ اتنا بےقرار ہونے کی ضرورت نہیں۔ اوپر چلیں پہلے۔ تب آپ سب سن لیں گے اس کے بارے میں" الکساندرا سیمیونوونا ہڑبڑا کر بولی۔ "میں جو آپ کو بتانے والی ہوں ایوان پتروویچ" انہوں نے راستے میں میرے کان میں جلدی جلدی کہا "ایسی بات کہ آدمی تعجب میں رہ جائے... آئیے آپ کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔"

اس کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ وہ کوئی بہت ہی اہم خبر لے کر آئی ہے۔

"جاؤ، چلو نیلی۔ تم جاکے ذرا لیٹ جاؤ" الکساندرا سیمیونوونا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس سے کہا۔ "تم تھک گئی ہو، جانو۔ کوئی اتنی دور تک دوڑنا مذاق تو ہے نہیں اور وہ بھی بیماری کے بعد۔ لیٹ جاؤ پیاری، ذرا آرام کر لو۔ ہم ذرا دیر کو کمرے سے باہر جائیں گے، اس کے آرام میں خلل نہیں ڈالیں گے۔ اچھا ہے وہ ذرا سو لے۔"

اس نے مجھے آنکھ کا اشارہ کیا کہ اس کے پیچھے پیچھے باورچی خانے میں چلا آؤں۔

مگر نیلی بستر پر لیٹی نہیں۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔

ہم باورچی خانے میں چلے گئے اور الکساندرا سیمیونوونا نے اختصار سے بتانا شروع کیا کہ واقعہ کیا پیش آیا۔ بعد میں مجھے اس کی تفصیلات معلوم ہوئیں۔ واقعہ یوں پیش آیا تھا۔

میری واپسی سے کوئی دو گھنٹے پہلے فلیٹ سے نکل کر اور میرے نام کا پرزہ چھوڑ کر، نیلی پہلے تو ڈاکٹر صاحب کے ہاں دوڑی گئی۔ کسی نہ کسی طرح اس نے ہوشیاری کرکے ڈاکٹر کا پتہ پہلے ہی معلوم کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ نیلی کو اپنے ہاں جو دیکھا تو وہ بالکل پتھرا گئے اور جب تک وہ وہاں رہی "اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔" "اب تک مجھے اس کا یقین نہیں آتا ہے" انہوں نے اپنا قصہ ختم کرتے ہوئے کہا "بلکہ آئندہ بھی اس بات کا یقین نہ آئے گا"۔ پھر بھی نیلی ان کے گھر جا پہنچی تھی۔ ڈاکٹر اطمینان سے اپنے مطالعے کے کمرے میں آرام کرسی پر بیٹھے قہوہ کا گھونٹ پی رہے تھے کہ نیلی دوڑی ہوئی پہنچی اور ابھی وہ اپنے حواس بھی نہ ٹھیک کر پائے تھے کہ ان کی گردن سے لپٹ گئی۔ وہ رو رہی تھی، ان سے لپٹی جاتی، پیار کرتی، ہاتھوں کو چومتی اور بےقراری سے ٹوٹے پھوٹے جملوں میں ان سے التجا کرنے لگی کہ اپنے ہاں مجھے رکھ لیجئے۔ اور میں اب ان کے ہاں کسی صورت سے نہیں رہ سکتی، اسی لئے گھر چھوڑ کر چلی آئی ہوں۔ اس نے کہا کہ وہ دکھیا ہے۔ اب ان پر کبھی نہیں ہنسے گی اور نہ نئی نئی دواؤں کا ذکر چھیڑے گی بلکہ ٹھیک طرح شرافت سے پیش آئے گی، کپڑے دھوئے گی اور استری کرنا سیکھ لے گی کہ ان کی "قمیص کا کالر" دھو سکے اور اسے استری کر سکے" (معلوم ہوتا ہے کہ نیلی نے اپنا بیان یا تو راستے میں ذہن نشین کر لیا ہوگا یا پہلے ہی سے تیار کر رکھا ہوگا) اور اس کے علاوہ یہ بھی وعدہ کرتی ہے کہ وہ ان کا ہر ایک حکم بجا لائے گی اور اگر بہت ہوا تو روزانہ دوا پیا کرے گی۔ اور پہلے جو وہ ان سے شادی کرنے کی بات کہا کرتی تھی، یہ محض ایک مذاق تھا۔ اس کے ایسا کوئی

راضی نہیں ہے۔ بیچارہ بوڑھا جرمن ایسا سکتے میں آیا کہ منہ کھولے اور ہاتھ اوپر کو اٹھائے بیٹھا رہا، اور اس کے ہاتھ میں جو سگار تھا وہ سلگ سلگ کر ختم ہو گیا۔

"صاحبزادی،" آخر ڈاکٹر صاحب نے بمشکل قوت گویائی سے کام لیتے ہوئے کہا، "جہاں تک میں تمہاری بات سمجھ سکا ہوں، تمہاری خواہش یہ ہے کہ اپنے گھر میں تمہیں کوئی مناسب جگہ دے دوں۔ مگر یہ ناممکن ہے کیونکہ جیسا کہ تم پر ظاہر ہے، میں بہت تنگی میں ہوں اور میری آمدنی معقول نہیں ہے... اور پھر بے سوچے سمجھے اس طرح ایک دم سے ایسی حرکت کر ڈالنا... نہایت واہیات بات ہے! اور پھر یہ بھی ہے کہ جہاں تک میرا قیاس ہے، تم گھر سے بھاگ کر آئی ہو۔ یہ قابل ملامت بات ہے۔ اس کے علاوہ میں نے تمہیں صرف اس قدر اجازت دی تھی کہ جب موسم اچھا ہو تو اپنے کرم فرما کے ساتھ تھوڑی دیر کو کھلی ہوا میں گھوم پھر لیا کرو۔ اور تم ہو کہ انہیں چھوڑ چھاڑ کے نکل کھڑی ہوئیں اور بھاگی ہوئی میرے پاس آئی ہو، جبکہ تمہیں اپنی تندرستی کا خاص خیال رکھنا چاہئے تھا... اور دوا پینی چاہئے تھی... اور پھر اصل بات یہ... دراصل یہ کہ... میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے..."

نیلی نے انہیں بات پوری نہیں کرنے دی اور رونے لگی۔ روتے روتے اس نے پھر التجا کی مگر سب بے سود۔ بڑے میاں اور بھی زیادہ حواس باختہ ہوتے گئے اور سوچ سمجھ ان کا ساتھ چھوڑتی چلی گئی۔ آخر میں نیلی نے ان کو چھوڑا اور "اف خدایا!" کی صدا لگا کر کمرے سے نکل بھاگی۔ "اس روز تمام دن میری طبیعت خراب رہی،" بڑے میاں نے قصہ سناتے ہوئے آخر میں کہا۔ "اور میں نے رات کو سونے سے پہلے جوشاندہ پیا..."

وہاں سے نیلی دوڑی ہوئی مسلوبوف کے ہاں پہنچی۔ اس نے پہلے سے ہی یہاں کا پتہ بھی معلوم کر رکھا تھا اور سراغ نکال ہی لیا، اگرچہ اس میں دشواری ہوئی۔ اس وقت مسلوبوف گھر پر موجود تھا۔ الکساندرا سیمیونوونا ہکی بکی رہ گئی جب اس نے نیلی کی یہ التجا سنی کہ اسے وہ لوگ اپنے گھر میں رکھ لیں۔ اس نے پوچھا کہ آخر تمہیں ایسی کیا بے تابی ہے؟ کیا گڑبڑ ہو گئی اور میرے ہاں سے کیا دکھ ہے؟ تو اس نے کوئی

جواب نہ دیا بلکہ سسکیاں بھرتی ہوئی کرسی میں ڈھے گئی۔ الکساندرا سیمیونوونا کا بیان ہے کہ "وہ ایسی پھوٹ پھوٹ کے تڑپ تڑپ کے روئی کہ مجھے ڈر لگا جیسے روتے روتے جان دے دے گی۔" نیلی کی التجا تھی کہ اسے وہ لوگ اپنے ہاں چاہے نوکرانی بنا کر رکھ لیں، خادمہ یا مزدورن کی حیثیت سے۔ کہنے لگی کہ میں فرش دھویا کروں گی اور کپڑے دھونا سیکھ لوں گی (کپڑے دھونے کے کام پر اسے خاص تکیہ تھا اور کسی خاص وجہ سے وہ سمجھتی تھی کہ کپڑے دھونے کی خدمت کا لالچ دے کر وہ لوگوں کو اس پر آمادہ کر سکتی ہے کہ وہ اسے اپنے ہاں رکھ لیں)۔ الکساندرا سیمیونوونا کو خیال آیا کہ نیلی کو تب تک کے لئے رکھ لیا جائے جب تک کہ یہ معاملہ صاف نہ ہو جائے اور اس درمیان میں مجھے اس کی اطلاع دے دی جائے۔ مگر فلپ فلیپچ نے سختی سے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اس بھگوڑی کو ابھی فوراً میرے ہاں پہنچایا جائے۔ راستے بھر الکساندرا سیمیونوونا اسے پیار کرتی، گلے لگاتی ہوئی آئی لیکن اس سے نیلی اور بھی پھوٹ پھوٹ کے رونے لگتی۔ اس کی حالت دیکھ کر الکساندرا سیمیونوونا کو بھی رونا آ گیا۔ چنانچہ گاڑی میں بیٹھی ہوئی دونوں راستے بھر روتی رہیں۔

"مگر آخر کیوں نیلی تم ان کے ساتھ رہنا کیوں نہیں چاہتی ہو؟ کیا وہ تمہارے ساتھ اچھی طرح پیش نہیں آتے یا کیا بات ہے؟" الکساندرا سیمیونوونا نے پوچھا اور خود ان کے گالوں پر آنسو جاری تھے۔

"نہیں..."

"تو پھر کیا وجہ ہے؟"

"کوئی وجہ نہیں۔ بس میں ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی... میں نہیں رہ سکتی۔ ویسے تو میں ان کے ساتھ بہت پاجی پن کرتی رہی اور یہ لوگ مجھ سے اچھا سلوک کرتے رہے... مگر آپ کے ساتھ ہوں گی تو پاجی پن یا زیادتی نہیں کروں گی۔ میں کام کروں گی" اس نے کہا اور جیسے اس پر سسکیوں کا دورہ پڑا ہوا ہو۔

"تم ان کے ساتھ پاجی پن کیوں کرتی رہیں، نیلی؟"

"بس یوں ہی..."

"صرف اتنی ہی بات اس کے منہ سے نکلی ہے،" الکسالدرا

بڑے میاں کے پیچھے پیچھے لپکا۔ میں چاہتا تھا کہ انہیں بڑے دروازے تک پہنچا آؤں اور دو حرف تسلی کے کہہ دوں۔ جب میں بند ہوا زینے کے نیچے پہنچا ہوں تو ایسا لگ رہا تھا جیسے میری آنکھوں کے سامنے نیلی کا چہرہ ہے جو میری ڈانٹ پھٹکار سے بہت بری طرح سفید پڑ گیا ہے۔

میں نے دوڑ کر بڑے میاں کو جا لیا۔

"میری بچی بڑی سیانی ہوئی ہے اور خود اس کے بہت دکھ درد ہیں۔ میری بات کا یقین کریں، ایوان" اور میں اس سے اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تم نے اس کا زخم دکھا دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ پیٹ بھرا آدمی بھوکے کو نہیں سمجھ سکتا، میں کہوں گا کہ بھوکا بھی ہمیشہ بھوکے کو نہیں سمجھ پاتا۔ اچھا، رخصت، خدا حافظ!"

میں ان کی تسکین کی خاطر کوئی اور بات چھیڑ ہی دی مگر بڑے میاں نے انکار میں ہاتھ ہلا دیا۔

"تم مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ بہتر ہے کہ اس پر نظر رکھو کہ وہ، تمہاری لڑکی تمہیں چھوڑ کر کہیں بھاگ نہ جائے۔ دیکھنے میں لگتا ہے کہ وہ بھاگ جائے گی" انہوں نے ذرا خفگی سے کہا اور جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے چل دئیے۔ جاتے ہوئے وہ اپنی چھڑی گھما رہے تھے اور اسے فٹ پاتھ پر پٹک رہے تھے۔

ان کو گمان بھی نہ تھا کہ یہ کوئی پیغمبرانہ پیش گوئی ہوگی۔

مجھ پر کیا گزری ہے جب اپنے کمرے پر واپس آکر پھٹی پھٹی آنکھوں سے میں نے دیکھا کہ نیلی وہاں سے چمپت ہو چکی ہے! میں دروازے کے باہر گیا، سیڑھیوں پر اس کی تلاش کی، آوازیں دیں، یہاں تک کہ پڑوسی کے دروازے کھٹکھٹائے اور ان سے نیلی کے بارے میں پوچھا، مگر بے سود۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سچ مچ بھاگ گئی۔ آخر کدھر سے بھاگ سکتی تھی؟ صرف ایک ہی صورت ممکن تھی۔ جب میں بڑے میاں سے بات کر رہا تھا تو اسے نظر بچا کر ہم دونوں کے برابر سے کھسک کر جانا پڑا۔ لیکن تھوڑی دیر میں یہ بات میری سمجھ میں آ گئی کہ شاید وہ کمرے سے نکل کر زینے پر کہیں چھپ گئی ہوگی اور

جب میں واپس آ گیا تو وہاں سے کھسک گئی تاکہ میرا سامنا نہ ہو جائے۔ بہرحال کچھ بھی ہو۔ اتنی دیر میں بہت دور جانے سے رہی۔

سخت فکر و تردد میں مبتلا میں اس کی تلاش میں باہر نکلا اور جان بوجھ کر کمرہ کھلا چھوڑ دیا۔

اول تو میں سیدھا مسلوبویف کے ہاں پہنچا۔ وہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہ تھا۔ یہاں میں نے ایک پرزہ چھوڑا اور لکھ دیا کہ ایسی مصیبت پھر پڑی ہے اور التجا کی کہ اگر نیلی آپ کے ہاں آ جائے تو فوراً ہی مجھے اس کی خبر کرا دیجئے۔ یہاں سے ڈاکٹر کے گھر گیا۔ وہ بھی گھر پر موجود نہ تھے۔ نوکرانی نے بتایا کہ نیلی یہاں صرف ایک ہی بار آئی تھی صبح کے وقت۔ اب کیا کروں؟ میں سیدھا بُنووا کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر مجھے کفن دفن کرنے والے کی بیوی کی زبانی پتہ چلا کہ مالکہ مکان کو دو دن سے کسی بنا پر پولیس نے حوالات میں رکھا ہے اور اس خاص واقعے کے دن سے آج تک نیلی کو یہاں پھر کبھی نہیں دیکھا گیا۔ تھکاماندہ بے دم ہو کر میں پھر مسلوبویف کے ہاں واپس پہنچا۔ یہاں وہی صورت باقی تھی۔ گھر پر کوئی نہیں آیا تھا اور نہ خود مالک مکان واپس آئے تھے۔ میز پر میرا پرزہ جوں کا توں دھرا تھا۔ اب کیا کروں؟

جب میں رات گئے اپنے گھر کی طرف واپس آ رہا تھا تو غم سے ادھ موا ہو چکا تھا۔ مجھے اس روز شام کے وقت نتاشا کے ہاں جانا چاہئے تھا۔ اس نے خود صبح کو مجھ سے کہہ دیا تھا۔ لیکن سارا دن ہو گیا اور میرے منہ میں ایک دانہ بھی نہیں گیا تھا۔ نیلی کی فکر نے ساری روح کو کھولا رکھا تھا۔ "اس کے معنی کیا ہیں؟" میں نے اپنے جی میں سوچا۔ "یہ کہیں اس کی بیماری کوئی عجیب رنگ تو نہیں لائی؟ کہیں یہ تو نہیں کہ وہ پاگل ہو گئی ہو یا ہو سکتی ہے پاگل ہوتی جا رہی ہو! توبہ ہے۔ [illegible] ہوگی کہاں وہ۔ کس جگہ تلاش کروں؟"

ابھی اپنے جی میں [illegible] یک دم پر میری نظر پڑی۔ وہ واسیلیفسکی پل کے پاس مجھ سے چند قدم دور موجود تھی۔ وہاں بجلی کے کھمبے کے نیچے کھڑی تھی۔ اس

نے محسوس نہیں کیا۔ اس کی طرف دوڑنے کو قدم اٹھانے ہی والا تھا کہ میں نے ضبط سے کام لیا۔ "بھلا یہاں کھڑی ہوئی کیا کرتی ہے بدبو..." میں نے سوچا اور اب یقین تھا کہ اگر وہ بھاگی بھی تو مجھ سے بھاگ نہیں سکتی۔ میں نے طے کیا کہ ٹھہر کر ذرا دیکھوں تو۔ دس ایک منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ وہیں ایک جگہ جمی رہی اور آنے جانے والوں کو دیکھتی رہی۔ آخر ایک خوش پوش عمر رسیدہ جنٹلمین اس کے نزدیک سے گزرنے لگا تو نیلی اس کی طرف بڑھی۔ اس شخص نے بغیر جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نکال کر اسے دے دیا۔ نیلی نے شکریے میں سر جھکایا۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس لمحے میری کیا حالت ہوئی ہے۔ دل مسوس کر رہ گیا جیسے کوئی قیمتی شے، جسے میں نے اتنا عزیز رکھا ہو، سنبھالا ہو، جو مجھے اتنی پیاری ہو، اسے اٹھاکر پھینک دیا گیا اور کیچڑ میں عین میری نظر کے سامنے پیروں سے کچلا گیا ہو۔ مجھے محسوس ہوا کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔

جی ہاں، بیچاری نیلی کے حال پر آنسو، اگرچہ اسی کے ساتھ مجھے ناقابل برداشت نفرت بھی محسوس ہو رہی تھی: کہ وہ مجبوری سے بھیک نہیں مانگ رہی ہے، اس لئے نہیں کہ اس سے کسی نے منہ موڑ لیا ہو اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا ہو۔ وہ بےدرد ظالموں کے پنجے سے نکل کر نہیں بھاگی تھی بلکہ ان کو چھوڑ کر بھاگی تھی جو اس سے محبت کرتے تھے اور اس کی قدر کرتے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے کارناموں سے کسی کو حیرت زدہ کر دینا یا جھنجھوڑ دینا چاہتی ہو، جیسے وہ کسی کے آگے دکھاوا کر رہی ہو! مگر اس کے سینے کے اندر کوئی پوشیدہ جذبہ پک رہا تھا... ہاں، تو اخمینیف نے ٹھیک کہا تھا۔ اس کے ساتھ زیادتیاں ہوئی تھیں، اس کے دل میں زخم لگے تھے جو بھرنے والے نہیں تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر اپنے زخموں کو کریدنے کی کوشش کر رہی ہے، انہیں ہم میں سے کسی پر اعتبار نہیں، یعنی وہ کہہ سکے اس سے سہو زدہ خودپسندی کو تسکین سی ملتی ہے۔ ہنسے دکھ سے لطف اندوز ہوتی تھی اور ... اور اس سے لطف لیتا ایسی بات ہے جسے

میں سمجھ سکتا ہوں۔ دہشت سے سہمے لوگ جن کی تذلیل کی گئی ہے، جن پر زیادتیاں کی گئیں، جنہیں قسمت نے ستایا، اور جو دل میں مانتے ہیں کہ تقدیر نے ہمارے ساتھ زیادتی کی، صاف نہیں کیا، انہیں اپنی اذیتوں کو بڑھانے میں لطف آتا ہے۔ مگر ہماری طرف سے کون سی زیادتی ہوئی تھی جس کی نیلی شکایت کر سکتی؟ یہاں تو صورت یہ تھی گویا وہ ہمیں اپنی بالکسشت اور شرارتوں سے اور دیوانہ وار حرکتوں سے سہما دینا چاہتی تھی، جیسے وہ یہ سب کچھ واقعی ہمارے دکھاوے کو کر رہی تھی... مگر نہیں! اب وہ اکیلی تھی۔ ہم میں سے کوئی دیکھنے والا نہ تھا کہ نیلی بھیک مانگ رہی ہے۔ کیا اسے بھیک مانگنے میں کوئی خاص لطف آ رہا ہے اس لئے مانگ رہی ہے؟ مانگ ہی کیوں رہی ہے؟ اسے روپیے کی کیا ضرورت ہے؟

خیرات لینے کے بعد وہ پل سے چل دی اور ایک دکان کی جگمگاتی ہوئی کھڑکی کے سامنے پہنچی۔ یہاں اس نے اپنی آمدنی گننی شروع کی۔ میں اس سے کوئی بارہ قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ نیلی کے ہاتھ اچھی خاصی رقم آ چکی تھی جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ صبح سے بھیک مانگتی رہی ہے۔ سارے پیسے مٹھی میں دبا کر اس نے سڑک پار کی اور ایک چھوٹی سی دکان میں داخل ہو گئی۔ میں فوراً اس دکان کے دروازے کی طرف لپکا۔ دروازہ چوپٹ کھلا تھا، میں نے نظر دوڑائی کہ دیکھوں وہاں وہ کیا کر رہی ہے؟

دیکھا کہ اس نے کاؤنٹر پر پیسے رکھ دئے اور ایک پیالی اس کے حوالے کی گئی، بالکل سادہ سی چائے کی پیالی، قریب قریب ویسی ہی جیسی اس نے صبح غصے میں توڑ دی تھی تاکہ ... اور مجھے دکھانے کے لئے کہ میں ... پیالی کی قیمت ... کے قریب ہوگی، ممکن ہے اس سے بھی کم ہو۔ دکاندار نے پیالی ایک کاغذ میں لپیٹ کر، باندھ کر نیلی کے حوالے کر دی، اور وہ اطمینان کی کیفیت چہرے پر لئے ہوئے دکان سے نکل گئی۔

"نیلی!" میں نے زور سے پکارا جب وہ میرے ... پہنچ گئی۔ "نیلی!"

وہ چونک پڑی، مجھ پر نظر ڈالی۔ پیالی اس کے ہاتھ سے ...

چھوٹ گئی اور فٹ پاتھ پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ نیلی کے چہرے پر ہلدی پھیری ہوئی تھی، مگر جب اس نے مجھے دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ میں سب کچھ دیکھ اور سمجھ چکا ہوں، تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، جس پر ناقابل برداشت اور دردناک شرم لکھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور گھر کی طرف لے کر چلا۔ بہت دور جانا نہیں تھا۔ راستے میں ہم نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کی۔ گھر پہنچ کر میں تو بیٹھ گیا اور نیلی میرے سامنے کھڑی رہی، ادھیڑبن اور پریشانی میں مبتلا، موم کی طرح زرد پڑی ہوئی، آنکھیں زمین پر گڑی ہوئیں۔ اس نے نگاہ اٹھا کر مجھے دیکھا تک نہیں۔

"نیلی، تم بھیک مانگ رہی تھیں؟"

"جی ہاں"، نیلی نے گویا زیرلب کہا اور اس کا سر اور بھی جھک گیا۔

"تمہیں روپے کی اس لئے ضرورت تھی کہ بدلے کی پیالی خرید سکو جیسی تم نے صبح توڑی تھی؟"

"جی ہاں..."

"مگر میں نے کیا تمہیں برا بھلا کہا تھا، کیا پیالی پر تمہیں ڈانٹا پھٹکارا تھا؟ نیلی، تم خود دیکھ سکتی ہو کہ تمہاری اس حرکت میں کس قدر بری ہوئی بات، کتنی بدذاتی پائی جاتی ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ تمہیں شرم نہیں آتی اس پر؟ نہیں آتی کیا..."

"آتی ہے..."، اس نے ایسی نحیف آواز میں کہا جو بمشکل سنائی دیتی تھی اور گال پر ایک آنسو بہہ نکلا۔

"شرم کی بات..."، میں نے دہرایا۔ "نیلی میری عزیز، اگر میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو مجھے معاف کر دو، آؤ، ہم پھر سے دوست بن جائیں..."

اس نے میری طرف دیکھا، آنکھوں سے آنسو ابل پڑے اور وہ دوڑ کر میرے سینے سے چمٹ گئی۔

عین اسی لمحے الکساندرا سیمیونوونا حجرے میں داخل ہوئی۔

"یہ کیا، کیا گھر پر موجود ہے یہ تو؟ ... ہو رہا ہے؟ ... ایوان پترووچ، آپ ... کہاں تھے؟..."

میں نے اندھیرے سے الکساندرا سیمیونوونا کو منع کر دیا کہ وہ پوچھ گچھ نہ کریں اور وہ میری بات سمجھ گئیں۔ میں پیار کے ساتھ نیلی سے رخصت ہوا۔ وہ ابھی تک پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، اور رحمدل الکساندرا سیمیونوونا کو اس پر راضی کیا کہ جب تک میں باہر ہو کر آؤں وہ نیلی کے پاس ٹھیری رہیں۔ دیا ہوا میں نتاشا کی طرف روانہ ہوا۔ دیر ہو گئی تھی اس لئے مجھے جلدی تھی۔

اس رات ہماری قسمت کا فیصلہ ہونا تھا — نتاشا کو اور مجھے بہت سی باتیں کرنی تھیں، تاہم نیلی کے بارے میں مختصر لفظوں میں جتنی تفصیلات تھیں، میں نے نتاشا کو سنا دیں۔ اس قصے سے اسے بڑی دلچسپی ہوئی اور بہت حیرانی بھی۔

"جانتے ہو کیا بات ہے، وانیا؟" نتاشا نے لمحہ بھر سوچ کر کہا۔ "میں جانوں وہ تم سے محبت کرتی ہے۔"

"کیا مطلب... بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" میں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"ہاں، یہ محبت کی ابتدا ہے، واقعی عورت کی محبت کی ابتدا..."

"کیا فضول بات کرتی ہو، نتاشا! دیکھتی ہو وہ ابھی بچی ہے!"

"ایسی بچی جس کی عمر چودہ برس کی ہونے والی ہے۔ اسے جھنجھلاہٹ اس بات کی ہے کہ تم اس کی محبت کو سمجھ نہیں پائے۔ بلکہ غالباً وہ خود بھی اپنے آپ کو ٹھیک طرح نہیں سمجھ رہی ہے۔ یہ جھنجھلاہٹ اور تلخی وہ ہے جس میں بہت کچھ تو بچپنا ہے مگر ہے سنجیدہ اور اسی لئے وہ دکھ بھری ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے مجھ سے رقابت ہونے لگی۔ تم مجھے اس قدر چاہتے ہو کہ مجھے یقین ہے کہ جب تم گھر پر ہوتے ہوگے تب بھی میری فکر کرتے ہوگے، میرا خیال اور میری ہی باتیں کرتے ہوگے۔ چنانچہ تم اس کی طرف خاص دھیان نہیں دیتے۔ اس نے یہ بات نوٹ کر لی ہے اور وہی اسے کھٹکتی رہتی ہے۔ شاید وہ تم سے باتیں کرنا چاہتی ہے، تمہارے سامنے اپنا دل کھول کے رکھنا چاہتی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی سبیل کیا ہو، اسے شرم لگتی ہے اور خود اپنے دل کی حالت سمجھ میں نہیں آتی۔ شاید وہ موقع کے انتظار میں رہتی ہے اور تم بجائے اس کے

کہ وہ موقع قریب لاؤ، اس سے آگے کتنے رشتے ہو، میرے پاس دوڑ
دوڑ کے آتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ بیمار پڑی تھی تب بھی تم
آخر میں تو میرے سارے دن اکیلا چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔
یہ روزہ اسی بات کا ہے۔ وہ سمجھی اسے قریب نہیں لاتی اور جو
حرج اس سبب سے زیادہ دکھ دیتی ہے وہ یہ کہ تم اسے محسوس
تک نہیں کرتے۔ اور اس وقت بھی، ایسے خاص وقت میں تم سے
میری خاطر اکیلا چھوڑ کر چلے آئے۔ اب کیا ہوگا، اس صدمے سے،
وہ کل پھر بیمار ہو جائے گی۔ تم اسے چھوڑ کر آئے کیسے؟ جاؤ،
واپس جاؤ، فوراً...“

”میں اسے چھوڑ کر نہ آتا مگر...“

”ہاں، ہاں، میں سمجھتی ہوں یہ بات۔ میں نے ہی انہیں کو
کہا ہے۔ مگر اب جاؤ۔“

”میں چلا تو جاؤں گا خیر، مگر جو کچھ تم نے کہا اس کے
ایک لفظ کا بھی یقین نہیں۔“

”کیونکہ یہ اور لوگوں کے معاملے سے اس قدر مختلف ہے۔
اس کے تمام واقعات کی کڑیوں کو ذہن میں جوڑ کر دیکھو تو
تمہیں یقین آ جائے گا۔ اس کا بچپن بھی تمہارا جیسا نہیں گزرا ہے...“

میں گھر پہنچا مگر بہرحال دیر سے پہنچا۔ الکساندرا سیمیونوونا
نے مجھے بتایا کہ نیلی گزشتہ شب کی طرح بہت روتی رہی اور
ویسے ہی روتے روتے سو گئی۔ ”اچھا، اب میں چلوں گی، ایون
پتروویچ۔ فلپ فلپیچ نے مجھ سے کہہ دیا تھا۔ انہیں میرا انتظار
ہوگا، بیچارے...“

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور نیلی کے بستر کے پاس بیٹھ
گیا۔ مجھے خود اس کا افسوس ہو رہا تھا کہ ایسے وقت میں نیلی
کو چھوڑ کر چلا گیا۔ بہت دیر تک، جب آدھی رات جا چکی تھی،
میں وہیں نیلی کے پاس بیٹھا اور اپنے خیالوں میں گم رہا... ہم سب
پر یہ بڑا کڑا وقت تھا۔

مگر میں پہلے یہ بتا دوں کہ ان دو ہفتوں میں اور کیا کچھ
گزری تھی...

رستوراں میں پرنس والکوفسکی کے ساتھ جو یادگار رات گزری
اس کے بعد کچھ دن تک مجھے نتاشا کی طرف سے بڑی فکر لگی
رہی۔ ”اس بدبخت پرنس نے اسے کس بات کی دھمکی دی تھی اور
کس خاص روپ میں وہ نتاشا سے انتقام لینے پر تلا ہوا تھا؟“
ہر لمحے یہی سوال میرے ذہن میں گونجتا اور میں طرح طرح کی
قیاس آرائی میں الجھ کر رہ جاتا۔ آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ
اس کی دھمکیاں محض خالی نہ تھیں اور نہ محض ڈھول کا پول تھیں
بلکہ جب تک نتاشا اس کے بیٹے الیوشا کے ساتھ رہتی ہے وہ واقعی
اسے کوئی زک پہنچا سکتا ہے۔ وہ گھٹیا ذہن کا، انتقامی، کمینہ،
کینہ ور اور جوڑ توڑ کرنے والا آدمی تھا — میں نے خیال دوڑایا۔
قیاس میں نہیں آسکتا تھا کہ وہ اپنی توہین کو یوں ہی جانے دے گا
اور انتقام لئے بغیر رہ جائے گا۔ بہرحال اس نے نکتے کی ایک بات
تو صاف صاف کہہ دی تھی کہ الیوشا کو چاہئے کہ وہ نتاشا سے
اپنے تعلقات توڑ لے اور مجھ سے اسے امید تھی کہ میں نتاشا کو
اس آنے والی علحدگی کے لئے راضی کر دوں گا۔ یعنی اس بات پر
تیار کر دوں گا کہ جب یہ واقعہ ہو تو بقول اس کے ”کوئی
ہنگامہ برپا نہ ہو، خواہ مخواہ کی خرافات نہ ہوں اور شیلرازم کی
حرکتیں نہ کی جائیں“۔ یہ بجا ہے کہ پرنس کو سب سے زیادہ
فکر اس بات کی تھی کہ الیوشا کو اس کی طرف سے کوئی خفگی نہ
ہونے پائے اور وہ اسے حسب معمول اپنا مشفق باپ ہی سمجھتا رہے۔
یہ امر بہت لازمی تھا تاکہ وقت آنے پر وہ آسانی سے کاتیا کی دولت
پر ہاتھ ڈال سکے۔ لہذا اب یہ میرا کام تھا کہ نتاشا کو
اس جدائی کے لئے ہموار کر دوں جو عنقریب ہونے والی تھی۔ مگر
میں نے نتاشا میں بڑی تبدیلی دیکھی۔ اب اس کی میرے ساتھ وہ
پرانی بے تکلفی غائب ہو چلی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اب وہ بھی
لگتی تھی جیسے خود مجھ پر اسے اعتماد نہیں رہا۔ جب میں اسے
دلاسہ دینے کی کوشش کرتا تو وہ اور معترض ہو جاتی۔ میرے
سوالوں سے اسے اور بھی تکلیف پہنچتی بلکہ کبھی تو جھلا اٹھتی۔
میں بعض دفعہ اس کے کمرے میں بیٹھا اس کو تکتا رہتا کہ وہ
ایک سرے سے دوسرے تک ٹہل رہی ہے۔ شانے آگے جھکے ہوئے

تھی - حیرت، ملال اور اداس تھی - جیسے ہر شے سے ذہن بے نیاز ہے اور اسے یہ سوال ہی نہ ہو کہ میں یہاں موجود ہوں - جب کبھی معلوم ہو جاتا ہو جاتی (یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے نگاہ تک نہ ملاتی) تو اس کے چہرے پر ایک بے قرار اذیت جھلک اٹھتی اور وہ جلدی سے دوسری طرف مڑ جاتی - مجھے اندازہ ہو گیا کہ غالباً وہ خود بنے طور پر آنے والی جدائی کے لئے کوئی منصوبہ باندھ رہی ہے اور غم و ملال کے بغیر یہ بات کیونکر ممکن تھی بھلا۔ مجھے ادھر سے یقین ہو گیا تھا کہ اس نے الیوشا سے جدائی کی خود ہی ٹھان لی ہے - تاہم مجھے فکر اور پریشانی دامن گیر رہی تو اس کے سخت اور بھاری صدمے کی طرف سے - اس کے علاوہ بسا اوقات یوں بھی ہوتا تھا کہ میں بات کرنے کی یا سمجھانے بجھانے کی کوشش کرنے سے ڈرتا تھا اور دہشت کے مارے بس اس انتظار میں رہتا کہ دیکھوں انجام کیا ہوتا ہے -

اور جہاں تک میرے ساتھ اس کے سخت اور رکے رکے برتاؤ کا تعلق ہے اگرچہ اس سے مجھ کو پریشانی ہوتی تھی اور تکلیف پہنچتی تھی تاہم اپنی نتاشا کے دل پر پورا بھروسہ تھا — میں نے دیکھا کہ وہ خود بہت بری طرح الجھی ہوئی، پریشان اور فکروں سے نڈھال ہے - باہر سے اگر اس کے معاملے میں ذرا بھی دخل دیا جائے تو اسے اذیت پہنچتی ہے اور جھنجھلاہٹ سوار ہو جاتی ہے - ایسے حالات میں خاص کر ان دوستوں کی طرف سے دخل اندازی جو ہمارے دلوں کے راز جانتے ہیں، سب سے زیادہ ہمیں جھلا دیتی ہے - مگر ساتھ ہی ساتھ مجھے یہ بھی خوب معلوم تھا کہ بالآخر نتاشا میری طرف واپس آئے گی اور میرے ہی پیار میں اس کو تسکین ملے گی -

پرنس سے جو میری بات چیت ہوئی تھی اس کے بارے میں نتاشا سے میں نے کچھ نہ کہا تھا — ظاہر ہے کہ میں کہتا تو بس ملال اور بڑھتا - بس کبھی موقعے سے اس کا ذکر کر دیا تھا کہ میں پرنس کے ساتھ کاؤنٹس صاحبہ کے ہاں ہو آیا ہوں اور اس بات کا مجھے یقین ہو چکا ہے کہ وہ بڑا ہی پاجی آدمی ہے - لیکن نتاشا نے پرنس کے بارے میں مجھ سے سوال تک نہ کیا، جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی - میں نے کاتیا سے جو اپنی ملاقات کا حال سنایا، اسے بہرحال وہ بڑے شوق سے سنتی رہی - اور جب

سن چکی تو اس نے کاتیا کے متعلق بھی زبان سے کچھ نہ کہا لیکن اس کے چہرے پر رنگ دوڑ گیا اور اس روز تمام دن خاص طور سے اس میں ہلچل برپا رہی - کاتیا کے سلسلے میں کوئی بات بھی میں نے پردے میں نہیں رکھی اور صاف صاف اقرار کر لیا کہ خود مجھ پر بھی اس لڑکی نے بہت زبردست اثر ڈالا ہے - اور سر بات چھپانے سے حاصل بھی کیا تھا؟ اگر چھپاتا تو نتاشا یقینی طور پر تاڑ جاتی کہ کوئی بات ہے جو میں نے کہنے سے روک لی اور اس پر وہ اور بھی مجھ سے خفا ہوتی - چنانچہ جتنی تفصیل سے میں اسے سنا سکتا تھا سب کچھ سنا دیا - یہ کوشش تھی اس بات کی کہ اس کے سوالات کا جواب بھی اسی میں ہو جائے کیونکہ وہ جس حالت میں تھی، خاص طور سے اس کے لئے دشوار تھا کہ سوال کر سکے - یہ کچھ آسان بات نہیں ہے کہ آدمی اپنے رقیب کے اوصاف کے بارے میں بے تکلف اور بے تعلق انداز میں پوچھ گچھ کرسکے!

مجھے خیال تھا کہ شاید اسے ابھی تک یہ معلوم نہ ہوگا کہ پرنس کی خاص ہدایات کے مطابق الیوشا کو کاؤنٹس صاحبہ اور کاتیا کے ہمراہ دیہات کی جاگیر جانا ہے - میں ہچکچا رہا تھا کہ یہ اطلاع کیسے زبان پر لاؤں کہ چوٹ نرم پڑ جائے - لیکن میں حیرت میں رہ گیا جب نتاشا نے اس اطلاع کے پہلے ہی لفظ پر مجھے روک دیا اور کہا کہ تسلی دینے کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے تو یہ پانچ دن سے معلوم ہے -

”توبہ الٰہی!“ میں چیخ پڑا - ”مگر تمہیں کس سے پتہ چلا؟“

”الیوشا سے!“

”کیا؟ یعنی وہ تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہے؟“

”ہاں، کہہ چکا - اور میں بھی اپنے جی میں سب کچھ ٹھان چکی ہوں، وانیا“ اس نے جواب دیا اور ایک ایسی نگاہ ڈالی جس سے صاف یہ مطلب نکلتا تھا اور ناگواری کے ساتھ کہ بس، اب آگے نہ بولنا -

الیوشا اکثر نتاشا کے ہاں آتا رہتا تھا مگر ہمیشہ ایک آدھ منٹ کو - صرف ایک موقع پر وہ نتاشا کے پاس کئی گھنٹے ٹھہرا - لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب میں خود وہاں موجود نہ تھا - وہ عام طور سے خیالوں میں الجھا ہوا، اداس سا آیا کرتا اور ڈری

ڈپی گیلاوٹ کے ساتھ نتاشا کو دیکھا کرتا۔ لیکن نتاشا اس وقت
جو بھی، اس قدر پیار سے اس کا سواگت کرتی کہ وہ سب کچھ
ایک دم بھول جاتا اور پھر تر و تازہ ہوجاتا۔ ادھر اس نے یہ بھی
شعار بنا لیا تھا کہ کثروبیشتر میرے ہاں ہوتا ہوا گزرتا، قریب
قریب روزانہ ہی۔ یہ صحیح ہے کہ الیوشا خود بھی بہت دردمند
تھا مگر وہ اپنے غم سے ہوئے لمحے بھر کو بھی تنہا نہ رہ سکتا
تھا اور غم بہلانے کو میرے ہاں مستقل پھیرا کرتا رہتا تھا۔

میں بھلا اس سے کہتا بھی تو کیا کہتا؟ مجھے وہ سردمہری
کا الزام دیتا، کہتا کہ میں التفات نہیں برتتا ہوں، شکایت کرتا کہ
اس کی طرف سے میرا دل صاف نہیں ہے، رنج کرتا، آنسو بہاتا اور
کاتیا کے ہاں روانہ ہو آتا۔ وہاں اس کا جی بہل جاتا۔

جس روز نتاشا نے مجھ سے کہا کہ اسے معلوم ہے کہ الیوشا
باہر جانے والا ہے (پرنس سے میری بات‌چیت کے کوئی ہفتہ بھر
بعد کی بات ہے یہ) تو الیوشا رنج کا مارا دوڑا ہوا میرے ہاں آیا،
میرے گلے لگ گیا، لپٹا رہا اور بچے کی طرح سبک سبک کر رویا۔
میں خاموش تھا اور انتظار میں تھا کہ دیکھوں وہ خود کیا کہتا ہے۔

”میں کمینہ ہوں، ذلیل آدمی ہوں، وانیا“، اس نے کہنا شروع
کیا۔ ”مجھے خود مجھ سے بچالو۔ مجھے اس کا رونا نہیں کہ خود
کمینہ اور ذلیل آدمی ہوں بلکہ اس لئے کہ میری بدولت نتاشا کو
دکھ بھرنے پڑیں گے۔ میں اسے مصیبت میں چھوڑے جا رہا ہوں...
وانیا، میرے دوست، مجھے بتاؤ، میرے لئے فیصلہ کرو — ان دونوں
میں سے مجھے کس سے زیادہ محبت ہے — نتاشا سے یا کاتیا سے؟“

”الیوشا، یہ فیصلہ مجھ سے نہ ہو سکے گا“، میں نے جواب دیا۔
”تم اسے مجھ سے بہتر جانتے ہوگے...“

”نہیں وانیا، یہ بات نہیں۔ اتنا بدھو نہیں ہوں کہ ایسا
سوال کروں گا۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ میں خود اپنے آپ کو
اس کا دلیل نہیں کر سکتا۔ میں خود سے سوال کرتا ہوں اور
جواب مجھ کو معلوم نہیں۔ مگر تم باہر سے دیکھنے والے ہو،
اور میرے مقابلے میں زیادہ صاف طور پر دیکھ سکتے ہو۔ خیر،
اگرچہ تمہیں معلوم نہیں، پھر بھی بتاؤ تو، تمہیں کیا لگتا ہے؟“

”مجھے یہ لگتا ہے کہ تم کاتیا کو زیادہ چاہتے ہو۔“

”واقعی، تمہیں ایسا ہی لگتا ہے؟ نہیں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں!

تم نے ٹھیک طرح سے اندازہ نہیں لگایا۔ مجھے نتاشا دنیا میں سب
سے زیادہ پیاری ہے۔ میں اسے کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ کوئی
چیز مجھے اس کی ترغیب نہیں دے سکتی۔ میں نے کاتیا سے بھی
کہہ دیا ہے اور وہ پوری طرح مجھ سے اتفاق کرتی ہے۔ تم کچھ
بولتے کیوں نہیں؟ ابھی ابھی میں نے تمہیں مسکراتے دیکھا۔ اوہ،
وانیا، تم تو کبھی مجھے دلاسا نہیں دیتے جب میں دکھی ہوتا ہوں
جیسے اس وقت... اچھا، رخصت!“

تیزی کے ساتھ وہ کمرے سے نکل گیا اور حیرت‌زدہ نیلی پر
اس کا غیرمعمولی اثر پڑا جو چپ‌چاپ ہم دونوں کی بات‌چیت سن رہی
تھی۔ ابھی نیلی بیمار ہی تھی اور بستر پر پڑی دوا کھا رہی
تھی۔ الیوشا نے اس سے کبھی بات نہ کی اور جب وہ آیا شاید ہی
کبھی اس کی طرف کوئی توجہ کی ہو۔

دو گھنٹے بعد الیوشا پھر آیا۔ اس کے چہرے پر جو مسرت
کے آثار تھے انہیں دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ پھر گلے سے
لپٹ گیا اور مجھے گلے لگانے لگا۔

”بات طے ہو گئی!“ وہ چیخ کر بولا۔ ”ساری غلط‌فہمیاں دور
ہو گئیں۔ تمہارے پاس سے سیدھا میں نتاشا کے ہاں گیا۔ اس
قدر دماغ الجھا ہوا تھا کہ نتاشا کے بغیر بنائے نہ بنتی۔ اندر
قدم رکھتے ہی میں اس کے قدموں پر گر پڑا اور پاؤں چوم لئے — یہ
تو کرنا ہی تھا مجھے، بہت زمانے سے اس کی آرزو تھی۔ اگر
میں ایسا نہ کرتا تو غم سے جان چلی جاتی۔ خیر، تو نتاشا نے
مجھے خاموشی سے روتے ہوئے گلے لگا لیا۔ پھر میں نے اس سے
کہہ ڈالا کہ دیکھو میں تمہاری بہ‌نسبت کاتیا سے زیادہ محبت
کرتا ہوں...“

”تو اس نے کیا جواب دیا؟“

”اس نے کچھ بھی نہیں کہا، صرف مجھے تھپکا، سہلایا اور دل
ہلکا کیا، میرا دل ہلکا کیا، جس نے یہ بات اس سے کہی تھی! وہ
آدمی کا دل ہلکا کرنا جانتی ہے، ایوان پترووچ! میں نے اس کے
پاس روتے روتے اپنے دل کا سارا غم بہا دیا، سب کچھ کہہ ڈالا۔
میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں کاتیا پر بہت بری طرح
فدا ہوں۔ مگر کچھ بھی ہو مجھے تم سے بہت پیار ہے اور
چاہے میں کسی سے محبت کرتا پھروں مگر تمہارے بغیر، نتاشا

کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تمہارے بغیر میں مر ہی جاؤں گا۔ نہیں
وانیا، واقعی ایک دن بھی میں نتاشا کے بغیر نہیں جی سکتا۔ میں یہ
محسوس کرتا ہوں۔ نہیں جی سکتا! چنانچہ ہم نے طے کیا کہ
ہم دونوں کو فوراً شادی کر لینی چاہئے۔ مگر شادی میرے باہر
جانے سے پہلے تو ہو نہیں سکتی کیونکہ اب یہ بڑے روزوں
کے دن ہیں۔ اور ان دنوں میں شادی ہونے سے رہی*۔ لہذا تبھی
ہوگی جب میں واپس آ جاؤں، یعنی پہلی جون تک۔ ابا جان بھی اس
کی اجازت دے دیں گے، اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور جہاں تک
کاتیا کا تعلق ہے تو اس کا کیا! میں نتاشا کے بغیر تو جی نہیں
سکتا... آپ جانئے... ہوگا یہ کہ ہماری شادی ہو جائے گی اور ہم
دونوں پھر پہنچیں گے وہاں جہاں کاتیا...''

بیچاری نتاشا! اسے کتنا بھاری پڑا ہوگا اس لڑکے کا جی ہلکا
کرنا، اسے بہلانا، اس کے ساتھ بیٹھنا، اس کے اعتراف سننا اور اس
بھولے نادان اور خودغرض لڑکے کا دل بہلانے کے لئے جھٹ پٹ
بیاہ کر لینے کی ترکیب دل سے جوڑ کر اسے سنانا۔ الیوشا کو واقعی
کچھ دن کے لئے تسلی ہو گئی تھی۔ وہ نتاشا کے پاس اسی لئے
دوڑا جاتا تھا کہ اس کا دل ناتواں اکیلا اس غم کا بوجھ
اٹھانے قابل نہ تھا۔ لیکن جیسے جیسے ان کی جدائی کا وقت قریب
آتا گیا وہ آنسوؤں میں ڈوبتا چلا گیا اور بے تابی بڑھتی گئی اور اکثر
میرے ہاں آنے لگا اور اپنے غموں کے جام انڈیلنے لگا۔ ادھر کچھ
دنوں سے وہ نتاشا سے اس قدر زیادہ تعلق خاطر محسوس کرنے لگا
تھا کہ ایک دن کے لئے بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو پاتا تھا،
چند ہفتوں کا تو ذکر کیا۔ بہرحال اسے آخری لمحے تک ادھر
سے پورا اطمینان تھا کہ نتاشا کو صرف چند ہفتے کے لئے چھوڑ کر
جا رہا ہے اور واپسی پر ان دونوں کی شادی ہو جائے گی۔ اور
نتاشا نے اچھی طرح جان لیا تھا کہ اس کی ساری زندگی کروٹ لینے
کو ہے، الیوشا اب پھر کبھی اس کے پاس نہ آئے گا اور یہی ہونا
رہ گیا ہے۔

* بڑے روزوں کے دوران کرجے میں شادی پر پابندی تھی۔ (پبلشر)

ان کی جدائی کا دن قریب آ رہا تھا۔ نتاشا بیمار سی
پڑ گئی تھی، آنکھوں میں بخار کی تپش تھی، ہونٹوں پر پپڑیاں
جم گئی تھیں۔ وقتاً فوقتاً وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتی اور کبھی
مجھ پر ایک تیز و گرم نگاہ ڈال دیتی۔ اب اس کی آنکھوں سے آنسو
نہ نکلتے تھے، میرے سوالوں کا جواب نہ دیتی تھی اور جب دروازے
سے الیوشا کی کھنکھناتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑتی تو
وہ چونک جاتی، لرزاٹھتی جیسے پودے پر پتی۔ الیوشا کی آمد
سے اس کے چہرے پر تب و تاب آ جاتی اور وہ لپک کر اس کے
پاس پہنچتی، اسے بے اختیار گلے لگاتی، پیار کرتی اور خوب ہنستی...
الیوشا اس کے چہرے کو ٹوہ لینے والی نظر سے دیکھتا، فکرمندی
سے اس کی تندرستی کے بارے میں سوال کرتا۔ اور کوشش کرتا
کہ نتاشا کو یہ کہہ کر بہلائے کہ وہ بہت عرصے کے لئے باہر
نہیں جا رہا ہے اور پھر شادی کی تاریخ کی بات چھیڑتا۔ نتاشا
اپنے اوپر بڑا جبر کرتی اور ضبط سے کام لے کر اپنے آنسو اندر ہی
اندر پی جاتی۔ جب تک الیوشا وہاں موجود رہتا، نتاشا کی آنکھ
سے آنسو نہیں نکلتا تھا۔

ایک بار الیوشا نے کہنا شروع کیا کہ اسے جاتے وقت اتنا
روپیہ نتاشا کے لئے چھوڑ جانا چاہئے جو غیرحاضری کی مدت میں
اس کے خرچ کے لئے کافی ہو اور اس میں فکر کی کوئی بات
نہیں کیونکہ ابا جان نے سفر کے لئے بہت کافی رقم دینے کا وعدہ
کیا ہے۔ نتاشا کو اس پر طیش آ گیا۔ جب ہم دونوں اکیلے
تھے تو میں نے نتاشا سے کہا کہ اگر تمہیں ضرورت پڑی تو میرے
پاس کوئی ڈیڑھ سو روبل ہیں۔ تو اس نے یہ تک نہ پوچھا کہ یہ
رقم آئی کہاں سے۔ الیوشا کی روانگی سے یہ دو دن پہلے کی بات
ہے، یعنی اس سے ایک روز پہلے کی جب کاتیا اور نتاشا کی پہلی
اور واحد ملاقات ہوئی ہے۔ کاتیا نے الیوشا کے ہاتھ ایک رقعہ
بھیجا اور اس میں نتاشا سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ اگلے
دن اس سے ملنے آ سکے۔ اور ساتھ ساتھ اس نے مجھے بھی (لکھ کر) کہ
میں بھی آ جاؤں اور اس ملاقات کے وقت موجود رہوں۔

میں نے جی میں ٹھان لی تھی کہ نتاشا کے ہاں بارہ بجے ضرور
بہرصورت پہنچوں گا (کاتیا نے یہی وقت مقرر کیا تھا) چاہے کتنی ہی
رکاوٹیں کیوں نہ ہوں۔ اور رکاوٹیں، الجھنیں بھی بہت سی تھیں۔

نیلی کے علاوہ پچھلے ہفتے اخمنیف میاں بیوی کے سلسلے میں بھی بڑی الجھنوں کا سامنا تھا۔

پورا ایک ہفتہ پہلے یہ الجھنیں شروع ہوئی تھیں۔ ایک روز صبح کو آنّا اندریئونا نے مجھے بلا بھیجا اور درخواست کی کہ سارے کاموں کو بالائے طاق رکھ کر میں فوراً ان کے ہاں پہنچوں کیونکہ ایک ایسا معاملہ درپیش ہے جس میں ذرا بھی تاخیر کی گنجائش نہیں۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ وہ اکیلی ہیں اور کمرے میں ٹہل رہی ہیں — اضطراب اور وحشت ان پر طاری ہے اور سخت بے تابی سے شوہر کی واپسی کے انتظار میں ہیں۔ جیسا کہ معمول ہی تھا اس بار بھی مجھے بہت دیر لگی ان کی زبانی یہ جاننے میں کہ اصل معاملہ کیا ہے اور کیوں اس قدر وحشت‌زدہ ہیں اور ظاہر میں یہ بھی نظر آرہا تھا کہ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ آخر بڑی سخت اور بے ربط ڈانٹ پھٹکار کے بعد مثلاً یہ کہ "تم آخر آتے کیوں نہیں ہو؟ تم نے ہم لوگوں کو لاوارثوں کی طرح دکھوں میں تن تنہا کیوں چھوڑ رکھا ہے؟" یا یہ کہ "خدا جانے تمہاری غیرحاضری میں ہم پر کیا کیا گزر رہی ہے" انہوں نے بالآخر بتایا کہ تین دن سے نکولائی سرگیئچ اس قدر بوکھلائے ہوئے ہیں کہ "بس بیان سے باہر ہے"۔

"وہ بالکل آپے میں نہیں ہیں" آنّا اندریئونا نے مجھے بتایا۔ "ان پر تپ کی سی کیفیت طاری ہے۔ راتوں کو مقدس تصویروں کے آگے گھٹنوں پر جھک کر دعائیں مانگتے ہیں اور ایسے چھپ کر کہ مجھے معلوم نہ ہو۔ سوتے میں بڑبڑاتے ہیں اور دن کو ان کی حالت پاگلوں کی سی ہوتی ہے۔ کل کی بات ہے: ہم شوربہ پی رہے تھے اور انہیں چمچہ نہیں ملا جو بالکل پاس رکھا تھا۔ سوال ایک چیز کا کرو، جواب دوسری کا ملتا ہے۔ گھر سے ہر منٹ نکل لینے کی عادت ہو گئی ہے۔ ہمیشہ کہہ دیتے ہیں 'میں کام سے باہر جا رہا ہوں۔ وکیل سے ملنا ہے'۔ اور آخر آج صبح تو حد ہو گئی کہ انہوں نے لکھنے پڑھنے کے کمرے میں اپنے آپ کو بند کر لیا۔ بولے 'مجھے مقدمے کے بارے میں ایک خاص دستاویز تیار کرنا ہے'۔ اب دیکھو، میں نے دل میں کہا 'بھلا جب تمہیں پلیٹ کے پاس رکھا ہوا چمچہ نہیں ملتا تو مقدمے کا خاص کاغذ کیسے تیار کرو گے؟' بہرحال میں نے جھری

کے سوراخ میں سے اندر جھانک کر دیکھا: بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے اور منہ پر آنسوؤں کا ریلا لگا تھا۔ یہ عجیب مقدمے کا کاغذ لکھنا ہوا کہ لکھتے میں آدمی یوں روتا جائے۔ میں نے جی میں سوچا، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری خمنیفکا والی زمین کا غم انہیں ستا رہا ہے۔ تو مطلب یہ کہ بس گئی ہاتھ سے وہ ساری زمین جائداد ہماری، خمنیفکا والی۔ میں دکھ بھرے جی میں یہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا دیکھوں، وہ ایک دم میز سے اچھل کر کھڑے ہوئے اور قلم اٹھا کے پٹک دیا۔ منہ لال تھا اور آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ جھٹکے سے ٹوپی اٹھائی اور باہر نکل کر مجھ سے بولے 'میں ابھی آتا ہوں، آنّا اندریئونا'۔ وہ باہر گئے اور میں سیدھی ان کے لکھنے پڑھنے کی میز پر پہنچی۔ ہمارے مقدمے کے بارے میں کاغذوں کا ایسا انبار میز پر پھیلا پڑا تھا کہ اسے چھونے کی اجازت تک نہیں تھی مجھ کو۔ کتنی ہی بار میں نے ان سے منت کی کہ 'لائیے، میں ان سارے کاغذوں کو ایک بار اٹھا کر صاف کر دوں۔ میز جھاڑ پونچھ دوں'۔ مگر کوئی پروا نہیں۔ وہ چیخنے چلانے لگتے ہیں اور ہاتھ ہلا دیتے ہیں — یہاں جب سے پیٹرسبرگ آئے ہیں ان کی طبیعت میں اس قدر جھلاہٹ آگئی ہے اور چیخنے لگے ہیں۔ خیر، تو میں میز کے پاس گئی اور مجھے کرید لگی ہوئی تھی کہ دیکھوں کونسا کاغذ لکھ رہے تھے وہ؟ یہ ٹھیک سے پتہ تھا کہ وہ کاغذ اپنے ساتھ لے نہیں گئے بلکہ میز سے اٹھتے وقت اسے اور کاغذوں میں رلا ملا گئے ہیں۔ تو یہ رہا، وہ کاغذ مل گیا۔ دیکھو، ایوان پتروویچ، پیارے۔"

اور انہوں نے میری طرف ایک کاغذ کا پرزہ بڑھا دیا۔ آدھے کاغذ پر تحریر تھی مگر ایسی کٹی پھٹی اور اوپر تلے لکھی ہوئی کہ کئی جگہوں پر اس کا پڑھنا مشکل تھا۔

بیچارے بڑے میاں! کوئی ان کی تحریر کی اول سطر دیکھتا تو بتا دیتا کہ وہ کیا لکھ رہے تھے اور کس کو لکھ رہے تھے۔ نتاشا کے نام خط تھا، اپنی چہیتی نتاشا کے نام۔ انہوں نے نتاشا کو بھرے ہوئے دل سے اور نرمی سے خطاب کیا تھا — اس کا قصور معاف کیا تھا اور لکھا تھا کہ گھر واپس آجاؤ۔ سارے خط کی عبارت پڑھ لینا بہت دشوار تھا — بے ربطی سے لکھا گیا تھا جیسے خود پر قابو نہ ہو اور جا بجا کاٹ چھانٹ تھی۔ یہ بہت صاف

نظر آتی تھی کہ وہ شدید جذبہ جس نے انہیں قلم ہاتھ میں لینے پر مجبور کیا ہوگا اور شروع کی گھری جذباتی سطریں ان سے لکھوائی ہوں گی، شروع کی ان سطروں کے بعد تیزی سے بدل گیا اور مختلف قسم کے احساس میں لت پت ہو گیا۔ بڑے میاں خط میں آگے چل کر اپنی بیٹی کو ملامت کرنے لگے، اسے اس کے قصور گنونے لگے اور بڑے سخت تہدید آمیز لفظوں میں اور نفرت و غصے سے اسے یاد دلانے لگے کہ وہ کس قدر سرکش اور گمراہ لڑکی ہے، سنگدل ہے، ایک بار بھی اس نے یہ خیال نہ کیا کہ ماں باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ انہوں نے اسے اپنے عمل کی پاداش اور بددعا کے عذاب سے خوف دلایا اور اس پر زور دیتے ہوئے خط ختم کیا کہ وہ حکم مانتے ہوئے فوراً اپنے گھر واپس آ جائے۔ ''اور جب عاجزی، انکسار کے ساتھ اپنے خاندان کی آغوش میں بہت اعلیٰ درجے کا چال چلن دکھاؤ گی اور نئی زندگی کا آغاز کرو گی، تب شاید ہم تمہارا قصور معاف کرنے کا فیصلہ کر سکیں گے۔'' صاف جھلک رہا تھا کہ جب بڑے میاں شروع کی سطریں لکھ چکے تو انہیں لگا کہ یہ کشادہ دلی کا جذبہ دراصل ان کی کمزوری ہے۔ انہیں اس کمزوری پر شرم محسوس ہونے لگی اور خود زخمی خودداری کی ٹیسیں سہتے ہوئے انہوں نے خط ختم کرتے کرتے سنگدلی اور دھمکی کا لہجہ اختیار کر لیا۔ آننا اندریئونا میرے سامنے اپنے ہاتھ میں ہاتھ بھینچے ہوئے کھڑی تھیں اور اضطراب کی خلش کے ساتھ انہیں اس بات کا انتظار تھا کہ اب میں خط کے بارے میں کیا کہتا ہوں۔

جو میں نے سوچا تھا وہ ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ ان کے شوہر اب نتاشا کے بغیر زندگی کے دن نہیں کاٹ سکتے اور قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ باپ بیٹی کا ملاپ جلد ہوگا اور یہ بھی کہ اس کے آثار ہیں اگرچہ ہر بات کا دارومدار حالات پر ہے۔ اسی کے ساتھ میں نے یہ اندیشہ بھی ظاہر کر دیا کہ شاید مقدمے میں ہار جانے سے ان پر بہت بڑی چوٹ پڑی ہے اور اس نے انہیں ہلا کے رکھ دیا ہے۔ پھر ان کی خودداری کو بھی ٹھیس لگی ہے، نہ پرنس کے جیت جانے سے ان کی خودداری دب گئی ہے اور جس طرح سے مقدمہ فیصل ہوا ہے اس نے ان میں حسرت اور غصے کی بیٹی کو دشمنی دی ہے۔ اس جیسے موقع پر دل ہمدردی کی جستجو کئے بغیر نہیں رہ سکتا

چنانچہ بڑے میاں کا دھیان اور بھی زور سے اپنی بیٹی کی طرف گیا جسے وہ دنیا میں سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے کہیں سے بھنک پا لی ہو (چونکہ نتاشا کے بارے میں انہیں سب کچھ خبر رہتی تھی) کہ لیوشا اسے اب چھوڑنے ہی والا ہے۔ تو انہوں نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ اب نتاشا پر کیا گزر رہی ہوگی کیونکہ خود اپنے تجربے سے انہوں نے جان لیا تھا کہ ایسے وقت میں بیٹی کو بھی دلاسے کی سخت ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہ سب ایک طرف، پھر بھی وہ اپنی خودداری پر قابو نہ پا سکے۔ انہیں یہی لگا کہ میری آبرو خاک میں ملائی گئی ہے اور وہ بھی بیٹی کے ہاتھوں۔ غالباً انہیں یہ خیال بھی گزرا ہوگا کہ جو ہوا سو ہوا، بہرحال نتاشا نے گھر آنے میں پہل نہ کی، اور وہ شاید اب بھی ان کا خیال نہیں کر رہی ہے اور نہ خود سے آکر ملاپ کر لینے کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ ''انہوں نے ٹھیک یہی بات سوچی ہوگی،'' میں نے آخر میں سوچا ''اور اسی لئے خط پورا نہیں کیا۔'' یہ خیال بھی آیا کہ ممکن ہے اور ذلتیں اٹھانی پڑیں، اور پہلے سے بھی زیادہ سخت قلق کا باعث ہوں۔ کون جانے، ہو سکتا ہے کہ ملاپ کا سوال اسی کی وجہ سے ایک مدت کو ٹل جائے۔

آننا اندریئونا میری بات سنتے وقت رو رہی تھیں۔ آخر جب میں نے ان سے کہا کہ اب مجھے نتاشا کے ہاں جانا ہے اور دیر ہوتی جا رہی ہے تو وہ چونکیں اور انہوں نے بتایا کہ جو اصل بات تھی وہ تو کہنا بھول ہی گئیں۔ وہ اصل بات یہ کہ جب کاغذوں کے انبار میں سے وہ خاص کاغذ نکل رہی تھیں تو اس پر روشنائی بکھر گئی۔ واقعی ایک کونے پر روشنائی لگ گئی تھی اور بڑی بی کو اس کا ہول تھا کہ ان کے شوہر کو اس دھبے سے پتہ لگ جائے گا کہ وہ ان کی عدم موجودگی میں کاغذ الٹ پلٹ چکی ہیں اور نتاشا کے نام کا خط پڑھ چکی ہیں۔ ان کے اندیشے بے سبب بھی نہیں تھے — صرف اسی بات سے کہ ہم ان کا راز جانتے ہیں انہیں شرم اور ذہنی کوفت سے یہاں تک پہنچا سکتی تھی کہ وہ اپنے غصے میں اور اٹل ہو جاتے اور اکڑ کے مارے اس لڑکی کو معاف کرنے کے خلاف تل جاتے۔

لیکن معاملے پر سوچ بچار کرنے کے بعد میں نے بڑی بی کو سمجھایا بجھایا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ خط لکھنے کے

میز سے اس قدر بیقرار اٹھے ہوں گے کہ انہیں ایک ایک تفصیل خود بھی یاد نہ رہی ہوگی اور شاید اب دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ انہوں نے خود ہی خط پر دھب ڈالا ہوگا اور اسے بھول گئے۔ جب میں آنا اندریئونا کو اس طور پر قائل کر چکا اور خط کو جہاں کے تہاں احتیاط سے لٹا دیا تو جانے سے پہلے نیلی کے بارے میں ان سے سنجیدگی کے ساتھ بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے خیال آیا کہ وہ بیچاری بے کس لاوارث لڑکی، کہ جس کی ماں کو خود اس کے کٹر سخت گیر باپ نے عاق کر دیا تھا، اپنی زندگی اور اپنی ماں کی موت کی دردناک اور مصیبت بھری کہانی سے ممکن ہے کہ بڑے میاں کا دل پگھلا دے اور ان میں فیاضی کے جذبات ابھار دے۔ ان کے دل میں سب کچھ پہلے سے تیار اور پختہ ہو چکا ہے۔ بیٹی کی وجہ سے پہلے ہی ان کی خودداری اور زخمی تمکنت پر سانپ لگنے لگی ہے۔ بس اب اس کی دیر ہے کہ اسے ایک ٹھوکر مل جائے، ایک مناسب موقع میسر آجائے اور وہ موقع نیلی کی بدولت پیدا ہو سکتا ہے۔ بڑی بی نے نہایت توجہ اور غور سے میری بات سنی۔ ان کے چہرے پر امید اور جوش و خروش کی روشنی پھیل گئی۔ وہ یک دم مجھ پر برس پڑیں کہ یہ بات پہلے سے کیوں نہ کہی، نیلی کے بارے میں بے تابی سے سوال پر سوال کرنے لگیں اور اس پر قصہ ختم ہوا کہ انہوں نے پختہ وعدہ کیا خود اپنی طرف سے بڑے میاں کو منانے کا کہ وہ اس یتیم و یسیر بچی کو اپنے گھر بلا کر رکھ لیں۔ انہیں نیلی کے لئے سچ مچ کی شفقت محسوس ہونے لگی اور اس کا رنج ہوا کہ وہ بیمار ہے۔ آنا اندریئونا نے اس کے بارے میں بڑی پوچھ گچھ کی، زبردستی کی کہ بچی کے لئے مربے کا ایک مرتبان لیتا جاؤں جو وہ خود دوڑ کر اندر کوٹھری سے لے آئیں، پانچ روبل نکال کر دئے اس خیال سے کہ شاید ڈاکٹر کے لئے میرے پاس روپے کافی نہ ہوں۔ اور جب میں نے روپیہ لینے سے انکار کیا تو بڑی مشکل سے مانیں نہیں بھیں، بلکہ اس خیال سے خود کو تسلی دے کر مطمئن ہوئیں کہ نیلی کو فراک کی ضرورت ہوگی اور شاید اس طرح وہ اس کی مدد کر سکیں گی، چنانچہ وہ کپڑوں کے صندوق کی طرف بڑھیں اور اسے اتھل پتھل کر دیا، اپنے سارے کپڑے نکال کر ڈال دئے اور ان میں سے وہ کپڑے جو بیچاری یتیم لڑکی کے کام آ سکتے تھے چن کر اٹھا لئے۔

میں نتاشا کی طرف چل دیا۔ جب میں زینے کی آخری سیڑھیاں چڑھ رہا تھا، اور زینہ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، چکردار تھا، تو میں نے نتاشا کے دروازے پر کسی کو دیکھا۔ یہ شخص دروازہ کھٹکھٹانے ہی والا تھا لیکن میرے قدموں کی آہٹ سن کر تھم گیا۔ ذرا ہچکچاہٹ کے بعد اس نے بظاہر اپنا ارادہ بدل دیا اور زینے سے اترنے میں عجلت کی۔ سیڑھیوں کے موڑ پر اس کا سامنا ہوا۔ حیرت سے میں تکتا رہ گیا کہ یہ شخص بڑے میاں اخمنیف تھے۔ زینے پر گھپ اندھیرا رہتا تھا، یہاں تک کہ دن کے وقت بھی۔ وہ ایک طرف کو دیوار کے پاس سکڑ گئے تاکہ میں آسانی سے گزر جاؤں اور مجھے یاد ہے کہ جب انہوں نے ارادتاً مجھے غور سے دیکھا تو ان کی آنکھیں تپ گئیں۔ مجھے خیال گزرا کہ انہیں اذیت ہوئی اور اذیت سے وہ سرخ ہو گئے بہرحال یہ ضرور ہے کہ وہ بری طرح شرمائے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

"میں جانوں... تم ہو وانیا!" انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں بمشکل اتنا کہا۔ "میں یہاں ایک آدمی سے ملنے آیا تھا... نقل نویس رہتا ہے.. کام سے آیا تھا... ادھر کچھ دنوں سے اس نے مکان بدل لیا ہے یہیں کہیں... لیکن لگتا ہے کہ وہ یہاں نہیں رہتا... بھول ہوئی مجھ سے... اچھا رخصت۔"

اور وہ جلدی جلدی زینہ اتر گئے۔

میں نے طے کر لیا کہ نتاشا سے اس اتفاقی ملاقات کے بارے میں ابھی کچھ نہ کہوں گا البتہ جب الیوشا چلا جائے گا اور وہ اکیلی رہ جائے گی تب اسے ضرور بتا دوں گا۔ اس وقت تو نتاشا خود اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ اگرچہ وہ اس واقعے کی پوری اہمیت کا اندازہ لگا سکتی تھی اور سمجھ سکتی تھی تاہم ابھی وہ اس کی تاب لانے کے قابل نہ تھی اور ٹھنڈے دل سے اس کی ویسی قدر نہ کر سکتی تھی جیسی اس عالم میں کرتی جبکہ اس پر آخری بار مصیبت اور مایوسی کا پہاڑ ٹوٹ چکا ہوتا۔ ابھی مناسب لمحہ نہیں آیا تھا۔

میں اس روز اخمنیف کے ہاں دوبارہ جا سکتا تھا اور میرا دل بھی بہت چاہا مگر میں گیا نہیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ اگر وہاں جاتا ہوں تو بڑے میاں مجھے دیکھ کر کٹ جائیں گے۔ ممکن ہے انہیں یہ بھی خیال آئے کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ ان سے

وہاں زینے میں ملاقات ہوئی تھی۔ چنانچہ دو دن تک میں ٹالتا رہا اور اس کے بعد گیا۔ بڑے میاں کا دل بیٹھا ہوا تھا مگر وہ مجھ سے ایسے ملے جیسے کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی اور سارے وقت صرف مقدمے کی ہی بات‌چیت کرتے رہے۔

"میں پوچھوں، وہ تم اس روز اتنی اوپر کی منزل پر کس سے ملنے جا رہے تھے جب ہماری تمہاری ملاقات ہو گئی تھی۔ یاد ہے تم کو؟ بھلا کب کی بات ہوگی؟ یہی پرسوں کی میرے خیال میں،" انہوں نے ایک دم کچھ بے‌پروائی سے سوال کیا اگرچہ مجھ سے نگاہ نہیں ملائی۔

"ایک میرے ملاقاتی وہاں رہتے ہیں،" میں نے بھی نگاہ دوسری طرف پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ مجھے اپنے منشی کی تلاش تھی، استعفٰی کی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ وہاں رہتا ہے... مگر نہیں غلطی ہوئی۔ خیر، تو میں سنا رہا تھا کہ عدالت نے فیصلہ دیا کہ..." وغیرہ وغیرہ۔

مقدمے پر بات کرتے وقت بھی ان کے چہرے پر ایک رنگ آیا، ایک گیا۔

میں نے اسی روز آنا اندریئونا کو یہ واقعہ بھی من‌وعن سنا دیا تھا کہ وہ خوش ہو جائیں۔ اور دوسری باتوں کے علاوہ ان کو اس سے بھی منع کر دیا کہ بڑے میاں کو ابھی معنی‌خیز نظر سے نہ دیکھیں، آہیں نہ بھریں، اشارہ کنایہ نہ کریں، یعنی کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے کسی طرح یہ پایا جائے کہ وہ ان کے اس تازہ‌ترین رخ سے آگاہ ہو گئی ہیں۔ بڑی بی کو اس قدر حیرت ہوئی اور لطف بھی آیا کہ اول تو وہ میری بات کا یقین ہی نہیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس لاوارث لڑکی کے متعلق اشاروں میں بڑے میاں سے ذکر کیا تھا مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، اگرچہ وہ پہلے خود ہی ہمیشہ کہتے رہتے تھے کہ میں کسی بچے کو گود لینے پر رضامند ہو جاؤں۔ ہم دونوں نے طے کیا کہ کل تک بڑے میاں سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں، اشاروں میں بھی اور ادھر ادھر کا قصہ بیچ میں نہ لائیں۔ لیکن دوسرے دن ہم دونوں وحشت اور فکر کے عالم میں تھے۔

شو کیا ... صبح کو خنیف کی اس وکیل سے بات‌چیت ہوئی

جو ان کے مقدمے کی پیروی کر رہا تھا۔ وکیل نے ان سے کہا کہ پرنس سے اس کی ملاقات ہوئی تھی اور اگرچہ اسٹیفکا کی حد پر پرنس کا قبضہ رہے گا تاہم "بعض خاص قسم کے خاندانی معاملات کی بنا پر،" اس کا فیصلہ ہے کہ بڑے میاں کے نقصان کی تلافی کی جائے اور دس ہزار روبل کی رقم چھوڑ دی جائے۔ بڑے میاں وکیل کے پاس سے سیدھے میرے یہاں پہنچے، حواس‌باختہ، غصے سے آگ بگولہ، آنکھیں ابلی ہوئی۔ مجھے آواز دی اور نہ جانے کیوں، فلیٹ سے باہر زینے پر بلایا اور کہا کہ میں ابھی فوراً جاؤں اور پرنس کو ان کی طرف سے ڈوئل کا چیلنج سنا دوں۔ میں یہ سن کر ایسا بدحواس ہوا کہ میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور دیر تک عقل ٹھکانے نہ آئی۔ میں نے کوشش کی کہ ان کو سمجھاؤں بجھاؤں مگر بڑے میاں پر ایسا غضب کا طیش سوار تھا کہ انہیں دل کا دورہ پڑتے پڑتے رہ گیا۔ میں مکان کے اندر گیا کہ جا کر پانی کا گلاس لے آؤں مگر جب میں واپس آیا تو بڑے میاں زینے پر موجود نہ تھے۔

دوسرے دن میں پھر ان سے ملنے گیا مگر وہ مکان پر بھی موجود نہ تھے۔ پورے تین دن تک غائب رہے۔ کہیں پتہ نہ چلا۔

تیسرے دن ہمیں پتہ چلا کہ واقعہ کیا ہوا۔ وہ میرے ہاں سے نکل کر سیدھے پرنس کی طرف تیزی سے روانہ ہوئے۔ وہ گھر پر نہیں ملا تو اس کے نام رقعہ چھوڑ آئے۔ اس رقعے میں لکھا تھا کہ وکیل کی زبانی ان کو پرنس کے الفاظ پہنچ گئے ہیں۔ وہ ان الفاظ کو اپنی انتہائی سخت ذلت سمجھتے ہیں اور پرنس کو کمینہ پاجی۔ اس تمام قصے کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ پرنس کو ڈوئل کا چیلنج دیتے ہیں اور خبردار کرتے ہیں کہ اگر اس نے چیلنج قبول کرنے سے انکار کیا تو اچھا نہ ہوگا، پبلک میں اس کی رسوائی کی جائے گی۔

آنا اندریئونا نے مجھے بتایا کہ ان کے شوہر بڑی بدحواسی میں، ایسے ٹوٹے ہوئے گھر پہنچے کہ فوراً بیمار ہو کر بستر پر پڑ گئے۔ بیوی کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آتے رہے تھے لیکن ان کے سوالوں کا جواب مشکل ہی سے دیتے تھے اور سخت بے‌قراری کی تپش میں کسی بات کا انتظار تھا۔ دوسرے دن ڈاک سے ایک خط آیا۔ خط پڑھتے ہی وہ زور سے چیخ پڑے اور اپنا سر پکڑ لیا۔

آنا اندریئونا خوف و دہشت کے مارے سناٹے میں رہ گئیں۔ لیکن بڑے میاں نے لپک کر بند ہیٹ اٹھایا، چھڑی سنبھالی اور گھر سے نکل گئے۔

یہ خط پرنس کا تھا۔ مختصر لفظوں میں، روکھےپن سے اور تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے اس نے اخمنیف کو اطلاع دی تھی کہ وکیل سے اپنے لفافہ کے بارے میں وہ کسی کے سامنے بھی جوابدہ نہیں سمجھتا۔ اور مقدمہ ہار جانے پر اگرچہ اسے اخمنیف سے بہت ہمدردی ہے لیکن اس ہمدردی کے باوجود جس شخص کو مقدمے میں شکست ہوئی ہے، اس کے لئے یہ معقول خیال نہیں کرتا کہ وہ اپنے حریف سے انتقامی کارروائی کے طور پر ڈوئل کے چیلنج کا مجاز سمجھا جائے۔ اب رہا ”پبلک میں رسوائی یا ذلیل کا سوال“ جس کی دھمکی دی گئی ہے تو اخمنیف صاحب سے عرض ہے کہ وہ اس کی مطلق فکر نہ کریں کیونکہ کسی قسم کی کبھی توہین نہیں ہوگی اور نہ ہو سکتی ہے۔ ان کا خط افسران متعلقہ کی خدمت میں فوراً بھیج دیا جائے گا اور پولیس شروع سے ہی خبردار ہوکر بلاشبہ وہ اقدام کرے گی جو امن وانتظام برقرار رکھنے کے لئے مناسب ہیں۔

خط ہاتھ میں لئے ہوئے اخمنیف فوراً پرنس کی طرف روانہ ہوگئے۔ پرنس پھر مکان سے باہر تھا۔ بڑے میاں کو دربان سے پتہ چلا کہ شاید کاؤنٹ ”ن“ کے ہاں گیا ہوا ہے۔ وہ تیزی سے اس طرف ہو لئے۔ کاؤنٹ کے خدمتگار نے انہیں زینے پر چڑھتے ہوئے روک دیا۔ ان کے غصے کا پارہ تو بے حد چڑھ ہوا تھا اور بڑے میاں نے اس کے ایک چھڑی رسید کر دی۔ اس پر فوراً انہیں کس لیا گیا اور حویلی سے باہر کھینچ کر پولیس افسر کے حوالے کردیا گیا جس نے لے جاکر تھانے میں بند کردیا۔ کاؤنٹ کو خبر ہوئی۔ پرنس وہاں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس نے بوڑھے عیاش کاؤنٹ سے بیان کیا کہ یہ وہی اخمنیف ہے اسی نتاشا نکولائیونا کا باپ (پرنس بعض خاص قسم کی کارروائیوں میں کاؤنٹ کی خدمات خصوصی انجام دے چکا تھا) تو بزرگوار بڑے میاں یہ سن کر صرف مسکرا دئیے اور واقعے کی کوئی خاص حیثیت نہ رہی۔ حکم صادر ہوا کہ اخمنیف کو حوالات سے رہا کر دیا جائے۔ لیکن رہائی کہیں جاکر تیسرے دن ہوئی جب (خود پرنس کا حکم ضرور ہوگا اس

میں) انہیں اطلاع دی گئی کہ پرنس نے بذات خود کاؤنٹ صاحب سے منت کی کہ بڑے میاں کی خطا معاف کر دی جائے۔

بڑے میاں جب گھر واپس آئے تو جنون کے سے آثار تھے۔ ایسے ہی وہ بستر پر گر پڑے اور گھنٹہ بھر تک بے حس و حرکت پڑے رہے۔ بالآخر وہ آدھے اٹھ کر بیٹھے اور آنا اندریئونا دہشت کے مارے ڈھل کر رہ گئیں جب شوہر نے علی الاعلان کہا کہ انہوں نے بیٹی کو ہمیشہ کے لئے عاق کیا اور پدرانہ شفقت اور دعا سے ہمیشہ ہمیشہ کو محروم کر دیا۔

آنا اندریئونا بالکل سن ہو گئیں لیکن بوڑھے شوہر کی مدد کرنا بھی ضروری تھا۔ اور اگرچہ خود ان کے ہوش وحواس بجا نہ تھے تاہم سارے دن اور قریب قریب ساری رات ان کی خدمت کرتی رہیں — سر کو سرکے سے تر کرکے اس پر برف کی پوٹلی رکھتی رہیں۔ بڑے میاں کو تیز بخار تھا اور سرسامی حالت تھی۔ رات گئے دو بجے کا عمل ہوگا جب میں ان سے رخصت ہوکر چلا۔ لیکن دوسرے دن صبح کو اخمنیف بستر سے اٹھے اور اسی روز میرے پاس آئے تاکہ نیلی کو بیٹی بناکر لے جائیں۔ نیلی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔ اس واقعے نے انہیں بالکل ہی موڑ کر رکھ دیا اور گھر واپس آتے ہی وہ بستر پر گر گئے۔ یہ ایسٹر کا آخری جمعہ تھا یعنی وہ دن جب کاتیا اور نتاشا کی ملاقات ہونے والی تھی اور جس کے ایک دن بعد الیوشا اور کاتیا کو شہر پیٹرسبرگ سے باہر چلا جانا تھا۔ میں اس خاص ملاقات کے وقت وہاں موجود تھا — دن کو بہت سویرے ان دونوں کی ملاقات ہوئی جبکہ اخمنیف ابھی آئے نہیں تھے اور نیلی پہلی بار میرے ہاں سے فرار نہ ہوئی تھی۔

چھٹا باب

الیوشا گھنٹہ بھر پہلے نتاشا سے کہنے آچکا تھا اور میں عین اس وقت پہنچا جب کاتیا کی گاڑی پھاٹک کے نزدیک رکی۔ کاتیا ایک عمر رسیدہ فرانسیسی عورت کے ساتھ آئی تھی جو بہت سمجھانے بجھانے اور منانے کے بعد اور کافی ہچکچاہٹ کے بعد بمشکل اس کے ساتھ آنے کو تیار ہوئی تھی اور اس پر رضامند ہو گئی تھی

کہ اسے نتاشا کے ہاں اکیلا جانے دے گی مگر ایک شرط کے ساتھ کہ الیوشا کتیا کے ساتھ ساتھ رہے اور وہ خود گاڑی میں بیٹھی انتظار کرتی رہے۔ کاتیا نے مجھے اشارہ کیا اور گاڑی سے اترے بغیر مجھ سے کہا کہ الیوشا کو نیچے بلا دوں۔ میں پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ نتاشا رو رہی ہے اور الیوشا بھی رو رہا ہے۔ یہ سن کر کہ کاتیا پھاٹک کے پاس پہنچ گئی ہے وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی، آنسو پونچھ ڈالے اور بے تابی کے ساتھ دروازے کے سامنے کی جگہ پر کھڑی ہو گئی۔ اس روز وہ سر سے پیر تک سفید لباس میں تھی۔ اس کے سیاہی مائل سنہرے بال نہایت سلیقے سے پیچھے کی طرف کنگھی کئے ہوئے تھے اور گھنے لچھے کی طرح پڑے تھے۔ مجھے اس کے بال بنانے کی یہ ادا بہت دلکش لگتی۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کے پاس ٹھیر رہا ہوں تو بولی کہ میں بھی باہر جاؤں اور مہمانوں کا استقبال کروں۔

"نتاشا کے ہاں میں پہلے نہیں آسکی،" کاتیا زینے پر چڑھتے ہوئے مجھ سے کہہ رہی تھی۔ "اس قدر مجھ پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی کہ توبہ ہے۔ میں مادام البرٹ کو پورے دو ہفتے سے منا رہی تھی اور آخر وہ بمشکل راضی ہوئی ہیں۔ آپ تو، ایوان پتروویچ، ایک دفعہ بھی مجھ سے ملنے نہ آئے۔ میں بھی آپ کو کچھ لکھ نہ سکی، اور میرا دل بھی نہ چاہا لکھنے کو۔ خط میں کوئی بات صاف صاف نہیں لکھ سکتے۔ آپ سے ملنے کو بہت ہی جی چاہتا تھا... توبہ ہے۔ دل کیسا دھڑک رہا ہے..."

"کھڑی سیڑھیاں ہیں،" میں نے جواب دیا۔

"جی ہاں... سیڑھیاں بھی... بتائیے تو آپ کا کیا خیال ہے؟ نتاشا مجھ سے ناراض تو نہ ہوں گی؟"

"نہیں۔ کیوں؟"

"ہاں، واقعی۔ بھلا کیوں... کیوں ناراض ہوں گی؟ خیر، میں خود ابھی دیکھ لیتی ہوں۔ پوچھنا کیا؟..."

میں نے سہارا دینے کو اپنا بازو بڑھایا۔ وہ زرد پڑی ہوئی تھی اور مجھے یقین ہے کہ وہ بہت گھبرائی ہوئی بھی تھی۔ آخری موڑ پر وہ سانس لینے رکی لیکن مجھ پر نظر ڈال کر اس نے ہمت کی اور اوپر چڑھتی چلی گئی۔

دروازے پر پھر ایک بار وہ ٹھیری اور مجھ سے زیرلب بولی:

"میں سیدھے اندر چلی جاؤں گی اور کہوں گی کہ مجھے آپ پر اس قدر اعتبار تھا کہ آتے ہوئے ڈری نہیں... مگر میں یہ سب باتیں کیوں کر رہی ہوں، کیا حاصل؟ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ نتاشا بہت ہی شریف ذات ہیں۔ ہیں نا؟"

وہ ایسی جھجکی دبی اندر داخل ہوئی گویا اس سے کوئی قصور ہو گیا ہو اور نتاشا کو اس نے گہری نظر سے دیکھا۔ نتاشا اس پر فوراً مسکرا دی۔ پھر کاتیا اس کی طرف تیزی سے بڑھی، نتاشا کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور اپنے بھرے بھرے ہوئے حسین ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ دئے۔ اس کے بعد نتاشا سے ایک لفظ کہے بغیر وہ سنجیدگی سے بلکہ سختی سے الیوشا کی طرف بڑھی اور اس سے کہا کہ ہم دونوں کو آدھ گھنٹے کے لئے اکیلا چھوڑ دو۔

"برا مت ماننا، الیوشا،" اس نے کہا۔ "یہ میں صرف اس غرض سے چاہتی ہوں کیونکہ مجھے اور نتاشا کو بہت سے مسائل پر باتیں کرنی ہیں۔ ایسے بہت سے خاص سوال اور سنجیدہ معاملے ہیں جن کی بھنک تمہارے کان میں نہیں پڑنی چاہئے۔ بھلے آدمی بنو اور ذرا کھسک جاؤ یہاں سے، مگر آپ ٹھیرئے، ایوان پتروویچ۔ آپ کو ہماری تمام گفتگو سننی چاہئے۔"

"آئیے، بیٹھ جائیں،" الیوشا کمرے سے باہر جا چکا تو اس نے نتاشا سے کہا۔ "میں ایسے بیٹھوں گی آپ کے سامنے۔ پہلے میں آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"

وہ بالکل نتاشا کے آمنے سامنے بیٹھ گئی اور چند منٹ تک اسے غور سے دیکھتی رہی۔ نتاشا نے ایک بے اختیار مسکراہٹ سے اس کا جواب دیا۔

"میں آپ کا فوٹو تو پہلے دیکھ چکی تھی۔ الیوشا نے مجھے دکھایا تھا،" کاتیا نے کہا۔

"اچھا تو فوٹو ملتا جلتا ہے مجھ سے؟"

"نہیں آپ فوٹو سے بہتر ہیں،" کاتیا نے قطعیت اندازِ میں اور وقار کے ساتھ جواب دیا۔ "اور مجھے اسی کا یقین تھا کہ آپ اپنی تصویر سے بہتر ہوں گی۔"

"واقعی؟ اور خود آپ پر سے میری نگاہ نہیں ہٹتی، کس قدر حسین ہیں آپ!"

"میں اور حسین! نہیں، میری دوست..." اس نے کہا اور

نتاشہ کا ہاتھ اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر دونوں ایک
دوسرے کو غور سے دیکھتی ہوئی خاموش ہو گئیں۔ ''میری
دوست، آپ کو ایک بات بتا دوں'' کاتیا نے خاموشی کی مہر توڑی۔
''ہمارے پاس ملاقات کا صرف آدھ گھنٹہ ہے۔ مادام البرٹ اس پر
بھی بمشکل راضی ہوئی ہیں اور معاملات بہت سے ہیں جن پر ہمیں
سنجیدہ خیال کرنا ہے... میں چاہتی ہوں... مجھے چاہئے کہ... خیر
تو آپ سے سیدھے سبھاؤ پوچھنا یہ تھا کہ کیا آپ الیوشا کو بہت
زیادہ چاہتی ہیں؟''

''جی ہاں۔ بہت زیادہ۔''

''اگر یہ بات ہے... اگر واقعی الیوشا سے آپ کو بہت محبت
ہے... تو... پھر آپ کو اس کی خوشی کا بھی بہت خیال ہوگا...''
اس نے گویا زیرلب دبے انداز میں کہا۔

''جی ہاں۔ میں اسے خوش و خرم دیکھنا چاہتی ہوں...''

''اچھا، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا میں اسے خوش رکھ
سکوں گی؟ کیا مجھے اس طرح کی بات کرنے کا حق پہنچتا ہے جبکہ
میں اسے آپ سے چھڑا کر لے جا رہی ہوں۔ اگر آپ سمجھتی ہیں
اور ہم دونوں اس فیصلے پر پہنچتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ زیادہ
خوش رہے گا تو پھر... پھر یہ ہے کہ...''

''مگر اس کا فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے، کاتیا پیاری۔
آپ خود دیکھ سکتی ہیں کہ یہ معاملہ طے ہو چکا ہے'' نتاشا نے
نرمی سے جواب دیا اور اپنا سر جھکایا۔ گفتگو کو جاری رکھنا
اسے بہت بھاری پڑ رہا تھا۔

میرا خیال ہے کہ کاتیا اس سوال پر لمبی چوڑی بحث کرنے کو
تیار تھی کہ ان دونوں میں سے کون الیوشا کو خوش رکھ سکے گی
اور کس کو دستبردار ہو جانا چاہئے۔ لیکن نتاشا کے جواب
کے بعد وہ پورا سمجھ گئی کہ ہر بات بہت دن پہلے فیصل ہو
چکی ہے اور اب بحث کرنے کو کچھ نہیں رہا۔ ادھ کھلے لبوں
سے وہ نتاشا کو سہمی تکتی رہی۔ دل پر بوجھ سا اور دماغ معطل۔
ابھی تک وہ نتاشا کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔

''اور کیا آپ اسے بہت چاہتی ہیں؟'' نتاشا نے ایک دم سے
سوال کیا۔

''جی ہاں۔ لیکن ایک بات اور ہے جو میں آپ سے پوچھنا

چاہتی تھی۔ ایک حد تک اسی وجہ سے میں آئی بھی۔ مجھے یہ
بتائیے کہ الیوشا میں کیا بات ہے جس کی بنا پر آپ اس سے محبت
کرتی ہیں؟''

''میں نہیں جانتی'' نتاشا نے جواب دیا۔ اور اس کی آواز میں
ناگوار بےچینی جھلک رہی تھی۔

''کیا آپ سمجھتی ہیں کہ وہ ذہین ہے؟'' کاتیا نے پوچھا۔

''جی نہیں۔ میں تو صرف محبت کرتی ہوں...''

''اور میں بھی۔ ہمیشہ مجھے اس پر ترس آتا ہے۔''

''اور مجھے بھی'' نتاشا نے جواب دیا۔

''اب اس کا کیا کرنا چاہئے؟ اور آپ کو وہ میری خاطر
چھوڑ کیسے سکے گا، یہ سمجھ میں نہیں آتا!'' کاتیا نے زور سے کہا۔
''اب جبکہ میں آپ سے مل چکی ہوں، یہ بات میری سمجھ سے بالکل
باہر ہے!''

نتاشا زمین کو گھور رہی تھی، اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
کاتیا ذرا دیر تو خاموش رہی پھر ایک دم کرسی سے اٹھی اور
نتاشا کو آہستہ سے بازوؤں میں لے لیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو
گلے لگایا اور آنسو بہائے۔ کاتیا اس کرسی کے بازو پر بیٹھ گئی
جس پر نتاشا بیٹھی تھی۔ وہ برابر اس سے لپٹ چمٹ رہی تھی۔ اب
اس کے ہاتھ چومنے لگی۔

''کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ میں آپ سے کتنا پیار کرتی
ہوں!'' اس نے روتے ہوئے کہا۔ ''آئیے، ہم دونوں بہنیں بن جائیں
اور ہمیشہ ایک دوسرے سے خط و کتابت رکھیں... میں آپ سے
ہمیشہ محبت کرتی رہوں گی... اس قدر مجھے آپ سے محبت ہے...
اس قدر کہ...''

''کیا اس نے آپ سے کہا کہ جون میں ہماری شادی ہونے والی
ہے؟'' نتاشا نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ کہا تو۔ اور یہ بھی کہ آپ اس پر راضی ہیں۔
خیر، یہ سب تو بس... صرف اس کا جی بہلانے کو ہے، ورنہ...''

''ہاں، اور کیا۔''

''میں بھی سمجھتی ہوں۔ میں اس سے صحیح معنوں میں
محبت کروں گی، نتاشا، اور آپ کو ہر بات خط میں لکھتی رہوں گی۔
معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب وہ میرا شوہر ہو جائے گا۔ ایسا ہی

نثار آتا ہے اور سپیوں کی زبان پر بھی ایک بات ہے۔ پیاری نتاشا، اب تمہیں جدا ہونا پڑے گا... اپنے گھر ہی جاؤگی؟،،

نتاشا نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف اسے زور سے پیار کر لیا۔

''خوش رہو!،، نتاشا نے کہا۔

''اور آپ... آپ بھی... خوش رہئے،، کاتیا نے کہا۔

عین اسی وقت دروازہ کھلا اور الیوشا داخل ہوا۔ اس سے پورے آدھ گھنٹے بھی انتظار نہ ہو سکا تھا۔ اس نے ان دونوں کو بازو میں بازو ڈالے اور روتے دیکھا تو وہ بے دم ہوکر غم کے مارے دونوں کے سامنے گھٹنوں کے بل سرنگوں ہو گیا۔

''اب تمہیں رونا کس بات کا ہے؟،، نتاشا نے اس سے سوال کیا۔ ''اس بات کا کہ مجھ سے جدا ہو رہے ہو؟ مگر بہت عرصے کی جدائی تو ہے نہیں۔ تم جون تک واپس آجاؤگے ہے نا؟،،

''اور پھر تمہاری شادی ہو جائےگی،، کاتیا نے آنسوؤں کے درمیان کہا تاکہ الیوشا کو اطمینان رہے۔

''مگر میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا، ایک دن کے لئے بھی نہیں چھوڑ سکتا، نتاشا۔ میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا... تمہیں پتہ نہیں کہ میرے لئے تمہاری ہستی کتنی بیش قیمت ہے! خاص طور سے اس وقت!...،،

''اچھا تو ایک تدبیر ہے، تم یہ کر سکتے ہو،، نتاشا نے اچانک جوش میں آکر کہا۔ ''کاؤنٹیس تھوڑے دن ماسکو میں ٹھیریں گی — ہے نا؟،،

''ہاں۔ ایک ہفتہ قریب قریب،، کاتیا نے لقمہ دیا۔

''ایک ہفتہ۔ تو پھر اس سے بہتر کیا — تم انہیں کل ماسکو پہنچانے جاؤگے، اس میں صرف ایک دن لگےگا، اور پھر تم فوراً یہاں واپس آسکتے ہو۔ اور جب وہ لوگ ماسکو سے روانہ ہونے لگیں گے تو ہم دونوں مہینہ بھر کے لئے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہیں گے اور تم ان کے ساتھ جانے کے لئے ماسکو روانہ ہو جاؤگے۔،،

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک... اور چار دن تم دونوں کو ساتھ رہنے کے مل جائیں گے،، کاتیا نے خوش ہوکر کہا اور نتاشا سے معنی خیز نظریں چار کیں۔

میں بیان نہیں کر سکتا کہ الیوشا اس نئی سبیل نکل آنے پر کس قدر جھوم اٹھا۔ ایک دم اس کے دل کو تسلی ہو گئی۔

چہرہ خوشی کے مارے جگمگانے لگا۔ اٹھ کے اس نے نتاشا کو سینے لگایا، کاتیا کے ہاتھ چومے اور مجھ سے لپٹ گیا۔ نتاشا نے ایک غمزدہ تبسم کے ساتھ دیکھنے لگی لیکن کاتیا اس کی تاب نہ لا سکی۔ اس نے ایک نگاہ گرم و تابناک میری طرف کی، نتاشا کو گلے لگایا اور چلنے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔ فرانسیسی مادام نے عین اسی وقت آدمی کو اوپر بھیجا یہ کہلوانے کے لئے کہ آدھ گھنٹے کی جو شرط تھی وہ پوری ہو گئی، بس اب بات چیت ختم ہونی چاہئے۔

نتاشا اٹھی۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے، ہاتھوں میں ہاتھ لئے کھڑی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ آنکھوں آنکھوں میں وہ سب کچھ کہہ دینے کی کوشش کر رہی ہیں جو ان کی روحوں میں سمٹا ہوا ہے۔

''اب ہم دونوں کی ملاقات کبھی نہ ہوگی گویا،، کاتیا نے کہا۔

''کبھی نہیں، کاتیا،، نتاشا نے جواب دیا۔

''اچھا تو اب ہم ایک دوسرے کو خدا حافظ کہیں۔،،

دونوں گلے ملنے لگیں۔

''مجھے کوسنا نہیں،، کاتیا نے جلدی سے زیرلب کہا۔ ''میں ہمیشہ... آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں... وہ ہمیشہ خوش رہےگا۔ آؤ الیوشا، مجھے نیچے لے چلو!،، اس نے الیوشا کا بازو تھامتے ہوئے جلدی سے کہا، ایسے کہ آواز لبوں میں رہ گئی۔

''وانیا!،، نتاشا نے ان لوگوں کے رخصت ہو جانے کے بعد مجھ سے کہا۔ اس کے دل میں ہلچل مچی تھی اور وہ مصیبت میں تھی۔ ''تم بھی چلے جاؤ... اور اب واپس نہ آنا۔ الیوشا شام تک میرے پاس رہےگا، آٹھ بجے تک۔ مگر اس کے بعد نہیں ٹھیرےگا۔ میں اکیلی رہ جاؤں گی... کوئی نو بجے آنا۔ آجانا مہربانی کرکے!،،

جب شام کو نو بجے نیلی کو الکساندرا سیمیونونا کے پاس چھوڑ کر (جبکہ پیالی ٹوٹنے کا واقعہ ہو چکا تھا) میں نتاشا کے ہاں پہنچا تو وہ بالکل اکیلی تھی اور بے صبری کے ساتھ میرا انتظار کر رہی تھی۔ ماورا سماوار اندر لے آئی۔ نتاشا نے مجھے چائے کی پیالی بنا کر دی، خود صوفے پر بیٹھ گئی اور مجھے اشارہ کیا کہ اور نزدیک کھسک آؤں۔

''ہاں تو سارا قصہ تمام ہوا،، اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا نگاہ تھی، میں کبھی بھول نہیں سکتا۔

"سو یہ تھا ہماری محبت کا انجام۔ جیتے سہینے کی زندگی! اور باقی زندگی بیر کے بڑے"، نتاشا نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر کہا۔ اس کا ہاتھ جل رہا تھا۔ میں نے سمجھایا بجھایا کہ کوئی گرم کپڑا اوڑھ لو اور بستر پر جاکر لیٹ جاؤ۔

"ٹھیرو وانیا، دم لینے دو۔ میرے عزیز مہربان۔ ذرا میں یاد تو کر لوں، جو کچھ ہوا ہے اسے یاد تو کر لوں... لگتا ہے کہ میرے تو پرزے اڑ گئے... اب کل میں اس سے آخری بار ملوں گی، دس بجے... بالکل آخری بار!..."

"نتاشا، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تمہیں بخار چڑھ جائے گا... ذرا اپنی صحت کی فکر کرو..."

"خیر۔ تو وانیا جب سے وہ گیا ہے، آدھ گھنٹے سے، میں تو تمہاری راہ دیکھ رہی تھی اور جانتے ہو، سوچ کیا رہی تھی؟ کیا خیال ہے کہ میں اپنے آپ سے کیا سوال کر رہی ہوں گی؟ میں اپنے جی میں سوال کر رہی تھی — کیا واقعی مجھے اس سے محبت تھی؟ یا نہیں تھی؟ یہ ہم دونوں کی محبت تھی کیا چیز؟ کیوں، کیا سمجھتے ہو، وانیا کہ یہ بےوقوفی ہے اب میرا اپنے جی میں اس طرح کا سوال کرنا؟"

"اپنے آپ کو ہلکان مت کرو، نتاشا..."

"دیکھتے ہو وانیا۔ میں اب اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ میں اس سے برابر والے کی طرح پیار ہی نہیں کرتی تھی، جیسے کوئی عورت مرد سے پیار کرتی ہے۔ بلکہ مجھے اس سے ایسی محبت تھی کہ... ماں کی سی۔ اور مجھے تو لگتا ہے کہ دنیا میں کوئی محبت ایسی نہیں جہاں دونوں فریق برابر کے درجے پر ایک دوسرے کو چاہتے ہوں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

میں سے فکرمندی سے دیکھ رہا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے دماغ کو گرمی نہ چڑھ جائے، یہ اسی کے آثار نہ ہوں۔ کوئی چیز اسے اپنی گرفت میں لیتی ہوئی لگتی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بولتے چلے جانے پر مجبور ہے۔ اس کی زبان سے بعض الفاظ تک بےربط نکل رہے تھے۔ اور وہ بیشتر ملفظ ہیسے کرتی تھی کہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ مجھے اس کی طرف سے سخت اندیشہ ہو گیا۔

"وہ میرا تھا۔ قریب قریب اسی وقت سے جب میں پہلی بار اس سے ملی، ایک بےپناہ تمنا اس بات کی مجھ میں پیدا ہو گئی تھی کہ اسے میرا ہونا چاہئے، فوراً میرا بن جانا چاہئے۔ کسی اور کی طرف نظر اٹھاکے نہیں دیکھنا چاہئے۔ کسی اور کو سوائے میرے جاننا تک نہیں چاہئے — صرف مجھے... آج صبح کاتیا نے اس بات کو خوب بیان کیا: میں اس سے اس طرح محبت کرتی تھی گویا ہمیشہ اس پر ترس آتا ہو... جب میں اکیلی ہوتی تھی تو مجھ میں ہمیشہ سے یہ بےپناہ خواہش پیدا ہوتی تھی، خواہش کی ایک سخت کسک کہ وہ ہمیشہ خوش وخرم رہے، بےحد خوش رہے۔ اس کی صورت کو (تم جانتے ہو وانیا، کیا کیفیت برستی ہے اس کے چہرے پر) میں سکون کے ساتھ دیکھ نہ سکتی تھی۔ کسی کے بھی چہرے پر وہ بات نہیں ہے۔ اور جب وہ ہنس پڑتا تھا تو میں ٹھنڈی پڑجاتی تھی اور مجھے جھرجھری آجاتی تھی... سچ!..."

"نتاشا، سنو بات..."

"لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں"، اس نے میری بات کاٹی "اور... خود تم بھی کہہ چکے ہو کہ اس میں قوت ارادی نام کو نہیں، اور وہ... کچھ ایسا ذہین آدمی نہیں، بچے کی طرح ہے۔ مگر یہی ایک چیز تھی جو مجھے اس میں سب سے پیاری تھی... تمہیں یقین آئے گا اس کا؟ اگرچہ میں یہ بھی ٹھیک سے نہیں جانتی کہ صرف اسی بنا پر مجھے اس سے محبت تھی۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ اسے میں چاہتی تھی اور اگر وہ کسی طرح اس سے مختلف ہوتا مثلاً یہ کہ اس میں قوت ارادی ہوتی یا وہ ہوشیار اور ذہین ہوتا تو شاید میں اس سے یوں محبت نہ کر سکتی۔ جانتے ہو وانیا، میں تمہارے سامنے کسی بات کا اقرار کرنا چاہتی ہوں۔ تمہیں یاد ہے تین مہینے ہوئے جب ہمارا جھگڑا ہوا تھا جب وہ اس کے ہاں گیا تھا، کیا نام اس کا، منا... مجھے پتہ چل گیا، میں نے سراغ لگا لیا اور جانتے ہو کیا ہوا — مجھے سخت اذیت پہنچی مگر ساتھ ساتھ جیسے مزا بھی آیا... میں نہیں جانتی کیوں... یہ بات دل کو اچھی لگی کہ وہ بھی بڑوں کی طرح اور بڑے بڑوں کے ساتھ خوبصورت عورتوں کے گھر پھیرے کرنے لگا اور منا کے ہاں پہنچا! میں... کیا بتاؤں، اس جھگڑے میں مجھے کس قدر روحانی لطف ملا۔ اور پھر اسے معاف کر دینے میں بھی... ہائے میری جان!"

اس نے میرے چہرے پر نظر ڈالی اور عجیب سی ہنسی ہنس دی۔ پھر وہ اپنے خیالوں میں گم ہوگئی جیسے ابھی تک کچھ یاد کر رہی ہو اور دیر تک ایسے ہی بیٹھی رہی، چہرے پر مسکراہٹ اور بیتے دنوں کا دھیان۔

"اس کا تصور معاف کر دینا، مجھے بہت پسند تھا، وانیا،" وہ کہتی رہی۔ "جانتے ہو، جب وہ مجھے اکیلا چھوڑ جاتا تھا تو میں کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلا کرتی، رنج کرتی اور رویا کرتی۔ لیکن پورا مجھے خیال آتا: اچھا ہے، جتنا وہ قصوروار ٹھہرے اتنا ہی اچھا... ہاں! اور جانتے ہو، ہمیشہ اس کا تصور ایک چھوٹے سے لڑکے کی طرح میرے ذہن میں آتا کہ میں کرسی پر بیٹھی ہوئی ہوں، وہ اپنا سر میرے زانو پر رکھ دیتا ہے اور سو جاتا ہے۔ میں ہلکے ہلکے اس کا سر سہلا رہی ہوں، اسے تھپک رہی ہوں... جب وہ میرے پاس نہیں ہوتا تو اس کی یہ تصویر میرے پاس ہوتی ہے... میں کہتی ہوں، وانیا،" وہ ایک دم سے بولی "کاتیا بھی کیا پیاری لڑکی ہے!"

مجھے ایسا لگا جیسے وہ جان بوجھ کے اپنے زخم کرید رہی ہے، اور ایک طرح کا وفور شوق ہے، غم اور اذیت کا، جو اسے زخموں کے کریدنے پر مجبور کر رہا ہے... اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے جب کوئی شخص بہت سخت نقصان سے دوچار ہوتا ہے!

"مجھے یقین ہے کہ کاتیا اسے چین سے رکھ سکے گی۔ اس لڑکی میں کیرکٹر بھی ہے اور بات کرنے میں قوت فیصلہ بھی۔ اور الیوشا کے ساتھ وہ اس قدر سنجیدہ اور لئے دئے رہتی ہے اور اس سے ہمیشہ ایسی سوجھ بوجھ کی گفتگو کرتی ہے جیسے وہ خود بڑی بوڑھی ہو۔ حالانکہ ابھی خود بھی بچی ہی تو ہے! پیاری لڑکی، پیاری سی لڑکی! ہائے! مجھے امید ہے کہ وہ دونوں خوش رہیں گے۔ مجھے امید ہے، اسی کی امید ہے!..."

یک دم آنسوؤں کا طوفان اس کے دل سے ابل پڑا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آدھ گھنٹے تک یہی حال رہا اور ضبط نہ ہو سکا۔ بمشکل اسے کچھ کچھ قرار آیا۔

میری پیاری نتاشا! اس رات بھی حالانکہ خود اپنے غم میں مبتلا تھی مگر دوسروں کے حال سے، خود میرے معاملات سے اسے دلچسپی تھی۔ میں نے اس سے نیلی کے بارے میں بات کی تاکہ خیال بٹا سکوں جب میں نے دیکھا کہ اب اسے قرار آچلا ہے یا یوں کہوں کہ وہ روتے روتے تھک چکی ہے... ہم رات گئے ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ جب تک نتاشا سو نہ گئی میں وہیں ٹھہرا رہا اور چلتے وقت میں نے ماورا سے کہا کہ وہ اپنی دکھیا مالکن کو اکیلا نہ چھوڑے۔

"ہائے۔ جلدی تمام ہو یہ قصہ!" اپنے گھر واپس ہوتے ہوئے میرے منہ سے نکلا۔ "بس اب اس مصیبت کا خاتمہ ہی ہو جائے! چاہے کیسے ہی ہو، چاہے جو کچھ ہو۔ مگر اب جلدی سے یہ قصہ نمٹ جائے۔ نمٹ ہی جائے!"

دوسرے دن صبح ٹھیک دس بجے تھے کہ میں پھر نتاشا کے ہاں جا پہنچا۔ الیوشا بھی اسی وقت آیا... خدا حافظ کہنے۔ اس منظر کو میں بیان نہ کروں گا۔ اب اس کو دہرانا بھی نہیں چاہتا۔ نتاشا نے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود کو قابو میں رکھنے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور بظاہر وہ خوش خوش نظر آنا چاہتی تھی جیسے اس پر کوئی اثر نہ ہو۔ مگر یہ اس کے قبضہ قدرت سے باہر تھا۔ اس نے بےتحاشا اور بڑی بےقراری سے الیوشا کو کلیجے سے لگا لیا۔ کم بولی لیکن دیر تک سے آنکھیں بھر کے تکتی رہی، نتاشا کی نگاہیں دکھ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور بالکل کھوئی ہوئی۔ جو لفظ بھی الیوشا کے منہ سے نکلتا وہ بےصبری سے اسے سنتی مگر یہ بھی لگتا تھا کہ اس کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ الیوشا نے اس سے معافی مانگی۔ منت کی کہ اس محبت کو اور اس عرصے میں نتاشا کو جتنا صدمہ پہنچایا اس کو معاف کر دیا جائے۔ اس کی بےوفائیوں کو، کاتیا سے محبت کو... اور اس کی جدائی کو دل سے بھلا دیا جائے... وہ ٹوٹے ہوئے جملوں میں بول رہا تھا، گلا رندھا ہوا تھا۔ پھر وہ ایکدم نتاشا کو دلاسا دینے لگا، کہنے لگا کہ بس، ایک مہینے کے لئے جا رہا ہوں یا زیادہ سے زیادہ پانچ ہفتے تک جائیں گے گرمیوں میں لوٹ آؤں گا اور پھر نتاشا سے شادی ہو جائے گی۔ ابا جان بھی رضامند ہو جائیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پرسوں ماسکو سے پھر ایک بار آؤں گا اور پورے چار دن تک دونوں ساتھ رہیں گے۔ یعنی بس ایک دن کی جدائی ہے۔ عجیب بات ہے کہ اسے اپنے لفظوں کا پورا اعتبار تھا۔ تھا۔ سے

یقین تھا کہ ہاں ماسکو سے تیسرے دن وہ لوٹ آئے گا... تو پھر غمزدہ ہونے اور آنسو بہانے کا کیا سبب؟

آخر گھنٹے نے گیارہ بجائے۔ بمشکل میں نے اسے سمجھا بجھا کر چل دینے پر راضی کیا۔ ماسکو جانےوالی گاڑی دوپہر کو ٹھیک بارہ بجے جاتی تھی۔ صرف ایک گھنٹہ رہ گیا تھا۔ نتاشا نے بعد میں مجھ سے خود کہا کہ اسے یاد نہیں پڑتا کہ نگاہ واپسیں جو الیوشا پر جسے وقت ڈالی، وہ کیسی تھی۔ البتہ مجھے اتنا یاد ہے کہ نتاشا نے اس پر اشارے سے صلیب کا نشان بنا کر حضرت مسیح کی امان میں دیا، پیار کیا اور اپنا چہرہ ہتھیلیوں میں چھپا کر اندر کمرے میں بھاگ گئی۔ اور میں الیوشا کو نیچے بگھی تک پہنچانے گیا ورنہ یقین تھا کہ وہ لوٹ آتا اور نیچے جاتا ہی نہیں۔

"آپ ہی ایک ہماری امید ہیں" جب ہم نیچے جا رہے تھے تو وہ بولا۔ "وانیا، میرے دوست! میں نے تمہیں دکھ دیا اور ہرگز اس قابل نہیں کہ محبت کی امید رکھ سکوں لیکن آخر تک بھائی بندی نبھا دینا۔ نتاشا سے محبت کرنا۔ اسے چھوڑ نہ دینا۔ مجھے ہر بات لکھتے رہنا اور جتنا ممکن ہو تفصیل سے لکھنا۔ بہت چھوٹے چھوٹے حرفوں میں لکھنا تاکہ کاغذ میں زیادہ سے زیادہ عبارت سما سکے۔ پرسوں میں یقیناً یہاں پہنچ جاؤں گا۔ ضرور بالضرور۔ مگر اس کے بعد جب رخصت ہو جاؤں تو ضرور لکھتے رہنا!"

میں نے اسے گاڑی میں سوار کرا دیا۔

گاڑی چلی تو چلا کر بولا "پرسوں تک کے لئے رخصت! ضرور بالضرور!"

ڈوبے ہوئے دل کے ساتھ میں اوپر نتاشا کے پاس واپس گیا۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ باندھے کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ مجھے یوں دیدے پھاڑ کر دیکھنے لگی جیسے پہچانتی نہیں۔ بالوں کی لٹ ایک طرف کو ڈھلکی ہوئی تھی۔ آنکھیں خالی خالی اور سنسان۔ ماورا چوکھٹ کے پاس کھڑی سے تک رہی تھی جیسے دہشت زدہ ہو۔

ایک دم نتاشا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اف، تم ہو۔ تم!" وہ مجھے دیکھ کر چیخ پڑی۔ "اب اکیلے تم ہی رہ گئے ہو! تمہیں اس سے نفرت تھی نا! تم نے اسے میری محبت کی وجہ سے کبھی معاف نہ کیا!.. اور اب تم میرے

پاس رہ گئے! اور اب کیا ہے؟ تم اس لئے آئے ہو کہ مجھے پھر سے تسلی دو، سمجھاؤ بجھاؤ کہ میں ابا کے گھر واپس چلی جاؤں، جنہوں نے مجھے چھوڑ دیا، عاق کر دیا۔ میں جانتی تھی کہ یہی ہونےوالا ہے۔ کل جانتی تھی۔ دو مہینے پہلے جانتی تھی!.. میں اب جانا نہیں چاہتی۔ نہیں جاؤں گی! میں خود سے عاق کرتی ہوں!.. جاؤ بس چلے جاؤ! میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتی!.. چلے جاؤ، نکل جاؤ!"

مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس پر جنون سوار ہے اور میری صورت دیکھ کر اس کا پارہ دیوانگی کی حد تک چڑھ گیا ہے۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ ہاں یہی ہونا تھا اور مناسب معلوم ہوا کہ وہاں سے ٹل جاؤں۔ دروازے کے باہر سیڑھی پر میں جا بیٹھا اور انتظار کرتا رہا۔ اب تب میں اٹھتا، دروازہ کھولتا، ماورا سے اشارے میں بات کرتا اور پوچھ لیتا۔ ماورا روئے جا رہی تھی۔

اسی طرح کوئی ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ بیان نہیں کرتا کہ اتنی دیر میں خود مجھ پر کیا گزر گئی۔ دل ڈوبنے لگا اور اتھاہ درد کے مارے ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ ایکدم دروازہ کھلا اور نتاشا دوڑتی ہوئی نکلی۔ برساتی لئے اور ٹوپی لگائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ خود اسے اپنی حرکات کا ہوش نہ تھا اور بعد میں اس نے مجھے بتایا بھی کہ وہ واقعہ کچھ دھندلا سا یاد پڑتا ہے اور اسے خود خبر نہ تھی کہ کدھر دوڑی جا رہی ہے اور کس غرض سے۔

اس سے پہلے کہ میں سنبھل کر خود کو اس سے آڑ میں کر سکوں اچانک اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی اور وہ وہیں سن ہو کر رہ گئی میری نگاہوں کے سامنے۔ "مجھے ایک جھلک سی یاد آئی" نتاشا نے بعد میں مجھ سے بیان کیا "کہ بےدردی اور دیوانگی کے جوش میں تمہیں میں نے گھر سے نکال دیا تھا، تمہیں، تمہیں جو میرے پیارے بھی ہو، بھائی بھی اور پشت پناہ بھی! اور اس پر بھی جب میں نے دیکھا کہ تم، دکھیا، اتنی توہین کے بعد مجھے چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ سیڑھیوں پر بیٹھے اس کا انتظار کر رہے ہو کہ کب تمہیں پھر بلا لوں، اف، میرے پروردگار! کاش تمہیں خبر ہوتی، وانیا کہ اس وقت میری کیا حالت ہوئی تھی۔ ایسا لگا جیسے کسی نے دل پر خنجر مار دیا ہو.."

"وانیا، وانیا!" اس نے میری طرف دونوں ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"ارے، تم یہاں ہو!..." اور خود کو میرے بازوؤں میں ڈال دیا۔
میں نے نتاشا کو سنبھالا اور اٹھا کر کمرے میں لے گیا۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ "اب کیا کروں میں؟" میں نے سوچا۔ "اسے سرسام ہو جائے گا!"

طے کیا کہ دوڑا ہوا ڈاکٹر کو بلا لاؤں۔ مرض کے شروع میں ہی کچھ تدبیر کرنی چاہئے۔ اس میں زیادہ دیر تو لگے گی نہیں۔ میرے وہ بڑے میاں جرمن ڈاکٹر ۲ بجے تک گھر پر ہی رہا کرتے تھے۔ میں ان کی طرف دوڑا اور ماورا سے منت کی کہ وہ ایک منٹ، ایک لمحے کو بھی نتاشا کو چھوڑ کر نہ ہٹے اور اسے باہر نہ جانے دے۔ خدا نے مدد کی — اگر ذرا اور دیر ہو گئی ہوتی تو ڈاکٹر صاحب گھر پر ہاتھ نہ آتے۔ وہ گھر سے نکل کر سڑک پر آ ہی چکے تھے اور باہر جانے والے تھے کہ میں نے انہیں جا لیا۔ فوراً اپنی گاڑی میں بٹھایا اور اس سے پہلے کہ وہ معاملے پر حیرانی کا اظہار کر سکیں، انہیں لئے ہوئے میں تیزی سے نتاشا کے گھر روانہ ہوا۔

ہاں بس خدا نے ہی میری مدد کی! اس آدھ گھنٹے میں جب میں گھر پر نہیں تھا، نتاشا کو کچھ ہو گیا اور اندیشہ تھا کہ اس کی جان ہی نکل گئی ہوتی اگر میں ڈاکٹر کو لئے ہوئے عین موقع پر نہ آ پہنچا ہوتا۔ مجھے یہاں سے گئے پندرہ منٹ بھی نہ ہوئے ہوں گے کہ پرنس والکوفسکی مکان پر آ دھمکا۔ وہ سیدھا ریلوے اسٹیشن سے سب کو رخصت کر کے نتاشا کے ہاں چلا آیا تھا۔ شاید اس نے بہت پہلے سے منصوبہ بنا رکھا تھا آج کی اس وقت کی آمد کا۔ نتاشا نے بعد میں مجھ سے کہا کہ پہلے منٹ تو پرنس کو دیکھ کر مجھے تعجب تک نہ ہوا۔ "میرا دماغ ایسا گھوم رہا تھا" اس نے کہا۔

وہ نتاشا کے بالکل سامنے جم گیا اور اسے شفقت اور تشفی کی صورت بنا کر دیکھنے لگا۔

"عزیزہ" اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے کہا "میں آپ کے دکھ کو سمجھتا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ یہ وقت آپ پر کیسا گراں گزرے گا، اسی لئے آپ کے ہاں آیا۔ میں نے اپنا فرض سمجھا۔ اگر ہو سکے تو یہی کوشش کیجئے کہ ... سب بنا لیجئے اور اسی پر صبر کیجئے کہ تم خود ایلوشا سے دست بردار ہو کر آپ نے اس کی خوشی

کا سامان تو کر دیا۔ مگر آپ اس بات کو مجھ سے بہتر سمجھتی ہیں کیونکہ آپ نے اپنے اندر وہ ہمت اور عزم پایا کہ ایسے بڑے پن کا سلوک کر سکیں..."

"میں بیٹھی سنتی رہی" نتاشا نے بعد کو مجھے بتایا۔ "لیکن اول تو ایسا لگ رہا تھا کہ سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ بس یہ خیال پڑتا ہے کہ میں اسے بیٹھی تکتی رہی، تکتی رہی۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں میرا ہاتھ لے لیا اور دبا رہا۔ بظاہر اسے یہ حرکت بہت بھائی۔ اور میں اپنے غم سے ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ اتنا بھی خیال نہ آیا کہ اس سے ہاتھ چھڑا لوں۔"

"اب آپ نے دیکھ لیا" پرنس نے کہا "کہ اگر آپ الیوشا کی بیوی بن گئی ہوتیں تو وہ ایک دن آپ سے بیزار ہو جاتا۔ اور آپ میں یہ بات سمجھنے اور فیصلہ کرنے کے لئے کافی خودداری موجود تھی... لیکن میں اس لئے نہیں آیا کہ آپ کی تعریف کروں۔ میں تو آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھ سے بہتر سچا دوست آپ کو کبھی کہیں میسر نہ آئے گا۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے اور آپ کے حال پر ترس آتا ہے۔ میں اس سارے قصے میں خواہ مخواہ کو فریق بنا رہا ہوں لیکن سوال میرے فرض کی ادائگی کا تھا۔ آپ کا دل بڑا ہے، وہ اس بات کو سمجھے گا اور مجھ سے صلح کر لے گا... مگر آپ یقین کیجئے گا مجھ پر آپ سے بھی زیادہ سخت گزری ہے!"

"بس کیجئے، پرنس صاحب" نتاشا نے کہا۔ "مجھے چین لینے دیجئے۔"

"ضرور ضرور، میں ابھی چلا جاؤں گا" اس نے جواب دیا۔ "مگر آپ سے اپنی سگی بیٹی کی طرح محبت کرتا ہوں، مجھے یہ اجازت دیجئے کہ آتا رہوں اور آپ سے ملتا رہوں۔ مجھے اب اپنے باپ کی جگہ سمجھئے اور اجازت دیجئے کہ آپ کے کام آ سکوں۔"

"مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ بس مجھے اپنے حال پر اکیلا چھوڑ دیجئے" نتاشا نے پھر اس کی بات کاٹی۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ میں بڑی خودداری ہے... لیکن میں جو کہہ رہا ہوں، خلوص سے کہہ رہا ہوں، صدق دل سے۔ اب بتائیے، ارادہ کیا ہے آپ کا؟ والدین سے صلح صفائی کر لیجئے گا؟ یہ بہتر رہے گا۔ لیکن آپ کے والد بے انصاف، خود سر اور بے درد آدمی ہیں۔

معاف کیجئے گا لیکن حقیقت یہی ہے۔ اپنے گھر جائیں گی آپ تو کیا ملے گا سوائے لعنت ملامت اور دکھ کے!... مگر آپ کو آزادانہ زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اور یہ میرا اخلاقی فرض ہے، مقدس فرض ہے کہ آپ کا خیال رکھوں اور آپ سہارا دوں۔ الیوشا نے بھی مجھ سے یہی التجا کی ہے کہ آپ کو بے سہارا نہ چھوڑوں اور میل رکھوں۔ مگر میرے علاوہ اور بھی ہستیاں ہیں جنہیں آپ کا بہت خیال ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اجازت دیں گی کہ آپ کو کاؤنٹ 'ن' سے ملایا جائے۔ وہ بہترین طبیعت کے آدمی ہیں۔ ہمارے عزیزوں میں ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے سارے خاندان پر ان کے احسانات ہیں۔ الیوشا کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا۔ الیوشا کو ان کی ذات سے بڑی محبت اور عقیدت ہے۔ بڑے زبردست آدمی ہیں اور ان کے اثر رسوخ بہت ہیں۔ بزرگ عمر رسیدہ شخصیت ہے ان کی۔ آپ جیسی بن بیاہی نوجوان لڑکی کے لئے نہایت مناسب رہے گا کہ ان سے ربط ضبط قائم کریں۔ میں آپ کا ذکر ان سے پہلے ہی کر چکا ہوں۔ وہ آپ کی مدد کریں گے اور اگر آپ چاہیں تو اعلیٰ درجے کی حیثیت بنا دیں گے... اپنے عزیزوں میں سے کسی کے ساتھ۔ میں نے انہیں بہت زمانہ ہوا تھی ہمارے معاملات کا سارا حال صاف صاف اور تفصیل سے سنا دیا تھا۔ اور اب رحمدلی اور فیاضی کی بدولت ان کی بے تابی کا یہ حال ہے کہ خود مجھ سے اصرار کرتے رہتے ہیں کہ جتنی جلدی ممکن ہو ان کو آپ سے ملایا جائے... وہ ایسی ہستی ہیں جو ہر قسم کی صفت اور حسن کی قدر کرتے ہیں، آپ یقین کیجئے گا، ایک بزرگ آدمی، بڑا دل رکھنے والے، اونچی حیثیت کے، جو صحیح قدر و قیمت پہچان سکتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ ابھی چند روز پہلے ایک خاص معاملے میں آپ کے والد کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کر چکے ہیں۔"

نتاشا اچھل پڑی جیسے کسی نے ڈنک مار دیا ہو۔ اب وہ بالآخر اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

"مجھے رہنے دیجئے۔ بس، رہنے دیجئے، بس!" اس نے زور سے ڈانٹا۔

"مگر میری عزیز، آپ بھول رہی ہیں کہ کاؤنٹ آپ کے والد کے بھی کام آسکتے ہیں..."

"میرے باپ آپ سے کچھ نہیں لیں گے۔ آپ جاتے ہیں کہ نہیں؟..." نتاشا نے پھر ڈانٹا۔

"اف خدایا، کس قدر بے صبر اور بے اختیار آدمی ہیں آپ! میں نے ایسا کیا قصور کیا جس کا یہ بدلہ ہے؟" پرنس نے کسی قدر بے چینی سے ادھر ادھر نظر ڈال کر کہا۔ "بہرحال آپ مجھے اس کی اجازت تو دیجئے ہی" اس نے جیب سے نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی نکالتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "اس کی اجازت تو ہوگی کہ میں اپنی ہمدردی کا یہ ثبوت یہاں چھوڑ دوں اور خاص طور سے کاؤنٹ 'ن' کی ہمدردی کا ثبوت، جن کے حکم کی میں حرف تعمیل کر رہا ہوں۔ اس گڈی میں دس ہزار روبل ہیں۔ ذرا ٹھہرئیے، میری عزیز" اس نے گھبرا کر جلدی سے کہا جب دیکھا کہ نتاشا غصے میں بھری اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ "پوری بات ذرا ٹھنڈے دل سے سن لیجئے — آپ جانتی ہیں کہ آپ کے والد مقدمہ ہار گئے ہیں۔ یہ دس ہزار کی رقم ایک طرح سے نقصان کا ہرجانہ ہو جائے گی جو..."

"نکل جاؤ" نتاشا چیخ پڑی۔ "اپنا روپیہ اٹھا کر یہاں سے بھاگ جاؤ! میں تمہیں خوب سمجھتی ہوں! کمینے، پاجی — ذلیل آدمی!"

پرنس والکوفسکی کا غصے کے مارے رنگ فق ہو گیا اور وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ شاید یہ دیکھنے آیا تھا کہ اب زمین کیسی ہے، صورت حال کو کیسی طرح ناپ تول لیا جائے۔ اور بلاشبہ اسے ان دس ہزار روبل کی تاثیر پر بڑا بھروسہ تھا، نتاشا اس وقت مفلس، قلاش اور بے بس و بے کس تھی... اتنے کمینے پن اور جوڑ توڑ سے برس ایک سے زیادہ موقعوں پر کاؤنٹ "ن" جیسے عمر رسیدہ عیاش اور ہوس پرست کی اسی قسم کی خدمت انجام دے چکا تھا۔ لیکن اسے نتاشا سے نفرت تھی اور یہ دیکھ کر کہ اس کی کوئی پیش نہ گئی، اس نے فوراً اپنا لب و لہجہ بدل دیا اور ناپاک مسرت کے ساتھ نتاشا کی توہین کرنے میں عجلت کی تاکہ یہاں آنا مفت نہ جائے۔

"اب دیکھئے۔ یہ تو ٹھیک نہیں ہے، عزیزم کہ آپ اس طرح طیش میں آ گئیں" اس نے ذرا کانپتی ہوئی آواز میں کہا کیونکہ جو توقع وہ کرنے والا تھا اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے...

بے تاب تھا۔ ”اس سے کم نہیں جیسے گا۔ آپ کو سہارا دیا جا رہا ہے اور آپ ہیں کہ اپنی ناکو ٹیڑھی کئے لے رہی ہیں۔ آپ کو خود یہ احساس کیوں نہیں کہ الٹا شکرگزار ہونا چاہئے تھا میرا؟ میں آپ کو اس نوجوان لڑکے کے باپ کی حیثیت سے حوالات میں ڈلوا دیتا جسے آپ بگاڑ رہی تھیں اور نافرمان بنا رہی تھیں۔ مگر میں نے یہ نہیں کیا... کبھی، کبھی، کبھی!“

عین اسی وقت ہم کیبن میں داخل ہو رہے تھے۔ باورچی‌خانے میں ہی ہم کو آواز سنائی دی، آواز سن کر ہم وہیں ٹھٹک گئے، ڈاکٹر کو میں نے ایک لمحے کے لئے روکا اور پرنس کے آخری الفاظ کان میں پڑے۔ بعد میں اس کی نفرت انگیز ہنسی سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی نتاشا کی غمناک چیخ: ”اف پروردگار!“ میں نے ایک دم دروازہ کھول دیا اور پرنس پر لپکا۔

میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور پوری طاقت سے گال پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ وہ بھی جواب میں مجھ پر حملہ کرتا مگر یہ دیکھ کر کہ ہم دو آدمی ہیں دم دبا کر بھاگ نکلا اور چلتے چلتے نوٹوں کی گڈی میز پر سے اٹھا لی۔ جی ہاں، اس نے یہی حرکت کی۔ میں نے خود دیکھا اور باورچی‌خانے کی میز سے ایک بیلن پھینک کر مارا... اور جب میں کمرے میں دوڑ کر آیا تو دیکھا کہ ڈاکٹر نتاشا کو تھامے ہوئے ہے اور نتاشا جیسے مرگی کا دورہ پڑا ہے، بری طرح تڑپ رہی ہے۔ دیر تک ہم اسے سکون کی حالت میں نہ لا سکے۔ آخر، بستر پر لٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر ہذیان طاری تھا۔ بالکل جیسے دماغ کو گرمی چڑھ گئی ہو۔

”ڈاکٹر، اس کو کیا ہوا؟“ خوف کے مارے ہاتھ پاؤں چھوڑتے ہوئے میں نے پوچھا۔

”ذرا صبر کیجئے“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ”ذرا اور قریب سے دورے کی حالت کا اندازہ کر لوں پھر تشخیص کروں گا... مگر یہ بتا دوں کہ حالت خراب ہے۔ سرسام کی نوبت پہنچ سکتی ہے... خیر، بہرحال، کچھ تو تدبیر کی ہی جائے گی...“

مجھے ایک نئی تدبیر سوجھی۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ وہ دو تین گھنٹے نتاشا کے پاس رہیں اور وعدہ لے لیا کہ منٹ بھر کو بھی اسے چھوڑ کر نہ جائیں۔ انہوں نے وعدہ کیا اور میں گھر دوڑا ہوا گیا۔

نیلی ایک کونے میں سکڑی سمٹی اور پریشان بیٹھی تھی۔ اس نے مجھے عجیب نگاہ سے دیکھا، خود میں بھی عجیب حالت میں تھا۔ میں نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ صوفے پر بیٹھ گیا۔ زانو پر اس کو لے لیا اور خوب بھر کے پیار کرنے لگا۔ وہ سرخ ہو گئی۔

”نیلی، میری پیاری بچی!“ میں نے اس سے کہا۔ ”کیا تم ہم سب کو مصیبت سے نکالنے کو تیار ہو؟ کیا ہمیں بچانا چاہوگی؟“

وہ دیدے پھاڑ کر میرا منہ تکنے لگی۔

”نیلی، بس تم ہی ہماری آخری امید ہو! ایک باپ ہے — تم اس کو دیکھ چکی ہو، جانتی ہو۔ اس نے اپنی بیٹی کو عاق کر دیا ہے اور کل وہ یہاں آیا تھا کہ تمہیں گود لے لے۔ اب وہ نتاشا (جس کے بارے میں تم خود کہہ چکی ہو کہ تمہیں اس سے محبت ہے) اکیلی رہ گئی، وہ شخص جس سے اسے محبت تھی اور جس کی خاطر اس نے اپنے باپ کو چھوڑا تھا، اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ اس پرنس کا بیٹا ہے جو تمہیں یاد ہوگا کہ ایک شام مجھ سے ملنے آیا تھا، اس وقت تم گھر پر تنہا تھیں اور اسے دیکھ کر بھاگ گئی تھیں اور بعد میں بیمار پڑ گئی تھیں... تم اسے جانتی تو ہو نا؟ وہ بدذات آدمی ہے!“

”ہاں میں جانتی ہوں“ نیلی نے کانپتے ہوئے جواب دیا اور اس کا رنگ فق ہو گیا۔

”ہاں تو وہ بدذات آدمی ہے۔ اسے نتاشا سے اس لئے نفرت تھی کہ اس کا بیٹا نتاشا سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ الیوشا آج چلا گیا اور اس کے جانے کے گھنٹہ بھر بعد اس کا باپ نتاشا کے ہاں پہنچا۔ اس کی توہین کی، دھمکیاں دیں حوالات میں بند کرا دینے کی اور اس کا مذاق اڑایا۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات، نیلی؟“

اس کی سیاہ آنکھیں چمک اٹھیں مگر اس نے فوراً نگاہ جھکا لی۔

”میں سمجھتی ہوں“ نیلی نے اس طرح سے زیرلب کہا کہ مشکل سے سنائی دیتا تھا۔

”اب نتاشا اکیلی رہ گئی ہے اور بیمار ہے۔ جب میں تمہارے پاس آنے لگا تو اسے اپنے ڈاکٹر کے ساتھ چھوڑ آیا۔ سنو، نیلی — ہمیں نتاشا کے باپ کے پاس چلنا چاہئے۔ تم اس شخص کو پسند نہیں کرتی ہو اور اس کے ہاں جانا بھی نہیں چاہتی تھیں مگر

اب مجھے ور تمہیں مل کر ان کے یہاں چلنا ہوگا۔ میں جاؤں گا
اور کہہ دوں گا کہ اب تم ان کے گھر رہنے کو اور بیٹی
بن کر رہنے کو تیار ہو۔ بڑے میاں بیمار ہیں کیونکہ انہوں
نے نتاشا کو عاق کیا اور ادھر سے الیوشا کے باپ نے ان کی بڑی
دو دن ہونے بڑی جان لیوا توہین کی ہے۔ اب وہ بیٹی کا نام بھی
سننے کو تیار نہ ہوں گے مگر وہ آج بھی اس سے محبت کرتے ہیں
اور بہت چاہتے ہیں اور اس سے میل کر لینے کو آمادہ ہیں۔
مجھے خبر ہے نیلی، سب خبر ہے مجھ کو! ٹھیک یہی بات ہے!..
سن رہی ہو، نیلی؟"

"سن رہی ہوں" اس نے ویسے ہی بہت آہستہ سے کہا۔

میں نیلی سے باتیں کر رہا تھا مگر میرے چہرے پر آنسوؤں
کا سیلاب جاری تھا۔ نیلی مجھے دبی دبی نظر سے دیکھے جا
رہی تھی۔

"تم کو میری بات کا یقین ہے نہیں؟"

"ضرور۔"

"اچھا تو اب میں تمہیں لے کے چلوں گا اور وہ لوگ تمہیں قبول
کریں گے، مہربانی اور خوش خلقی سے تمہاری آؤ بھگت کریں گے، تم
سے سوال کرنا شروع کریں گے۔ تب میں گفتگو کو ایسے
موڑوں گا کہ وہ تم سے تمہاری پچھلی زندگی کے بارے میں پوچھ
گچھ کرنے لگیں گے۔ ماں اور نانا کے بارے میں۔ نیلی، انہیں تم سب کچھ
کہہ سنانا، ٹھیک ایسے جیسے مجھے سنایا تھا۔ بلاتکلف ایک ایک بات ان
کے آگے بیان کر دینا، کچھ رہ نہ جائے۔ انہیں تم بتانا کہ کیسے تمہاری
ماں کو ایک بدطینت آدمی نے چھوڑ دیا تھا اور وہ بیسووا کے تہہ خانے
میں آ کر مر گئی، کیسے تم اور تمہاری ماں مل کر گلی گلی بھیک
مانگتے پھرے اور مرتے وقت ماں نے تم سے کیا کیا وصیتیں کیں...
انہیں اپنے نانا کے متعلق بھی بتانا کہ وہ تمہاری ماں کو کسی طرح
معاف کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور آخری وقت ماں نے تمہیں
بھیج کر ان کو بلوایا تھا تاکہ قصور معاف کرا لیں اور اس وقت
بھی انہوں نے انکار کر دیا... اور پھر وہ کس حال میں مری ہیں۔
تم ان کو ایک ایک ذرہ بتا دینا، سب کچھ سنانا! جب تم کہہ چکو گی
تو بڑے میاں کے دل پر بھی اس کا اثر ہوگا۔ دیکھتی ہو، ان کو

معلوم ہے کہ الیوشا اسے چھوڑ کر چلا گیا اور اب وہ بے سہارا رہ
گئی ہے۔ اس کی ذلت ہوئی، رسوائی ہوئی۔ اب وہ بے بس،
بے یار و مددگار ہے اور اپنے دشمن کے رحم و کرم پر پڑی ہے۔
انہیں سب خبر ہے... نیلی تم نتاشا کو بچا لو! بتاؤ، جاؤ گی..."

"جی ہاں" نیلی نے لمبا سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور مجھے
عجیب نگاہ سے دیر تک غور سے دیکھا۔ اس نگاہ میں کوئی شے
تھی جس میں ملامت جھلکتی تھی، اور میں نے اس کی کسک اپنے
سینے میں محسوس کی۔

تاہم میں اپنے خیال سے باز نہ آیا۔ مجھے اس تدبیر پر بہت
بھروسہ تھا۔ نیلی کا ہاتھ میں نے تھاما اور ہم دونوں چل دئیے۔ تین
بجے کا عمل تھا۔ آسمان پر بادل امنڈ رہے تھے۔ ادھر کچھ روز
سے موسم بہت گرم اور گھٹا گھٹا تھا۔ لیکن اب کہیں دور سے
بہار کی پہلی گھڑگھڑاہٹ سنائی دینے لگی تھی۔ گردآلود سڑکوں
پر ہوا کے جھونکے مچل رہے تھے۔

ہم دونوں ایک گھوڑا گاڑی میں سوار ہو لئے۔ سارے راستے
نیلی نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ وہ کبھی کبھی مجھ پر وہی ایک
عجیب اور پراسرار نگاہ ڈال لیتی تھی اور بس۔ اس کے سینے میں
تلاطم برپا تھا اور گاڑی پر میرے ہاتھ کو جو اسے سنبھالے تھا
اس کے ننھے سے دل کی دھڑکن محسوس ہوئی۔ ایسا لگتا تھا کہ
وہ تڑپ کر پہلو سے نکل جائے گا۔

ساتواں باب

مجھے لگ رہا تھا کہ اخمنیف کے گھر کا راستہ ہی کبھی
طے نہ ہوگا۔ آخر خدا خدا کر کے پہنچ گئے اور میں نے گھر کے
اندر ڈوبتی ہوئی حالت میں قدم رکھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ
جب میں اس گھر سے رخصت ہونے لگوں گا تو صورت کیا ہوگی لیکن
یہ ضرور جانتا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے اس وقت تک یہاں سے
نہ ہوں گا نہیں جب تک نتاشا کا قصور معاف نہ کر لوں اور باپ
بیٹی کا ملاپ طے نہ ہو جائے۔

تین بج چکے تھے اور بڑے میاں، بڑی بی دونوں حسب معمول
تنہا بیٹھے تھے۔ نکولائی سرگیئچ مضمحل اور بیمار تھے ان کی

رنگت زرد ہو گئی تھی اور بے جان بڑے تنے اپنی آرام کرسی پر نیم دراز۔ اور ٹھنڈائی کی پٹی سر پر بندھی ہوئی۔ آنّا اندریئونا ان کے پاس بیٹھی تھیں، ہر بار ان کی کنپٹی مرکے سے بھگوتی رہتی تھیں اور کنکھیوں سے مستقل ان کی صورت دیکھے جا رہی تھیں۔ خود ان کے چہرے پر ایسی سوالیہ اور رحم آلود کیفیت برس رہی تھی جس سے بڑے میاں کو پریشانی بلکہ الجھن لگ رہی ہوگی۔ وہ سختی سے اپنے لبوں پر مہر سکوت لگائے ہوئے تھے اور بڑی بی کو بھی بولنے چالنے کی ہمت نہ تھی۔ جب اچانک ہم داخل ہوئے تو ان دونوں کو بڑا تعجب ہوا۔ آنّا اندریئونا نہ جانے کیوں، نیلی کے ساتھ مجھے دیکھ کر سہم سی گئیں اور پہلے منٹ انہوں نے مجھ کو ایسی نگاہ سے دیکھا گویا ایک دم خود کو کسی بات کا قصوروار سمجھ رہی ہوں۔

’’لیجئے، میں اپنی نیلی کو آپ کے پاس لے آیا ہوں،‘‘ میں نے اندر آتے ہوئے کہا۔ ’’اس نے سوچ سمجھ کر طے کر لیا، اور یہ اب اپنی مرضی سے یہاں آئی ہے۔ اسے رکھ لیجئے اور محبت کیجئے...‘‘

بڑے میاں نے شک وشبہ کی نظر سے مجھے دیکھا اور ان کی صرف ایک نظر سے ہی میں نے بھانپ لیا کہ انہیں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے کہ نتاشا اکیلی رہ گئی، اسے تنہا بھٹکتا ہوا چھوڑ دیا گیا اور عجب نہیں کہ اب تک اس کی تذلیل بھی کی جا چکی ہو۔ انہیں فکر پڑ گئی کہ ہم دونوں کی آمد کے پیچھے جو اصل میں راز ہے اس کا پتہ لگائیں اور انہوں نے ٹوہ لینے والی نظر سے ہم دونوں کو دیکھا بھی۔ نیلی لرز رہی تھی اور میرا ہاتھ بہت مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی۔ وہ نگاہ تک نہیں اٹھا رہی تھی، بس کبھی کبھی اپنے آس پاس سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ لیتی تھی جیسے جال میں پھنسا ہوا جانور ہو۔ لیکن آنّا اندریئونا کو سدھ بدھ آ گئی اور انہوں نے اس موقع پر ہوش سے کام لیا — وہ خود سے ارادہ کرکے نیلی کی طرف بڑھیں، اسے پیار کیا، تھپکا بلکہ اس پر ترس کے آنسو بھی بہائے۔ جھپٹ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ نیلی کنکھیوں سے ان کو تعجب کے ساتھ ٹوہ لینے والے انداز میں دیکھتی رہی۔

مگر نیلی پر پیار نچھاور کرنے اور اسے اپنے برابر بٹھا لینے کے بعد بڑی بی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب آگے کیا

کریں اور انہوں نے میری طرف سادگی کی توقع سے دیکھا۔ بڑے میاں کو ناگوار گزرا جیسے نیلی کو لانے میں انہیں مجھ پر کچھ شک وشبہ ہو۔ خود اس کا اندازہ کرکے کہ میں نے ان کی ناگواری اور غصے کے تیوروں کو بھانپ لیا ہے انہوں نے سر پر ہاتھ رکھا اور لفظ توڑ توڑ کر بولے:

’’وانیا، بیٹے، سر میں بہت سخت درد ہے۔‘‘

ہم لوگ ابھی خاموشی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ شروع کہاں سے کروں۔ کمرے میں اندھیرا اندھیرا سا تھا۔ ایک گھنگھور طوفانی گھٹا آسمان پر چھائی جا رہی تھی اور پھر ایک بار دورا کہیں سے طوفان کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

’’یہ سنئے، کیسی گڑگڑاہٹ ہے۔ اس بہار میں وقت سے پہلے ہی گڑگڑاہٹ شروع ہو گئی،‘‘ بڑے میاں نے کہا۔ ’’مگر مجھے یاد پڑتا ہے کہ ۱۸۳۷ء میں ہمارے یہاں تو گھٹاؤں کی گرج اس سے بھی پہلے شروع ہو گئی تھی۔‘‘

آنّا اندریئونا نے لمبا سانس بھرا۔

’’کچھ چائے ہو جائے؟‘‘ انہوں نے دبتے دبتے پوچھا مگر کسی نے جواب نہ دیا اور وہ پھر نیلی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

’’کیا نام ہے تمہارا بچی؟‘‘ انہوں نے اس سے پوچھا۔

نیلی نے دھیمی آواز میں اپنا نام بتا دیا اور پہلے سے بھی زیادہ آنکھیں جھکا لیں۔ بڑے میاں نے توجہ کی نگاہ سے اسے دیکھا۔

’’یعنی یلینا۔ ہے نا؟‘‘ آنّا اندریئونا اور جوش سے باتیں کرنے لگیں۔

’’جی ہاں،‘‘ نیلی نے جواب دیا۔ اور پھر خاموشی کا پردہ پڑ گیا۔

’’پراسکوویا اندریئونا، میری ایک سالی ہیں، ان کی بھی ایک رشتے کی بھانجی کا نام یہی تھا یلینا۔ سب اسے نیلی کہتے تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے،‘‘ نکولائی سرگیئچ بولے۔

’’اب تمہارا کوئی رشتہ دار نہیں ہے کیا، نہ ماں، نہ باپ؟‘‘ آنّا اندریئونا نے پھر سوال کیا۔

’’جی نہیں،‘‘ نیلی نے جھجکتے سے لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں میں نے سنا تو تھا یہی۔ یہی سننے میں آیا تھا۔ اور کیا تمہاری ماں کے انتقال کو بہت زمانہ ہوگیا؟"
"جی نہیں۔ بہت زمانہ تو نہیں ہوا۔"
"ہا۔ بیچاری بچی۔ بن ماں باپ کی بچی" آننا اندریئونا اس کی طرف درد بھری نظر سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ بڑے میاں بےچینی کے مارے میز پر انگلیوں سے طبلہ بجا رہے تھے۔
"تمہاری ماں کسی اور ملک کی رہنےوالی تھیں۔ ہے نا؟ یہی بتایا تھا نا تم نے ایوان پترووچ؟" بڑی بی دبے دبے سوال کرتی رہیں۔
نیلی نے سی سیاہ آنکھوں سے مجھ پر نگاہ پھینکی گویا پکار رہی ہو کہ مدد کو دوڑو۔ سانس لینے میں اسے دقت ہو رہی تھی اور تنفس ناہموار تھا۔
"اس کی نانی روسی تھیں اور نانا انگریز، لہٰذا وہ زیادہ روسی ہوئی۔ لیکن آننا اندریئونا میں نے بتایا تھا کہ نیلی دوسرے ملک میں پیدا ہوئی تھی۔"
"لیکن اس کی ماں شوہر کے ساتھ اپنے ملک سے باہر جاکر کیوں رہیں؟"
نیلی ایکدم شرم سے سرخ ہوگئی۔ بڑی بی کو فوراً محسوس ہوا کہ ان سے خطا ہو گئی ہے اور شوہر نے جو ایک کڑی تہدیدآمیز نگاہ ڈالی تو وہ چونک گئیں۔ بڑے میاں نے انہیں کڑی نگاہ سے دیکھا اور ایک لمحے کے لئے کھڑکی کی طرف منہ پھیر لیا۔
"اس کی ماں کو ایک بدذات آدمی نے فریب دیا" وہ ایکدم بیوی کو خطاب کرکے بول پڑے۔ "وہ اس کے ساتھ باپ کو چھوڑکر نکل کھڑی ہوئی تھی اور باپ کی دولت بھی اپنے چاہنے والے کے حوالے کر دی۔ پاجی نے اس کی ساری دولت دھوکا دے کر اپنے قبضے میں کر لی، اسے ملک سے باہر لے گیا، لوٹ لیا اور چھوڑ دیا۔ کوئی شریف دوست تھا جو آخر تک اس کا ساتھ دیتا رہا اور جب تک زندہ رہا اس کی مدد کرتا رہا۔ جب وہ شخص دنیا سے سدھار گیا تو نیلی کی ماں واپس روس چلی آئی اپنے باپ کے پاس یہ سب سے دو سال پہلے کی بات ہے۔ یہی تو کہا تھا نا تم نے وانیا؟.. انہوں نے بےموقع ایک دم پوچھ لیا۔
نیلی سخت بیچین ہوتی اٹھی اور دروازے کی طرف چل دی۔
"ہاں آؤ نیلی" بڑے میاں نے آخر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے

ہوئے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔ یہاں، میرے پاس بیٹھ جاؤ، بیٹھو!" وہ جھکے، جھک کر نیلی کا ماتھا چوما اور دھیرے دھیرے اس کا سر سہلانے لگے۔ نیلی سر سے پاؤں تک لرزاٹھی مگر وہ خود پر قابو کئے رہی۔ آننا اندریئونا اس منظر سے متاثر ہو کر دل میں امیدیں لئے ہوئے اپنے بڑے میاں کو دیکھتی رہیں کہ آخر وہ بن ماں باپ کی بچی پر پسیجے تو سہی۔
"نیلی، مجھے معلوم ہے کہ ایک خبیث آدمی نے، بےاصولے شخص نے تمہاری ماں کو برباد کیا، لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری ماں اپنے باپ کی عزت اور ان سے محبت بھی کرتی تھیں" بڑے میاں نے نیلی کا سر سہلاتے سہلاتے آخر بھڑک کر وہ بات کہہ ڈالی اور ان سے ضبط نہ ہو سکا کہ ہمیں لاجواب کر دینے کو ٹل جائیں۔ ان کے زرد گالوں پر ہلکی سی سرخی لہراگئی۔ ہم سے انہوں نے نگاہیں چار نہیں کیں۔
"اماں تو اتنا چاہتی تھیں نانا کو کہ خود نانا ان سے اتنی محبت نہ کرتے تھے" نیلی نے دبے دبے مگر خوب جما کر کہہ ڈالا اور اس نے بھی اس کی کوشش کی کہ کسی کو دیکھ کر مخاطب نہ کرے۔
"تمہیں کیسے معلوم؟" بڑے میاں نے تیزی سے سوال کیا، بالکل بچوں کی طرح بےقابو ہوکر اور اپنی اس بےصبری سے بظاہر شرمندہ ہوتے ہوئے۔
"میں جانتی ہوں" نیلی نے ترشی سے جواب دیا۔ "انہوں نے اماں کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا اور ... اور انہیں نکال دیا...."
میں نے دیکھا کہ نکولائی سرگیئچ کے منہ سے کچھ نکلنے ہی والا تھا اور وہ اس قسم کا کوئی جواب دینےوالے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے، اس باپ کا یہ رویہ بےجا نہیں تھا لیکن انہوں نے ہم لوگوں کو ایک نظر دیکھا اور بات پی کر رہ گئے۔
"کیوں، جب تمہارے نانا نے اپنے پاس تمہیں نہیں رکھا تو تم کہاں رہنے گئیں؟" آننا اندریئونا نے سوال کیا جنھیں ایک دم گویا ضد ہو گئی تھی اور اس بات کی زبردست خواہش تھی کہ موضوع گفتگو جاری رہے۔
"جب ہم یہاں آئے تو ایک زمانے تک تو نانا جان کی تلاش ہی کرتے رہے" نیلی نے جواب دیا۔ "مگر ان کا کوئی پتہ نہیں

چلا۔ مطلب یہ کہ اماں نے مجھے بتایا تھا کہ نانا جان پہلے بڑے
دولت مند آدمی تھے اور ایک کارخانہ لگانے والے تھے مگر اب وہ بالکل
غریب آدمی رہ گئے کیونکہ امی انہیں چھوڑ کر جس شخص کے ساتھ
چلی گئی تھیں اس نے نانا جان کی ساری دولت اماں کے ہاتھوں لے
لی اور پھر واپس نہ کی ۔ اماں نے مجھے خود یہ سب بتایا تھا...،،

"ہوں..." بڑے میاں نے دھمک کے ساتھ ہنکارا بھرا۔

"اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ" نیلی جوش میں آ کر
اور کہتی چلی گئی۔ اسے یقیناً نکولائی سرگیئچ کو جواب دینے
کی فکر تھی اگرچہ بظاہر وہ آننا اندریئونا سے مخاطب تھی۔ "انہوں
نے بتایا تھا کہ نانا ان سے بہت خفا تھے اور انہوں نے بھی نانا کے
ساتھ بڑی زیادتی کی تھی۔ مگر اب دنیا میں نانا کے سوا ان کا
کوئی نہ تھا۔ جب وہ کہہ رہی تھیں تو روتی جاتی تھیں...
'وہ اب مجھے معاف نہ کریں گے'۔ — جب ہم یہاں آ رہے تھے تو راستے
میں وہ بار بار کہتی تھیں 'مگر شاید وہ تمہیں دیکھیں تو تمہاری
محبت ان کے دل میں آ جائے اور میرا قصور معاف کر دیں'۔
اماں کو مجھ سے بڑی محبت تھی۔ جب یہ بیان کرتی تھیں تو
ہمیشہ مجھے پیار کرتی جاتی تھیں۔ مگر انہیں نانا جان کے
پاس جاتے بہت ہول آتا تھا۔ انہوں نے مجھے سکھایا تھا کہ نانا
جان کے لئے دعا مانگا کروں، خود بھی دعائیں کیا کرتی تھیں اور
بہت قصے سنائے تھے کہ نانا جان کے گھر میں پہلے ان کی زندگی
کیسی گزرتی تھی۔ اور نانا ان سے کس قدر محبت کرتے تھے — اتنی
محبت کسی اور سے نہیں تھی۔ اماں انہیں پیانو بجا کے سنایا کرتیں
اور راتوں کو بیٹھ کے کتابیں پڑھتیں اور سناتیں۔ نانا انہیں پیار
کرتے تھے اور تحفوں پر تحفے دیا کرتے تھے... ہر طرح کی نعمت
ان کے لئے حاضر کی جاتی۔ چنانچہ اماں کی سالگرہ کے موقع پر ایک
دفعہ باپ بیٹی میں جھگڑا ہو گیا کیونکہ نانا نے سمجھا اماں کو
خبر نہیں ہوگی کہ اسے کیا تحفہ ملنے والا ہے مگر اماں نے بہت
پہلے سے پتہ چلا لیا۔ اماں کو بندوں کی آرزو تھی اور نانا نے
ان سے چال کی کہ بندے نہیں ملیں گے بلکہ دھکدھکی ملے گی اور جب
اچانک بندے تحفے میں دیئے اور دیکھا کہ اماں نے بہت پہلے
ہی سے معلوم کر لیا تھا کہ دھکدھکی نہیں بلکہ بندے ملنے والے
ہیں تو وہ اس بات پر خفا ہو گئے اور آدھے دن تک انہوں نے

اماں سے بات بھی نہیں کی۔ لیکن بعد میں من گئے اور انہیں پیار
کرنے اور معافی مانگنے لگے...،،

نیلی کو قصہ بیان کرنے میں ایسا لطف آیا کہ وہ بہہ گئی۔
یہاں تک کہ اس کے پیلے پچکے گالوں پر بھی رنگ دوڑ گیا۔

صاف ظاہر تھا کہ تہہ خانے کے کونے میں پڑی پڑی اس کی
ماں ایک بار سے زیادہ اپنی بیٹی کو بیتے ہوئے خوشگوار دنوں کے
قصے سنا چکی تھی۔ وہ سناتی جاتی ہوگی اور بیٹی کو لپٹاتی اور پیار
کرتی جاتی ہوگی (بس اب زندگی میں لے دے کے وہی ایک اس کے
پاس رہ گئی تھی)۔ وہ اس کے حال پر روتی ہوگی اور خود کبھی
گمان نہ گزرتا ہوگا کہ یہی قصے اس کمزور، کمسن بچی کے
بیمار اور قبل از وقت تیار دل و دماغ پر کیسا زبردست اثر چھوڑ
جائیں گے۔

مگر ایسا لگا جیسے نیلی نے ایک دم لگام کھینچ لی۔ اس نے
شک و شبہ کی نظر سے چاروں طرف دیکھا اور پھر گونگی ہو گئی۔
بڑے میاں کو پھر گراں گزرا اور انہوں نے میز پر انگلیاں ٹھونکنا
شروع کر دیں۔ آننا اندریئونا کی آنکھوں میں ایک آنسو کی بوند
تھرتھرائی، اور انہوں نے چپ چاپ اسے رومال سے پونچھ ڈالا۔

"جب ہم یہاں آئے تو اماں بہت بیمار تھیں" نیلی نے دھیمی
آواز میں پھر کہنا شروع کیا۔ "ان کے سینے میں بیماری بیٹھ
گئی تھی۔ بہت دنوں تک ہم نانا ابا کی تلاش کرتے رہے مگر
ان کا پتہ نہ چلا۔ پھر ہم نے تہہ خانے کے ایک کمرے میں کونا
کرایے پر لے لیا۔"

"کونا — اور ایسی بیمار کے لئے؟" آننا اندریئونا چیخ پڑیں۔

"جی ہاں... ایک کونا..." نیلی نے جواب دیا۔ "ماں بہت
غریب تھیں۔ وہ مجھ سے اکثر کہا کرتی تھیں" اس نے اور بڑھتے
ہوئے جوش سے اضافہ کیا "کہ بیٹی، غریب ہونا کوئی گناہ نہیں
ہے۔ لیکن مالدار ہونا اور لوگوں کو دکھ دینا گناہ ہے... اور
خدا انہیں اپنے کئے کی سزا دے رہا ہے۔"

"تم واسیلیفسکی جزیرے میں رہتی تھیں؟ بیوٹوا کے ہاں —
کیوں؟" بڑے میاں نے میری طرف رخ کرتے ہوئے پوچھا اور اس بات
کی کوشش کی کہ سوال کرنے میں ایک طرح کی بے تعلقی پائی جائے۔
وہ اس انداز میں بولے تھے گویا خاموش رہنا زیب نہ دیتا ہو۔

"نہیں، وہاں نہیں، پہلے تو ہم میشچانسکایا اسٹریٹ پر آکر رہے تھے۔ وہاں گھپ اندھیرا رہتا تھا اور سیلن تھی،، وہ ذرا تھم کر سوچ کر کہتی چلی گئی۔ "وہاں اماں بری طرح بیمار پڑ گئیں اگرچہ ہمیشہ بستر پر پڑی نہیں رہتی تھیں۔ میں ان کے کپڑے دھو دیا کرتی تھی۔ اور وہ رویا کرتی تھیں۔ وہیں پر ایک بڑی بی بھی رہتی تھیں — کسی کپتان کی بیوہ، اور ایک ریٹائرڈ کلرک رہتا تھا۔ جب بھی آتا، نشے میں دھت ہوتا۔ ہر روز رات کو شور مچاتا اور دنگا فساد کیا کرتا تھا۔ مجھے اس شخص سے بڑا ہول آتا تھا۔ اماں اپنے بستر میں مجھے لٹا لیتیں اور کانپتیں۔ جب وہ شخص چیختا اور کودم کوچ کرتا تھا تو اماں سر سے پیر تک کانپا کرتی تھیں۔ ایک بار اس نے کپتان کی بیوہ پر ہاتھ اٹھایا، وہ بوڑھی عورت تھی، لاٹھی ٹیک ٹیک کر چلتی تھی۔ اماں کو اس پر رحم آیا، وہ اس کی حمایت کرنے کھڑی ہو گئیں، اس شرابی نے اماں پر بھی ہاتھ اٹھایا۔ تو میں نے اس کو مارا...،،

نیلی رک گئی۔ اس یاد نے نیلی کے دل و دماغ میں ہلچل برپا کر دی، اس کی آنکھوں سے لپٹیں اٹھنے لگیں۔

"اف، توبہ شے الہی!،، آئنا اندریئونا کے منہ سے اس قصے میں بالکل محو ہو کر نکلا۔ ان کی آنکھیں نیلی پر لگی ہوئی تھیں جو ان کو ہی خاص کر مخاطب کئے جا رہی تھی۔

"پھر اماں وہاں سے نکلیں اور انہوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ یہ دن کا وقت تھا۔ ہم دونوں ماں بیٹی سڑکوں پر پیدل چلتے رہے، چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ راستے بھر اماں روتی رہیں اور میرا ہاتھ تھامے چلتی رہیں۔ میں تھک کر چور ہو گئی تھی۔ اس روز کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا۔ اماں خود سے باتیں کرتی رہیں اور مجھے سمجھاتی گئیں کہ غریب رہنا نیلی اور جب میں مر جاؤں تو تم کسی کی بات نہ سننا، کوئی بات نہ ماننا۔ کسی کے پاس نہ جانا۔ اکیلی رہنا، غریبی میں زندگی بسر کرنا اور کام کرنا۔ کام کرنا نہ بن پڑے تو بھیک مانگ لینا، لیکن ان لوگوں کے پاس نہ جانا۔ دن چھپ چکا تھا اور ہم دونوں ایک بڑی چوڑی سڑک پار کر رہے تھے کہ ایک دم سے اماں نے پکارا: 'ازورکا، ازورکا'۔ اتنے میں ایک بڑا سا بے بالوں کا کتا اماں کی طرف لپکا۔ وہ ان کے پاس آکر لاڈ کرنے اور اچھلنے کودنے

لگا۔ اماں سہم گئیں۔ ان پر ہلدی پھر گئی، منہ سے چیخ نکلی اور وہ ایک لمبے قد کے بوڑھے آدمی کے سامنے دو زانو جھک گئیں۔ بوڑھا آدمی لاٹھی ٹیکتا ہوا جا رہا تھا اور زمین کو دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ یہی بوڑھا میرے نانا جان تھے۔ ان کے بدن پر صرف کھال رہ گئی تھی اور کپڑوں سے بھی بہت خستہ حال تھے۔ پہلی بار تب میں نے اپنے نانا کو دیکھا۔ نانا بھی بہت ڈر گئے۔ ان کا رنگ بھی زرد پڑ گیا۔ اور جب انہوں نے اماں کو اپنے قدموں پر گرا اور پیروں سے لپٹتا دیکھا تو خود کو جھٹکا دے کر الگ کر لیا اور اماں کو الگ دھکیل دیا، فٹ پاتھ پر اپنی چھڑی بجاتے اور تیزی کے ساتھ ہم کو چھوڑ کر نکل گئے۔ ازورکا پیچھے چھوٹ گیا اور اماں کی بلائیں لیتا، چمٹے ہوتا رہا اور پھر نانا کے پیچھے پیچھے دوڑ گیا، ان کے کوٹ کا دامن پکڑ کے کھینچ اور واپس لانے کی کوشش کی لیکن نانا نے اس کے اپنی چھڑی جما دی۔ ازورکا پھر ہماری طرف لپکنے کو ہوا تھا کہ نانا جان نے اسے پکارا، اور وہ دوڑا ہوا چلا تو گیا مگر برابر ہمیں دیکھتا رہا۔ اماں ایسے بے حس و حرکت پڑی تھیں جیسے مر گئی ہوں۔ ہجوم ہو گیا لوگوں کا اور پولیس آ گئی۔ میں چیخیں مارتی اور ماں کو اٹھانے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں، چاروں طرف دیکھا، اور میرا سہارا لے کر چلنے لگیں۔ میں آگے آگے، وہ پیچھے پیچھے۔ ہم گھر کو چلے۔ بہت دیر تک لوگ آنکھیں کھولے، سر ہلاتے ہمیں دیکھتے رہے...،،

نیلی سانس لینے اور آگے بات کرنے کے لئے ہمت کرنے کو ذرا تھم گئی۔ وہ بہت پیلی پڑ گئی تھی لیکن آنکھوں سے عزم کی کرن جھلک رہی تھی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس نے جی میں ٹھان رکھی تھی کہ آج سب کچھ سنا کر رہوں گی۔ اس وقت نیلی میں کوئی سے سرکشی پر بھی آمادہ لگتی تھی۔

"ہاں تو،، نکولائی سرگیئچ نے اٹکتی ہوئی اور بہت جھلاہٹ کی سختی سے کہا "تمہاری اماں نے اپنے باپ کے ساتھ زیادتی کی تھی اور انہوں نے ٹھیک کیا جو اسے جھٹک دیا......،،

"اماں نے بھی یہی کہا کرتی تھیں،، نیلی نے بے رخی کے ساتھ بیچ میں سے بات کاٹ دی۔ "جب ہم لوٹ کر گھر پہنچے تو وہ برابر کہتی رہیں 'یہی ہیں تمہارے نانا جی۔ بس ان کی

خطاوار ہوں۔ اسی لئے انہوں نے مجھے دھتکار دیا، عاق کر دیا۔ اب مجھ پر خدا کی طرف سے عذاب نازل ہو رہا ہے۔ اس روز رات گئے تک اور دوسرے دن تمام وقت بس یہی کہتی رہیں۔ ایسے بے اختیار کہے جا رہی تھیں جیسے انہیں خود خبر نہ ہو کہ کیا کہہ رہی ہیں...''

بڑے میاں چپ رہے۔

''ہاں تو پھر بعد میں ہم دوسرے مکان میں کیسے منتقل ہوئیں؟'' نتا شربتونا نے پوچھا۔ وہ خود اس اثنا میں مستقل آنسو بہاتی رہی تھیں۔

''اسی رات اماں بیمار پڑیں، اور کپتان کی بیوہ نے بینووا کے مکان میں ان کے نئے ٹھکانا تلاش کر لیا۔ دو دن بعد ہم لوگ اس گھر میں چلے گئے اور کپتان کی بیوہ بھی ہمارے ساتھ۔ جب ہم اس نئے ٹھکانے میں آ گئے تو اماں کافی بیمار تھیں اور تین ہفتے تک بستر پر پڑی رہیں۔ میں بس ان کی دیکھ بھال میں لگی رہی۔ روپیہ پیسہ ہمارے پاس کچھ نہ بچا تھا۔ کپتان کی بیوہ ہماری مدد کرتی رہیں اور ایوان الکساندرچ۔''

''وہ تابوت ساز، جہاں یہ لوگ رہتے تھے،'' میں نے وضاحت کی۔

''جب اماں بیماری سے اٹھیں اور چلنے پھرنے قابل ہو گئیں تو انہوں نے وہ ازورکا والا قصہ مجھے سنایا۔''

نیلی تھم گئی اور سوچ میں پڑ گئی۔ بڑے میاں کو بظاہر اطمینان ہوا کہ چلو، چپ ہے۔ اب گفتگو کتے کی طرف مڑ گئی۔

''ہاں تو۔ کیا سنایا انہوں نے ازورکا کے بارے میں؟'' بڑے میاں نے کرسی میں اور دھنسے ہوئے پوچھا۔ گویا اس طرح وہ چہرہ بالکل ڈھانپ لیں گے اور نیچے فرش کی طرف دیکھنے لگے۔

''وہ نانا کے بارے میں بتاتی رہیں،'' نیلی نے جواب دیا۔ ''جب وہ بیمار پڑی تھیں تو برابر نانا کی باتیں کیا کرتی تھیں اور جب سرسام ہوا تھا تب بھی انہی کا ذکر کرتی رہتی تھیں۔ اور جب ان کی طبیعت ٹھیک ہونے لگی تو انہوں نے پھر مجھے سنانا شروع کر دیا کہ پہلے زمانے میں زندگی کیسے کٹتی تھی... تبھی انہوں نے ازورکا والا قصہ بھی سنایا تھا۔ ایک دفعہ کہیں شہر سے باہر انہوں نے دیکھا کہ کچھ سڑک چھاپ بیہودہ لڑکے ازورکا کو رسی

سے باندھے کھینچے لئے جا رہے تھے دریا میں ڈبونے کو۔ اماں نے ان لڑکوں کو کچھ روپیہ پیسہ دے کر کتے کو چھڑا لیا اور گھر لے آئیں۔ جب نانا ابا نے ازورکا کو دیکھا تو وہ اس پر بہت خفا ہوئے۔ ازورکا گھر سے بھاگ گیا۔ اماں رونے لگیں۔ نانا کو ان کے رونے سے ڈر لگا اور انہوں نے وعدہ کیا کہ جو کوئی ازورکا کو لا دے اسے سو روبل انعام دئے جائیں گے۔ تیسرے دن ازورکا مل گیا اور لانے والے کو نانا جان نے سو روبل دے دئے۔ تب سے انہیں ازورکا سے پیار ہو گیا۔ اماں کو اس سے اتنا پیار تھا کہ وہ اسے سوتے وقت بھی اپنے پاس رکھتی تھیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ازورکا سڑک پر تماشا دکھانے والوں میں سے کسی کا کتا تھا۔ اسے اکڑوں بیٹھنا اور بندر کو پیٹھ پر بٹھا کر چلنا آتا تھا۔ رائفل لے کر قواعد پریڈ بھی کر لیتا تھا اور اس کے علاوہ بہت سے کرتب اسے آتے تھے... جب اماں گھر سے نکل کھڑی ہوئیں تو نانا ابا نے کتے کو اپنے پاس رکھ لیا اور وہ ہمیشہ باہر جاتے وقت اسے ساتھ رکھتے تھے۔ چنانچہ جیسے ہی اماں کی نظر ازورکا پر پڑی وہ فوراً سمجھ گئیں کہ ہو نہ ہو، نانا جان یہیں کہیں نزدیک موجود ہیں...''

ظاہر تھا کہ یہ وہ بات نہیں تھی جو بڑے میاں نیلی کی زبانی ازورکا کے متعلق سننا چاہتے تھے اور زیادہ سے زیادہ سرد ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اور سوال نہیں کئے۔

''تو پھر اس کے بعد نانا سے تم نہیں ملیں؟'' نتا امداریئونا نے پوچھا۔

''جی نہیں، جب اماں کی حالت سدھرنے لگی تو میں پھر نانا جان سے ملی۔ دکان جا رہی تھی کچھ روٹی خریدنے، اتنے میں ایک شخص نظر آیا جس کے ساتھ ازورکا تھا۔ قریب سے دیکھتی ہوں تو نانا جان تھے۔ میں ایک طرف کو ہٹ گئی اور دیوار کی طرف سمٹ کر کھڑی ہو گئی۔ نانا نے مجھے دیکھا اور اسی سخت اور ڈراؤنی نظر ڈالی کہ میں ڈر کر رہ گئی اور وہ برابر سے گزر گئے۔ مگر ازورکا کو میں یاد تھی، وہ میرے پاس اچھلنے کودنے لگا اور میرے ہاتھ چاٹنے لگا۔ مجھے گھر آنے کی جلدی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا کہ نانا جان دکان کے اندر داخل ہوئے۔ تو میں نے جی میں سوچا کہ وہ دکان کے اندر ضرور ہمارے بارے میں پوچھیں

ہو گئے۔ مگر میں بہت ہی خوفزدہ ہو گئی تھی اور جب میں گھر پہنچی تو ڈر کے مارے میں نے اماں سے کچھ نہیں کہا، سنا کہ کہیں وہ سنتے ہی پھر بیمار نہ پڑ جائیں۔ دوسرے دن میں دکان بھی نہیں گئی، بہانہ بنا دیا کہ سر میں درد ہے۔ اور جب تیسرے دن باہر بھی اور دکان پر گئی تو کوئی نہیں ملا مگر مجھ پر اس ہول سوار تھا کہ سارے راستہ دوڑتی ہوئی گئی۔ لیکن اس کے ایک دن بعد ابھی میں نکڑ پر مڑی بھی نہ تھی کہ سامنے نانا جان کتے سمیت چلے آ رہے تھے۔ میں بھاگ کھڑی ہوئی اور ایک گلی میں نکل گئی؛ وہاں سے دوسرے راستے جا کر دکان پہنچی۔ لیکن اب تک دیکھتی ہوں کہ ٹھیک ان کے سامنے موجود ہوں۔ اب ڈر کے مارے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور میں وہیں کی وہیں رہ گئی۔ نانا جان بالکل میرے سامنے رکے پھر انہوں نے مجھے نگاہ جما کے دیکھا۔ پھر میرا سر تھپکا، ہاتھ تھاما اور ساتھ لے کے چل دئے۔ پیچھے پیچھے ازورکا دم ہلاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ تب میں نے دیکھا کہ نانا جان ٹھیک طرح سے چل نہیں پاتے تھے بلکہ لکڑی پر جھک جھک جاتے تھے اور ان کے ہاتھوں میں رعشہ تھا۔ وہ مجھے ایک خوانچہ فروش تک لے گئے جو سڑک کے موڑ پر بیٹھا کرتا تھا اور میٹھے آٹے کی چڑیاں اور سیب بیچتا تھا۔ نانا جان نے اس سے میٹھے آٹے کا ایک مرغا اور ایک مچھلی، ایک مٹھائی کی گولی اور ایک سیب خریدا اور جب وہ اپنے چمڑے کے بٹوے میں سے پیسے نکال رہے تھے تو ان کے ہاتھ بہت کانپ رہے تھے۔ پانچ کوپک کا سکہ نکل کے گر گیا۔ میں نے وہ اٹھا کے دیا۔ انہوں نے پانچ کوپک کی وہ اکنی اور میٹھے آٹے کے بسکٹ مجھی کو دے دئے اور پھر میرا سر سہلایا۔ لیکن اس بار بھی زبان سے کچھ نہ کہا اور چلے گئے۔

”اس کے بعد میں گھر آئی اور اماں کو نانا جان سے ملنے کی ساری بات سنا دی۔ اور یہ بھی بتایا کہ اول تو میں انہیں دیکھ کر ڈر سی گئی تھی اور ان سے آڑ میں ہو گئی تھی۔ اماں کو ساری بات کا شروع میں تو یقین ہی نہ آیا مگر بعد میں انہیں ایسی خوشی ہوئی کہ رات گئے تک مجھ سے پوچھتی کچھتی رہیں، پیار کرتی اور روتی رہیں۔ اور جب کہنے کو کچھ نہ رہا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ آئندہ نانا سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور

نانا تم کو چاہتے ہی ہوں گے تبھی تو وہ خاص طور سے دیکھنے کو آئے۔ انہوں نے مجھے یہ بھی نصیحت کی کہ میں ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤں اور ان سے بات کروں۔ دوسرے دن صبح کو ہی کئی بار انہوں نے مجھے باہر بھیجا حالانکہ میں ان سے کہہ چکی تھی کہ نانا جان شام کو اس طرف آتے ہیں۔ تھوڑی دور رہ کر وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آئیں اور موڑ پر خود کو چھپاتی رہیں، دوسرے دن بھی یہی صورت ہوئی مگر نانا جان آئے ہی نہیں۔ ان دنوں بارش ہو رہی تھی، اماں چونکہ ہمیشہ میرے ساتھ ساتھ باہر نکل کھڑی ہوتی تھیں انہیں سردی لگ گئی اور وہ پھر بس بیمار پڑیں کہ بستر پر لیٹ گئیں۔

”نانا جان ہفتہ بھر بعد نظر آئے اور پھر انہوں نے مجھے میٹھے آٹے کی مچھلی اور ایک سیب لے دیا مگر زبان سے اس دفعہ بھی کچھ نہ کہا۔ جب وہ چل دئے تو میں چپکے چپکے ان کے پیچھے ہو لی کیونکہ اس بار میں نے پہلے سے ہی طے کر رکھا تھا کہ اب کے پتہ چلا کے رہوں گی کہ نانا جان کہاں رہتے ہیں اور اماں کو بتا دوں گی۔ سڑک کے دوسری طرف میں ذرا فاصلے سے چلتی رہی تاکہ نانا جان کی نظر مجھ پر نہ پڑے۔ وہاں سے وہ بہت دور رہتے تھے، وہاں پر نہیں جہاں بعد میں رہنے لگے اور ان کا انتقال ہوا بلکہ گوروخوویا سڑک کے ایک بڑے سے مکان کی چوتھی منزل پر رہا کرتے تھے۔ میں نے سب پتہ لگایا اور گھر بہت دیر سے پہنچی۔ اماں کو بہت پریشانی تھی کیونکہ انہیں معلوم نہ تھا کہ میں گئی کہاں۔ مگر جب میں نے انہیں سب کچھ بتایا تو وہ پھر بہت خوش ہوئیں اور دوسرے دن نہیں چر کر نانا جان سے ملنے کی بےتابی ہو گئی۔ لیکن دوسرے دن ڈر کے مارے ان کی ہمت نہ پڑی۔ اسی طرح ہاں نہیں کرتے کرتے پورے تین دن ٹل گئے۔ پھر وہ کبھی نہ جا سکیں۔ بعد میں انہوں نے مجھے بلا کر کہا 'سنو، نیلی، میں تو بیمار ہو گئی اور جا ہی نہیں سکتی۔ مگر میں نے تمہارے نانا کے نام ایک خط لکھا ہے، تم ان کے پاس جاؤ اور یہ خط دے دو۔ جب وہ پڑھیں تو دیکھتی رہنا اور دیکھنا کیا کہتے ہیں، کیا کرتے ہیں۔ گھٹنوں کے بل ادب سے جھک جانا اور ان کو پیار کرنا اور التجا کرنا کہ تمہاری ماں کو معاف کر دیں...' اماں یہ کہہ کر بہت بری طرح روئیں

اور مجھے پیار کرتی رہیں۔ جب میں چلنے لگی تو انہوں نے مجھے سعادت دی اور دعائیں کیں اور پاک شبیہوں کے سامنے مجھے بھی اپنے ساتھ دوزانو کیا۔ اگرچہ بیمار تھیں مگر باہر کے دروازے تک چھوڑنے آئیں۔ جب میں نے باہر نکل کر سڑک سے دیکھا تو وہ وہیں کھڑی تھیں اور مجھے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں...

"میں نانا کے گھر پہنچی، دروازہ کھولا۔ دروازے میں کنڈی چٹخنی کچھ نہ تھی۔ نانا جان میز کے پاس بیٹھے روٹی آلو کھا رہے تھے۔ ازورکا سامنے کھڑا انہیں کھاتے دیکھ رہا تھا اور دم ہلا رہا تھا۔ اس مکان میں بھی کھڑکیاں نیچی اور اندھیری تھیں، اور وہاں بھی صرف ایک ہی میز کرسی تھی۔ وہ مکان میں تنہا رہتے تھے۔ میں نے اندر قدم رکھا تو وہ ایسے ڈر گئے کہ رنگ سفید پڑ گیا اور کانپنے لگے۔ میں بھی سہم گئی اور ایک لفظ منہ سے نہ نکلا۔ صرف اتنا کیا کہ آگے بڑھ کر میز کے پاس پہنچی اور خط سامنے رکھ دیا۔ جیسے ہی نانا کی نظر اس خط پر پڑی، انہیں یکدم غصہ آگیا۔ وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے، اپنی چھڑی اٹھائی جیسے مجھے پیٹنے کے لئے اٹھائی ہو، مگر مارا نہیں، صرف دروازے کے پاس تک لے گئے اور باہر دھکیل دیا۔ ابھی میں پہلے زینے سے بھی نہ اتری تھی کہ انہوں نے پھر دروازہ کھولا اور بند کا بند خط میری طرف پھینک دیا۔ میں گھر گئی اور اماں کو یہ سارا ماجرا سنا دیا۔ اس پر اماں پھر بستر سے لگ گئیں..."

آٹھواں باب

عین اسی وقت گھٹاؤں میں بڑے زور کی گرج ہوئی اور موٹی موٹی بوندیں کھڑکی کے شیشوں پر پٹ پٹ پڑنے لگیں۔ کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔ آنا اندریئونا نے دہشت سے نگاہ اٹھا کے دیکھا اور اپنے اوپر صلیب کا نشان بنایا۔ ہم سب چونک گئے۔

"بارش جلدی ہی ختم ہو جائے گی" بڑے میاں کھڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ اس کے بعد وہ اٹھے اور کمرے میں ادھر ادھر سے ٹہلنے لگے۔ نیلی نے انہیں کن انکھیوں سے دیکھا۔ اس کی حالت بھی ایسی تھی جیسے بہت زور کا بخار چڑھا ہو۔ اگرچہ وہ مجھ سے نظریں بچا رہی تھی مگر میں نے یہ حالت دیکھی۔

"ہاں تو پھر کیا ہوا؟" بڑے میاں نے آرام کرسی پر پھر سے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

نیلی نے چاروں طرف ڈرتے ڈرتے ایک نظر ڈالی۔

"تو پھر اس کے بعد تم اپنے نانا سے نہیں ملیں؟"

"نہیں، ملی..."

"اچھا پھر ملیں تم! ذرا بتاؤ تو میری بچی" آنا اندریئونا نے جلدی سے لقمہ دیا۔

"میں تین ہفتے تک ان سے نہیں ملی" نیلی نے کہا۔ "جب تک اچھی خاصی سردیاں نہیں پڑنے لگیں تب تک۔ تو سردی ہو گئی تھی اور برف پڑ چکی تھی۔ جب میں نانا جان سے دوبارہ اسی جگہ ملی تو میرا دل خوش ہو گیا کیونکہ اماں کو بڑا رنج تھا کہ وہ آتے نہیں۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو میں سڑک کے دوسری طرف دوڑ کر چلی گئی۔ یہ حرکت میں نے جان بوجھ کر کی تھی تاکہ نانا جان دیکھ لیں کہ میں ان سے دور بھاگی ہوں۔ مڑ کر جو دیکھا تو دیکھتی ہوں کہ نانا جان پہلے تو میرے پیچھے تیز تیز چلے، پھر وہ مجھے پکڑنے کو دوڑ پڑے اور پکارنے لگے 'نیلی، نیلی!'، اور ازورکا بھی ان کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ مجھے ان کی حالت پر ترس آیا اور رک گئی۔ نانا میرے پاس آئے، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور ساتھ ساتھ لے چلے۔ جب دیکھا کہ میں رو رہی ہوں تو وہ ٹھٹک گئے، میری طرف دیکھا جھکے اور مجھے پیار کیا۔ اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ میرے جوتے پھٹے ہوئے ہیں، تو پوچھنے لگے کہ تیرے پاس دوسری جوڑی نہیں ہے؟ میں نے جھٹ سے کہہ دیا کہ اماں کے پاس روپیہ پیسہ کچھ نہیں۔ روٹی بھی وہ لوگ ترس کھا کے دے دیتے ہیں جن کے ساتھ ہم رہتے ہیں۔ نانا نے زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ بازار لے گئے اور وہاں سے کچھ جوتے خرید دئے اور کہا کہ ابھی پہن لو۔ اس کے بعد اپنے ساتھ گھر لے کر گئے۔ گھر پہنچنے سے پہلے وہ ایک دکان میں گئے۔ وہاں ایک سموسہ اور مٹھائی کی دو گولیاں خریدیں۔ گھر پہنچے ہی مجھ سے کہا کہ بیٹھے میں سموسہ کھا لوں اور خود مجھے کھاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب میں کھا چکی تو مٹھائی کی گولیاں بھی دے دیں۔ ازورکا نے میز پر پنجے رکھ دئے اور خود بھی سموسہ مانگنے لگا۔ میں نے اسے

بھی ذرا سی ٹکر دے دیا اور نانا اس پر ہنس پڑے۔ اس کے بعد مجھے اٹھا کر اپنے پاس کھڑا کر لیا، میرا سر سہلانے تھپکنے لگے اور پوچھا کہ کیا سکول میں کچھ لکھنا پڑھنا بھی ہے؟ میں نے نہیں بتا دیا۔ اس پر وہ بولے کہ جب کبھی ہو سکے دن کو تین بجے آ جایا کروں۔ خود مجھے پڑھایا کریں گے۔ اس کے بعد کہا کہ مڑ جاؤ اور کھڑکی سے باہر دیکھتی رہو جب تک میں ادھر منہ کرنے کو نہ کہوں۔ میں نے انہی کا کہنا کیا مگر مڑ کر جھانک بھی لیا کہ دیکھوں کیا کرتے ہیں۔ دیکھا کہ انہوں نے تکیے کا ایک کونا کھولا اور اس میں سے چار روپے نکالے۔ پھر وہ روپے مجھے دئیے اور کہا 'یہ صرف تمہارے لئے ہیں'۔ میں روپے لینے ہی والی تھی کہ پھر ارادہ بدل دیا اور کہہ دیا کہ 'اگر صرف میرے لئے ہیں تو میں نہیں لوں گی'۔ اس پر نانا جان کو غصہ آ گیا اور بولے 'اچھا کیسے بھی سہی، تم یہ لو اور چل دو یہاں سے'۔ میں چل دی اور انہوں نے مجھے پیار تک نہ کیا۔

''جب گھر پہنچی تو اماں کو سارا قصہ سنایا۔ اماں کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹری کا ایک طالب علم وہاں ہوسٹل سے ہاں آیا کرتا تھا، اس نے اماں کا علاج کیا اور ان سے کہا کہ کچھ دوا دارو کر لیں۔

''میں اکثر نانا جان کے پاس جایا کرتی تھی۔ اماں کی بھی یہی خواہش تھی۔ نانا نے ایک نئی دینیات کی اور جغرافیہ کی کتاب خریدی اور مجھے پڑھانا شروع کر دیا۔ کبھی کبھی بتایا کرتے تھے کہ دنیا میں کون کون سے ملک ہیں اور ان میں کس قسم کے لوگ رہتے ہیں، کتنے سمندر ہیں، پرانے زمانے میں کیا زندگی تھی اور یسوع مسیح نے ہم سب کے گناہ معاف کئے۔ جب میں اپنی طرف سے سوال کرنے لگتی تو وہ بہت خوش ہوتے تھے چنانچہ میں ان سے اکثر سوالات کیا کرتی اور وہ بھی مجھے بہت سی باتیں بتایا کرتے تھے اور خدا کے متعلق بہت باتیں کرتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ پڑھنے لکھنے کی باری نہ آتی بلکہ ہم ازورکا سے ہی کھیلتے رہتے۔ ازورکا کو مجھ سے بڑا پیار ہو گیا اور میں نے اسے چھڑی پر سے کودنا سکھا دیا۔ نانا جان اس پر بہت ہنسا کرتے اور میرے سر پر تھپکی دیتے۔ بس ان میں یہ بات تھی

کہ وہ زیادہ تر نہیں ہنستے تھے۔ ابھی بہت سی باتیں کر رہے ہیں تو ذرا دیر میں چپ لگ جاتی اور دم سادھ کے بیٹھ جائیں گے۔ ہلیں گے تک نہیں۔ جیسے نیند میں ہوں۔ مگر آنکھیں کھلی ہیں۔ اسی طرح اندھیرا ہونے تک بیٹھے رہتے تھے، اور شام کا اندھیرا ہوتے ہی وہ ایسے خوفناک، اتنے بوڑھے نظر آنے لگتے تھے کہ بس... کبھی میں آتی تو دیکھتی کہ وہ کرسی پر بیٹھے سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور کچھ سن نہیں رہے ہیں، اور ازورکا ان کے پاؤں کے پاس پڑا ہے۔ میں انتظار کرتے کرتے تھک جاتی اور کھانستی مگر وہ پھر بھی ادھر دھیان نہیں دیتے تھے۔ تو میں مجبوراً چلی آتی۔ گھر پر اماں میرے انتظار میں بیٹھی ہوتیں — وہ بستر پر پڑی رہتیں اور میں انہیں سب حال سناتی، ایک ایک بات کہہ دیتی، یہاں تک کہ بہت رات ہو جاتی تھی مجھے کہتے سنتے۔ اپنے نانا جان کے بارے میں سنتی جاتی تھیں — وہ کیا کر رہے تھے اس دن؟ انہوں نے کیا کیا بتایا مجھ کو؟ آج سبق کتنا تھا؟ قصے کہانیاں کیا کیا سنائیں؟ جب میں نے اماں کو بتایا کہ ازورکا کو میں نے چھڑی پر سے قلانچ بھرنا سکھایا ہے تو نانا جان کیسے ہنسے تو اماں بھی سن کر ایک دم ہنس پڑیں۔ دیر تک ہنستی رہیں۔ خوش خوش رہیں اور مجھ سے کہتی تھیں کہ دہرائے جاؤں۔ پھر بعد میں انہوں نے دعائیں مانگیں۔ میں ہمیشہ جی میں سوچا کرتی تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اماں تو نانا جان سے اس قدر محبت کریں اور نانا کو ان کی ذرا بھی چاہ نہیں۔ ایک دفعہ جب میں نانا جان کے پاس گئی تو جان بوجھ کر ان سے کہنے لگی کہ اماں آپ کو بہت چاہتی ہیں۔ وہ سنتے تو ان کی صورت پر غصہ برستا تھا مگر خیر سن لیتے تھے اور زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ اماں کو آپ سے اس قدر محبت ہے کہ وہ برابر آپ ہی کے بارے میں پوچھتی جاتی ہیں اور آپ نے کبھی ان کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔ نانا اس پر بہت خفا ہو گئے اور مجھے کمرے سے نکال دیا۔ میں تھوڑی دیر دروازے کے باہر کھڑی رہی، انہوں نے ایک دم ادھر سے دروازہ کھولا، دیکھا کہ میں ہوں تو اندر بلا لیا۔ مگر پھر بھی خفا ہی رہے، بولے بہت کچھ بھی۔ پھر بعد میں جب

دینیات کے سبق میں حدیثوں کی باری آئی تو میں نے ان سے پھر پوچھا کہ نانا یہ بتائیے کہ یسوع مسیح کا ارشاد ہے کہ ایک دوسرے سے محبت کرو اور انہیں معاف کر دو جنہوں نے ہم سے زیادتی کی ہے۔ مگر آپ پھر بھی اماں کا قصور معاف نہیں کرتے ہیں؟ اس پر وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور زور سے ڈانٹ کر بولے کہ تجھے یہ سب تیری ماں نے سکھایا ہوگا، مجھے کمرے سے نکال دیا اور کہہ دیا کہ خبردار اب یہاں نہ آنا اور مجھ سے نہ ملنا۔ میں نے بھی کہا کہ اچھی بات ہے، میرا خود جی نہیں چاہتا آنے کو اور آپ سے ملنے کو۔ نہیں آؤں گی اور جی آئی... دوسرے دن نانا اپنے اس مکان سے اٹھ گئے...''

''میں نے کہا تھا نا کہ بارش ختم ہو جائے گی اور دھوپ نکل آئے گی... لو دیکھو، بارش رک گئی، دھوپ نکل آئی... دیکھو، وہ''، نکولائی سرگیئچ نے کھڑکی کی جانب رخ کرتے ہوئے کہا۔

آنا اندریئونا حیرت سے ان کی طرف مڑیں اور ایک دم بڑی بی کی آنکھوں میں ناگواری کی بجلی کوند گئی حالانکہ وہ برابر دبی دبی اور سہمی سہمی رہتی تھیں۔ خاموشی سے انہوں نے نیلی کا ہاتھ پکڑ کر اور اسے اپنے زانو پر بٹھا لیا۔

''ہاں تو کہو، میری چڑیا''، وہ بولیں ''میں تمہاری بات سنوں گی... جانے دو انہیں جن کے دل پتھر ہو گئے ہیں...''

انہوں نے جملہ پورا نہ کیا تھا کہ رو پڑیں۔ نیلی نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا جیسے اسے اندیشہ ہو گیا ہو اور ہمت پست ہو گئی ہو۔ بڑے میاں نے میری طرف دیکھا، کاندھے جھٹکے اور ایک دم دوسری طرف منہ کر لیا۔

''نیلی تم سناتی جاؤ''، میں نے کہا۔

''تین دن تک میں نانا کے پاس نہ گئی''، نیلی نے پھر کہنا شروع کیا ''اور ان دنوں میں اماں کی حالت اور خراب ہو گئی۔ سارا روپیہ ختم ہو چکا تھا اور ہم ایسے کنگلے تھے کہ دوا دارو تک کو پیسہ پاس نہ تھا۔ کھانے کی نوبت نہیں کیونکہ نانبائی اور گوشت والے کے پاس بھی کچھ نہ رہا تھا۔ انہوں نے ہمیں ادھار دینا بند کر دیا۔ ان کے ٹکڑوں پر بھی رہے ہیں۔ تیسرے دن صبح کو میں اٹھی اور باہر جانے کو کپڑے پہننے لگی۔ اماں نے پوچھا کہ بیٹی کہاں جا رہی ہو۔ میں نے بتایا کہ

نانا جان کے پاس، ان سے کچھ روپے مانگوں گی۔ اماں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ میں انہیں بتا چکی تھی کہ نانا جان نے مجھے گھر سے نکالا اور کہہ دیا کہ اب کبھی مت آنا اور خود میں بھی ان کے پاس جانا نہیں چاہتی، اگرچہ اماں بار بار روتی اور مجھے سمجھاتی رہیں کہ وہاں جانا چاہئے۔ جب میں وہاں پہنچی تو پتہ چلا کہ نانا جان نے گھر بدل لیا ہے۔ جب میں نئے پتے پر انہیں تلاش کرنے نکل کھڑی ہوئی۔ جیسے ہی میں نے ان کے پاس نئے مکان میں قدم رکھے وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے، مجھ پر جھپٹے اور پاؤں پٹکنے لگے۔ میں نے جھٹ ان سے کہا کہ اماں بہت بیمار ہیں، ان کی دوا دارو کو کچھ پیسوں کی، پچاس پیسے کی ضرورت ہے اور ہمارے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے... تو نانا نے زور سے ڈانٹا اور مجھے سیڑھیوں پر دھکیل کر اندر سے دروازے میں چٹخنی لگا لی۔ مگر جب وہ گھر سے دھکے دے کر نکال رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ اچھا، سیڑھیوں پر بیٹھی رہوں گی اور جب تک پیسے نہیں ملیں گے، ٹلوں گی نہیں۔ اور میں وہیں سیڑھیوں پر جم کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے دروازہ کھولا، مجھے وہاں بیٹھا پایا اور پھر اندر سے کنڈی چڑھا دی۔ کافی دیر ہو گئی تو انہوں نے پھر دروازہ کھول کر دیکھا۔ میں وہیں موجود تھی۔ انہوں نے پھر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ بعد میں کئی بار انہوں نے دروازہ کھول کر مجھے بیٹھا ہوا دیکھا۔ آخر وہ اوورکوٹ کے سینے باہر نکلے، دروازے کو تالا لگایا اور ایک لفظ کہے بغیر برابر سے گزرتے چلے گئے۔ میں نے بھی ان سے کچھ نہ کہا۔ بس وہیں بیٹھی رہی، بیٹھی رہی جب تک اندھیرا نہیں ہو گیا۔''

''میری بچی، مگر وہاں سیڑھیوں پر تو بڑی ٹھنڈ ہوگی، میری جانوں!''، آنا اندریئونا سے نہ رہا گیا۔

''میرے پاس گرم کوٹ تھا ایک''، نیلی نے جواب دیا۔

''مگر کوٹ سے کیا ہوتا ہے... ہائے بے چاری! تم نے کیسے کیسے دکھ سہے ہیں اف! پھر کیا کیا تمہارے نانا نے؟''

نیلی کے ہونٹ تھرتھرانے لگے مگر اس نے بڑی کوشش کی اور خود کو قابو میں رکھا۔

''جب شام خوب گہری ہو گئی تو نانا آئے اور اوپر چڑھتے

ہونے اُن کی سُن کر سمجھنے لگی، وہ چیخ پڑے 'کون ہے؟' میں نے کہا 'میں ہوں'۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ میں کبھی کی جا چکی ہوں گی۔ مگر یہ دیکھ کر کہ میں وہیں کی وہیں بیٹھی ہوں انہیں سخت تعجب ہوا اور وہ سکتے میں دیر تک میرے سامنے کھڑے رہے۔ پھر ایک دم انہوں نے چھڑی سے کھٹ کھٹ سیڑھیاں ٹھوکیں، سیکے اور دروازہ کھول کر اندر گئے اور منٹ بھر بعد کچھ پیسے لا کر میرے آگے سیڑھی پر ڈال دئیے۔ یہ سب پانچ پانچ پیسے کے سکے تھے۔ 'لو، لے جاؤ!'، انہوں نے ڈانٹ کر کہا 'بس میرے پاس یہی رہ گیا تھا۔ یہ لے جاؤ اور اپنی اماں سے کہنا کہ میں اس کے حق میں بددعا کرتا ہوں'۔ یہ کہہ کر دروازہ جھٹکے سے بھیڑ لیا۔ پیسے لڑھکتے سیڑھیوں پر لگے۔ میں اندھیرے میں انہیں ٹٹولنے لگی۔ نانا نے خود سوچا ہوگا کہ سیڑھیوں پر اندھیرا تھا اور انہوں نے پیسے اوپر سے ڈالے ہیں۔ اندھیرے میں مجھے ملیں گے کیسے، تو دروازہ کھولا اور شمع لے کر آئے۔ شمع کی روشنی میں ایک ایک کر کے میں نے سارے پیسے چن لئے۔ نانا خود بھی پیسے تلاش کرتے رہے اور بولے کہ سب ملا کر کوئی ستر پیسے ہوں گے۔ اس کے بعد چلے گئے۔ جب گھر پہنچی تو سارے پیسے میں نے اماں کے حوالے کر دئیے اور جو کچھ گزری سب سنا دی۔ اماں کی حالت اور بدتر ہو گئی اور میں بھی اس رات اور دوسرے دن بیمار پڑی رہی — مجھے بخار چڑھ گیا تھا۔ لیکن دماغ میں صرف ایک خیال بسا ہوا تھا کیونکہ مجھے نانا جان پر سخت غصہ تھا۔ جب اماں سو گئیں تو میں باہر سڑک پر نکل گئی اور ان کے گھر کی طرف چل دی لیکن گھر سے ذرا فاصلے پر پہنچ کر رک گئی — عین پل پر۔ میرے پاس سے 'وہ شخص' گزرا......

"ارچی دوف،، میں نے بتایا "یہ وہی آدمی ہے جس کے بارے میں نکولائی سرگیئچ میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ وہ جو ایک نوجوان بیوپاری کے ساتھ بوبنوو کے مکان پر گیا تھا اور جس کی وہاں پٹائی ہوئی تھی۔ نیلی نے پہلی بار اسے وہیں دیکھا تھا پل پر... ہاں تو آگے کہو نیلی..."

"میں نے اس آدمی کو روکا اور اس سے کچھ رقم مانگی۔ بس چاندی کا ایک روبل۔ وہ بولا "ایک روبل؟"، میں نے کہا 'ہاں،

ایک'۔ وہ اس پر ہنسا اور کہا کہ میرے ساتھ چلی آؤ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں کہ تبھی میں ایک بڑی عمر کا آدمی سنہری کمانی کا چشمہ لگائے ہوئے پاس سے گزرا۔ اس نے مجھے چاندی کا ایک روبیہ مانگتے سنا۔ وہ میرے آگے ذرا جھکا اور جھک کر پوچھا کہ ٹھیک ایک ہی روبل کیوں چاہئے مجھے۔ میں نے بتایا کہ اماں بیمار ہیں اور دوادارو کے لئے یک روبل کی سخت ضرورت ہے۔ اس نے ہمارا ٹھکانا پوچھا، پتہ لکھ لیا اور ایک روبل کا نوٹ دے کر چل دیا۔ جب اس دوسرے آدمی نے اس چشمے والے کو دیکھا تو وہ بھی چل دیا اور پھر مجھ سے اپنے ساتھ آنے کو نہیں کہا۔ میں دکان میں گئی اور نوٹ بھنایا۔ تیس پیسے تو الگ کاغذ میں لپیٹ کر اماں کے لئے رکھ لئے اور ستر پیسے کاغذ سے باہر رکھے اور جان بوجھ کر مٹھی میں کس کے دبا لئے اور نانا کے گھر کی طرف چل دی۔ وہاں پہنچی تو میں نے دروازہ کھولا، ڈیوڑھی میں رک گئی اور جتنے پیسے ہاتھ میں تھے، کمرے کے اندر پھینک دئیے۔ سارے فرش پر لڑھکنے لگے۔

"لیجئے، یہ اپنے پیسے اٹھا لیجئے!، میں نے نانا سے کہا۔ 'اماں آپ کے پیسے نہیں لیں گی کیونکہ آپ نے انہیں بددعا دی ہے'۔ پھر میں دروازہ زور سے بھیڑ کر وہاں سے بھاگ نکلی۔"

نیلی کی آنکھیں چمک اٹھیں اور اس نے معصومانہ گستاخی سے بڑے میاں کو دیکھا۔

"بالکل ٹھیک کیا،، آنا اندریئونا نے شوہر کی طرف سے نظریں بچاتے ہوئے اور نیلی کو بازوؤں میں بھینچتے ہوئے کہا۔ "بالکل ٹھیک بدلہ دیا ان کو۔ تمہارے نانا بدطینت اور سنگدل آدمی تھے......"

"ہوں،، نکولائی سرگیئچ نے ہنکارا بھرا۔

"ہاں تو پھر کیا ہوا؟ آگے بتاؤ!،، بڑی بی نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"میں نے نانا سے ملنے جانا چھوڑ دیا اور وہ بھی مجھے دیکھنے نہ آئے،، نیلی نے جواب دیا۔

"تو پھر تمہاری گزر بسر کیسے ہوئی؟ تمہاری اور اماں کی؟ ہائے، بیچاری!.."

"اس کی حالت اور بگڑ گئی، پھر ان کا بستر سے اٹھنا
مشکل ہو گیا،" نیلی نے بیان جاری رکھا۔ اب اس کی آواز کانپنے
لگی اور بھرّائی ہوئی تھی۔ "ہم لوگوں کے پاس کچھ نہیں بچا
تھا۔ میں کپتان کی بیوہ کے ساتھ باہر جانے لگی تھی۔ کپتان
کی بیوہ دربدر ماری پھرتی تھی اور راستے میں بھی سفیدپوش لوگوں
کو روک کر بھیک مانگ لیتی تھی۔ اسی طرح اس کی گزر بسر
ہو کرتی تھی۔ مجھ سے کہا کرتی تھی کہ میں کوئی بھکارن
نہیں ہوں۔ کاغذ رکھے ہیں جن میں میری حیثیت لکھی ہے۔
دکھا سکتی ہوں اور ان میں میری مفلسی بھی لکھی ہوئی ہے۔
وہ لوگوں کو کاغذ دکھاتی پھرتی تھی اور لوگ اسے روپے
دے دیتے تھے۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ دیکھو، سب
سے بھیک مانگ لینا کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ
باہر مانگنے جایا کرتی تھی اور لوگوں سے خیرات مل جاتی تھی
تو اسی پر بسر ہوتی تھی۔ اماں کو اس بات کا پتہ چل گیا
کیونکہ دوسرے کرایہ‌داروں نے انہیں بھکارن کہنا شروع
کر دیا۔ پھر بینوو خود سے اماں کے پاس آئی اور کہا کہ لڑکی
کو بھیک مانگنے باہر جانے دینے سے تو اچھا ہے کہ میرے حوالے
کر دو۔ وہ اماں سے پہلے بھی آ چکی تھی اور روپے پیسے
سے ان کی کچھ مدد بھی کرنی چاہی اور جب اماں نے اس کے
ہاتھ کے پیسے لینے سے عذر کیا تو وہ بولی کہ تم اتنی اکڑتی
کیوں ہو اور کہاں کا سامان ہمیں بھجوایا۔ جب اس نے میرے
بارے میں اماں سے یہ بات پھر کی تو اماں گھبرا گئیں اور
رونے لگیں۔ بینووا انہیں گالی کوسنے دینے لگی کیونکہ وہ پیے ہوئے
تھی اور اماں سے بولی کہ میں ہوں تو بھکارن ہی کیونکہ کپتان
کی بیوہ کے ساتھ خیرات مانگنے جاتی ہوں۔ اور اسی رات بینووا
نے کپتان کی بیوہ کو اپنے مکان سے نکال باہر کیا۔ جب اماں کو
اس بات کا پتہ چلا تو وہ رونے پیٹنے لگیں۔ اس کے بعد وہ ایک
دم بستر سے اٹھیں، کپڑے پہنے اور میرا ہاتھ تھام کر باہر نکل
کھڑی ہوئیں۔ جواد الکسندرو نے ہمیں سمجھا بجھا کر روکنے
کی بھی کوشش کی مگر اماں نے ایک نہ سنی اور ہم دونوں ماں
بیٹی نکل کھڑے ہوئے۔ اماں سے چلا نہیں جاتا تھا، ہر منٹ
دو منٹ پر دم لینے کو بیٹھ جاتی تھیں اور میں ان کو سہارا

دیتی تھی۔ اماں بار بار کہتی جاتی تھیں کہ میں تمہارے نانا
کے ہاں جا رہی ہوں، تم راستہ بتاتی جاؤ۔ اس وقت تک رات
ہو گئی تھی۔ ایک دم ہم بڑی سی سڑک پر آ گئے۔ بہت سی
گاڑیاں ایک بڑی حویلی کے پاس چلی آ رہی تھیں اور بہت سے لوگ
وہاں سے نکل رہے تھے۔ تمام کھڑکیوں میں روشنی تھی اور
گانا بجانا سنائی دے رہا تھا۔ اماں نے میرا بازو جکڑ لیا اور بولیں
'بیٹی نیلی، غریب رہنا، ساری زندگی غریبی میں بتا دینا۔ اور جب
کوئی بلائے، ان کے پاس نہ جانا۔ کاش کوئی بھی تمہارے پاس
آئے۔ تم یہاں اس جگہ بھی رہ سکتی تھیں، مالدار بن سکے، اچھے
اچھے کپڑے پہن کے، مگر میں نہیں چاہتی یہ۔ وہ بڑے سنگدل
اور خبیث لوگ ہیں، اور میری نصیحت تمہیں یہ ہے کہ غریب
رہنا، محنت مزدوری کرنا، بلکہ بھیک بھی مانگ لینا لیکن اگر
تمہیں کوئی بلانے آئے تو کہہ دینا۔ میں تمہارے ساتھ نہیں
جاتی!..' اماں جب بیمار پڑی تھیں تو انہوں نے مجھے یہی
نصیحت کی تھی اور اب میں ساری عمر ان کے کہنے پر چلوں گی،
نیلی نے دلی جذبے میں ڈوب کر کانپتے ہوئے کہا۔ اس کا ننھا
سا چہرہ دمک رہا تھا۔ "میں کام کروں گی، ساری زندگی نوکری
کر کے رہوں گی اور میں آپ کے پاس بھی اسی لیے آئی ہوں کہ خدمت
کروں، نوکرانی ہو کے رہوں۔ میں بیٹی بن کر نہیں رہنا چاہتی...."
"ہش — ہشت، توبہ بس کرو، نیلی!" آننا اندریئونا نے اسے
زور سے بھینچتے ہوئے ڈانٹا۔ "تم جانتی ہو، جب تمہاری اماں
نے یہ بات کہی تھی تو وہ بیماری کی حالت میں تھیں۔"
"ان کا دماغ ٹھیک سے کام نہیں کر رہا تھا،" بڑے میاں
نے جھٹ سے کہا۔
"ہو کیا تو!" نیلی نے ان کی طرف جھٹکے کے ساتھ مڑ کر
چلا کے کہا۔ "اگر ان کا دماغ بھی چل گیا تھا تب بھی انہوں
نے مجھ سے کہا یہی تھا اور یہ قول ساری زندگی نبھا دوں گی۔
جب ان کے منہ سے یہ بات نکلی تھی تو وہ بے ہوش ہو کے گر
گئی تھیں۔"
"خدایا رحم!" آننا اندریئونا زور سے چلائیں۔ "بیمار اور سڑک
پر اور سردی کے موسم میں!"
"شاید لوگ ہمیں پولیس چوکی پر لے جا کر چھوڑتے مگر

ایک بھلے آدمی نے ہماری حمایت میں دو لفظ کہے۔ مجھ سے پتہ پوچھا۔ دس روبل کا نوٹ دیا اور حکم دیا کہ اماں کو خود اسی کی گاڑی میں بٹھا کر گھر چھوڑ آئیں۔ اس کے بعد سے اماں کبھی بستر سے اٹھ نہ سکیں اور تین ہفتے میں دنیا سے سدھار گئیں...''

''مگر نانا نے کیا؟ آخر تک انہوں نے معاف کر کے نہیں دیا، کیا؟'' آنا اندریئونا نے متانت کر کہا۔

''نہیں معاف نہیں کیا'' نیلی نے بڑی تکلیف سے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''مرنے سے ہفتہ بھر پہلے اماں نے مجھے پاس بلایا اور کہا کہ 'نیلی، بس ایک بار اور تم نانا کے پاس ہی جاؤ۔ آخری بار۔ ان سے کہنا کہ وہ یہاں تک آ جائیں اور مجھے معاف کر دیں۔ ان سے کہنا کہ اب چند روز کی مہمان ہوں اور اس کے بعد تمہارا دنیا میں کوئی نہ رہ جائے گا۔ ان سے یہ بھی کہنا، بیٹی، کہ اس حال میں میری روح تن سے نکلتے بہت مشکل ہوگی...' میں گئی، نانا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے دروازہ کھولا تھی مگر جیسے ہی مجھے دیکھا، پھر بھیڑ لینا چاہتے تھے کہ میں نے دروازہ دونوں ہاتھوں سے خوب مضبوط تھام لیا اور چیخ کر ان کو سنا دیا: 'اماں دنیا سے جا رہی ہیں، آپ کو بلایا ہے چلیے!..' مگر انہوں نے مجھے دھکا دے کر ہٹا دیا اور دروازہ زور سے بند کر لیا۔ میں واپس اماں کے پاس آئی، ان کی پٹی سے لگ کر لیٹ گئی، انہیں گلے لگایا اور کچھ نہ بولی۔ اماں نے بھی مجھے بھینچ کر گلے لگایا اور کچھ پوچھا نہیں...''

یہاں پہنچ کر نکولائی سرگیئچ نے اپنا ہاتھ زور سے میز پر ٹکایا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن جب انہوں نے ہم سب کو عجب بےحس اور ویران نظر سے دیکھا، تو پھر وہ اپنی آرام کرسی میں گر گئے جیسے طاقت نہ رہی ہو۔ آنا اندریئونا اب ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے نیلی کو روتے روتے سینے سے لگا لیا۔

''اماں کے مرنے سے ایک دن پہلے کی بات ہے۔ رات کا وقت تھا، انہوں نے مجھے بلایا، میرا ہاتھ پکڑا اور کہا 'آج میں تم سے جدا ہو جاؤں گی، بیٹی۔' وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھیں مگر کہنے کی قوت نہ رہی۔ میں نے ان کو دیکھا، مگر معلوم

ہوتا تھا کہ وہ اب مجھے نہیں دیکھ رہی ہیں، بس ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھیں۔ میں نے دھیرے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور گھر سے باہر بھاگی۔ نانا کے گھر سارے راستے میں دوڑتی ہوئی گئی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کرسی سے اچھل پڑے اور گھور کر دیکھنے لگے۔ نانا ایسے دہشت زدہ تھے کہ ان کے چہرے پر زردی چھا گئی اور کانپنے لگے۔ میں نے ان کا ہاتھ تھاما اور صرف اتنا کہا: 'اماں کا دم نکل رہا ہے!' سنتے ہی ان کے ہوش اڑ گئے۔ چھڑی اٹھائی اور میرے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ ٹوپ لینا تک بھول گئے حالانکہ سردی کے دن تھے۔ میں نے ہی ٹوپ اٹھایا اور ان کے سر پر رکھا۔ اور ہم دونوں لپکے ہوئے چلے۔ میں نے ان سے کہا کہ جلدی کیجئے، گھوڑا گاڑی لے لیجئے کیونکہ اماں کا پتہ نہیں کس وقت دم نکل جائے۔ لیکن نانا کے پاس صرف سات کوپک تھے لے دے کے۔ انہوں نے کئی گاڑیاں روکیں، ان سے حجت بھی کی مگر گاڑی والے ان پر اور ازورکا پر ہنس کر آگے بڑھ جاتے تھے۔ ازورکا ہمارے ساتھ دوڑا ہو آ رہا تھا۔ اور ہم تینوں اچکتے جھپکتے چلے جا رہے تھے۔ نانا جان تھک کر چور ہو گئے تھے اور ان کا سانس پھول رہا تھا۔ اس پر بھی دوڑے جا رہے تھے۔ اتنے میں وہ گر پڑے اور ان کا ٹوپ ہوا سے اڑ گیا۔ میں نے انہیں سہارا دے کر اٹھایا اور ٹوپ پھر سر پر رکھا اور ہاتھ پکڑے پکڑے چلے گئے۔ رات ہوتے ہوتے ہم گھر پہنچے... اماں اس وقت تک دم توڑ چکی تھیں۔ نانا نے جب انہیں دیکھا تو ہاتھ پٹک کر رہ گئے، ذرا سے تھرتھرائے اور دم بخود کھڑے رہے۔ اس پر میں اماں کی لاش کے پاس گئی، نانا کا ہاتھ تھاما اور چیخ کر کہا: 'یہ ہو — سنگ دل آدمی، بدذات آدمی یہ ہو، دیکھو، دیکھو!..' نانا کے حلق سے چیخ نکل گئی اور وہ ایسے گرے جیسے جان نکل گئی ہو...''

نیلی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے آنا اندریئونا کے بازوؤں سے خود کو چھڑا لیا اور ہم سب کے بیچوں بیچ کھڑی ہو گئی۔ وہ پیلی تھی، بےحال اور وحشت زدہ تھی۔ لیکن آنا اندریئونا اس کی طرف تیزی سے بڑھیں اور اسے پھر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بس چیخ ماری جیسے آسیب زدہ ہوں:

''میں اب تمہاری ماں کی جگہ ہوں اور تم میری بچی! ...

نیلی، چلو، ہم ان سب بےدرد اور بدمزاج لوگوں کو چھوڑ کر چل دیں!.. یہ بیٹھے لوگوں کا مذاق اڑاتے رہیں اور ان پر جیسے کسے کریں، خدا، خدا انہیں سمجھےگا... آؤ نیلی، بس آؤ، چلیں یہاں سے!..''

اس دن سے پہلے اور اس کے بعد میں نے کبھی بڑی بی کو اس قدر جوش میں نہیں دیکھا تھا اور مجھے گمان بھی نہ تھا کہ وہ یوں جذبے سے گرم ہو سکتی ہیں۔ نکولائی سرگیئچ اپنی کرسی پر تن گئے اور کھڑے ہوکر انہوں نے آواز کے جھٹکے کے ساتھ پوچھا۔

''تم کہاں جا رہی ہو، آنّا اندریئونا؟''

''اس کے پاس، اپنی بیٹی کے پاس، نتاشا کے پاس!'' انہوں نے نیلی کو اپنے پیچھے کھینچتے ہوئے زور سے ڈانٹ کر کہا۔

''سنو، سنو، ذرا ٹھہرو تو!..''

''نہیں، اب میں نہیں ٹھیروں گی۔ تم سنگدل ہو، تم بدفطرت ہو۔ میں بہت ٹھیری اور اس نے بھی بہت راہ دیکھی۔ لیکن اب، بس اب، رخصت!''

اسی کے ساتھ آنّا اندریئونا مڑیں۔ انہوں نے اپنے شوہر پر ایک نظر ڈالی اور پتھرا کر رہ گئیں۔ نکولائی سرگیئچ ان کے سامنے کھڑے تھے، وہ اپنا ٹوپ تھامے ہوئے کانپتے ہوئے ناتواں ہاتھوں سے جلدی جلدی کوٹ پہن رہے تھے۔

''تم بھی!.. تو گویا تم بھی میرے ساتھ آ رہے ہو؟!''

وہ اپنے ہاتھوں کو التجا کے ساتھ جوڑتے ہوئے چلائیں اور شوہر کو اس قدر بےاعتباری سے دیکھا، جیسے مسرت کے وفور میں انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

''نتاشا! کہاں ہے میری نتاشا! کہاں ہے وہ؟ میری بیٹی کہاں ہے؟..'' آخر بڑے میاں کے دل سے یہ آواز ٹوٹ کے نکلی۔ ''میری نتاشا مجھے واپس دے دو! کہاں ہے وہ۔ کہاں ہے؟'' وہ چھڑی جو میں نے بڑھا دی تھی، سنبھالتے ہوئے وہ دروازے کی طرف دوڑے۔

''معاف کر دیا! انہوں نے! معاف کر دیا!..'' آنّا اندریئونا نے چلا کر کہا۔

لیکن بڑے میاں ابھی چوکھٹ تک نہ پہنچے تھے کہ سنے

میں دروازہ ایک دم کھلا اور نتاشا کمرے کے اندر دوڑتی ہوئی آئی۔ اس کا چہرہ پیلا پڑا تھا، آنکھیں ایسے تمتما رہی تھیں جیسے بخار میں ہو۔ کپڑوں میں سلوٹیں پڑی ہوئی اور بارش سے تربتر، سر کو ڈھکنے کے لئے جو رومال اس نے اپنے لیا تھا وہ پیچھے سرک گیا تھا اور اس کے لمبے پریشان بالوں میں پانی کی موٹی موٹی بوندیں جھلک رہی تھیں۔ وہ لپکی ہوئی اندر آئی، باپ کو دیکھا۔ دیکھتے ہی چیخ مار کر ان کی طرف دوڑی، گھٹنوں کے بل گری اور بازو پھیلا دئے۔

نواں باب

انہوں نے اسے بازوؤں میں سنبھال لیا..

بچے کی طرح نتاشا کو اٹھاکر اپنی کرسی پر لے گئے، بٹھا دیا اور اس کے آگے گھٹنوں کے بل جھک گئے۔ انہوں نے اس کے ہاتھ چومے، پاؤں چومے۔ ان کے پیار میں بےتابی تھی، بیٹی کو تکنے میں بےتابی تھی جیسے یقین نہ آ رہا ہو کہ نتاشا ان کے پاس ہے، وہ اسے دیکھ رہے ہیں، اس کی آواز سن رہے ہیں، اپنی بیٹی، اپنی نتاشا کی! آنّا اندریئونا نے اسے گلے لگایا، آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ سینے سے سر لگاکر بھینچ لیا۔ بیٹی کو کلیجے سے لگاتے وقت وہ بےحس و حرکت ہو گئیں، منہ سے ایک حرف نہ نکل سکا۔

''میری پیاری!.. میری جان!.. میرے دل کی ٹھنڈک!..'' بڑے میاں بےربطی سے پکار رہے تھے، ناشا کے ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے اور چاہنے والے کی طرح اس کا پیلا، ستا ہوا مگر پیارا چہرہ تکتے ہوئے اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جن میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ ''میری جان، میری بچی!'' وہ دوہراتے رہے پھر ذرا تھم جاتے اور اس کی طرف تقدس بھری مسرت سے دیکھتے۔ ''کیوں؟ کیا مجھ سے کہا کہ میری نتاشا دبلی ہو گئی'' انہوں نے ہماری طرف مڑکر پوچھا۔ ایک بےکلی اور بچوں کی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر کھیل رہی تھی اور وہ ابھی تک اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے۔ ''ٹھیک ہے کہ وہ سوکھ گئی، رنگ پیلا پڑ گیا مگر دیکھو تو خوبصورتی میں کوئی فرق نہیں، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہو گئی ہے! ہاں ہاں، پہلے سے

بڑھکر،، انہوں نے کہا، کرب کے مارے ان کی زبان بند ہوئی
جا رہی تھی، شدید آمیز کرب کے مارے، جو معلوم ہوتا تھا کہ
ان کا دل شق کر دے گا۔

''ننھے دادا، بس، اب اٹھ جائیے،، نتاشا نے کہا۔ ''میں بھی
اب کو پیار کرنا چاہتی ہوں!..،،

''ہائے میری پیاری! سنا تم نے آنتا اندریئونا، کس پیار سے
اس نے ابھی کہا ہے!،، اور انہوں نے نتاشا کو بے تحاشا کلیجے
سے لگا لیا۔

''نہیں، نہیں، نتاشا، اب یہ میرا کام ہے کہ تمہارے قدموں
میں سر رکھ دوں جب تک میرے دل کو اطمینان نہ ہو جائے
کہ تم نے مجھے معاف کر دیا کیونکہ اب میں ہرگز اس قابل
نہیں ہوں کہ تم مجھے معاف کرو! میں نے تمہیں چھوڑ دیا،
قطع تعلق کیا، عاق کر دیا، سنتی ہو نتاشا، میں نے تمہیں عاق
کر دیا تھا! بھلا مجھ سے یہ ہو سکتا تھا کیا!.. اور تمہیں نتاشا،
تمہیں اس کا یقین بھی آ گیا کہ میں نے تم کو عاق کر دیا؟
تمہیں اس بات کا یقین آ گیا، یقین کر لیا تم نے! یقین ہی نہ کرنا
چاہئے تھا، بس کسی طرح بھی یقین نہ کرنا چاہئے تھا! سنگ دل
کہیں کی تم، کیوں نہ گئیں میرے پاس؟ تمہیں تو معلوم تھا کہ
آ جاتیں تو میں کیسے ہاتھوں ہاتھ لیتا!.. ہائے نتاشا، ذرا یاد
کرو کہ مجھے تم سے کیسی بے پناہ محبت تھی۔ اور اس کے بعد
سے تو اب اور دگنی ہو گئی۔ پہلے سے ہزار گنی زیادہ! لہو
کی ایک ایک بوند میں تمہیں میں نے چاہا! جی چاہتا تھا کہ لہو
بھرے دل کو نکال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں اور تمہارے
قدموں میں ڈال دوں!.. ہائے میرے دل کی ٹھنڈک!،،

''اچھا تو پھر کیجئے مجھ کو — بے درد کہیں کے، میرے
ہونٹوں پر، چہرے پر، اماں کی طرح پیار کیجئے!،، نتاشا نے ناتواں
اور دھیمی آواز میں کہا جو مسرت بھرے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی
تھی۔

''اور تمہاری پیاری آنکھوں پر بھی۔ کیسی پیاری آنکھیں!
یاد ہے تم کو میں انہیں کتنی چوما کرتا تھا؟،، دیر تک پیار
کرنے کے بعد بڑے میاں نے دہرایا۔ ''ہائے سنا کبھی تم نے
خواب میں بھی ہمیں دیکھا، میں تو قریب قریب ہر رات تمہیں

خواب میں دیکھتا تھا۔ رات کو تم سپنے میں آتی تھیں اور میں
ہر بار تم پر رویا کرتا تھا۔ ایک بار تم چھوٹی سی بچی بن کر
آئی تھیں، بالکل ویسی، جیسی دس برس کی عمر میں جب اور ساز
بجانا سیکھنا شروع کر رہی تھیں۔ یاد ہے تم تو؟ چھوٹی سی
فراک پہنے، ننھے ننھے خوبصورت جوتے کسے ہوئے اور ہاتھ سے
ہاتھ لال لال... اس کے ساتھ کیسے لال لال تھے، یاد ہے تمہیں
آنتا اندریئونا؟ تم میرے پاس آئیں، زانو پر چڑھ کر بیٹھ گئیں...
اور میری کمر میں بازو ڈال دئے... اور تم... تم بے ایمان لڑکی،
تمہیں اس کا یقین آ گیا کہ میں نے تمہیں عاق کر دیا ہوگا اور
اب اگر تم آؤگی تو خوشی سے قبول نہ کروں گا! دیکھو تو... میں،
سنتی ہو نتاشا، کئی بار میں تم سے ملنے گیا، تمہاری ماں تک
کو اس کی خبر نہیں ہے، کسی کو بھی معلوم نہیں۔ کبھی
میں تمہاری کھڑکی کے نیچے کھڑا ہو جاتا آدھے آدھے دن کھڑا
رہتا، تمہارے دروازے کے پاس پٹری پر انتظار کئے جاتا، کہ
شاید تم اتفاق سے باہر نکلو اور میں دور سے تمہاری جھلک
پا لوں! اکثر شام کے وقت کھڑکی کی سل پر تمہارے ہاں شمع
جلا کرتی تھی اور اکثر میں تمہارے گھر پر جاتا نتاشا، کہ
اور کچھ نہیں تو تمہاری کھڑکی کی روشنی ہی دیکھ لوں، شاید
کھڑکی پر تمہارا سایہ پڑ جائے، سائے کو ہی دیکھ لوں اور شب بخیر
کی دعا دے کر چلا آؤں۔ کیا کبھی تم سے اتنا ہوا کہ شب بخیر
کی دعا میرے لئے کی ہو، یا میری یاد تمہیں آتی ہو؟ کبھی تمہارے
دل نے تم سے کہا کہ میں کھڑکی تلے انتظار کر رہا ہوں؟ سردی
کے موسم میں کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ میں بہت رات گئے اوپر
زینے پر چڑھا اور وہاں زینے کے موڑ پر کھڑا دروازے پر کان
لگائے رہا اس امید میں کہ تمہاری آواز سنائی دے جائے اور
تمہارے قہقہے کی کھنک میرے کان میں پڑ جائے۔ میں اور تمہیں
کوسوں، عاق کر دوں؟ اس روز بھلا میں کیوں گیا تھا تمہارے
ہاں؟ اس لئے کہ تمہارا قصور معاف کر آؤں اور دروازے تک
ہو کر پھر آیا... ہائے نتاشا!،،

وہ اٹھے، نتاشا کو کرسی سے اٹھایا اور اپنے کلیجے سے لگا لیا۔
''یہ لو، وہی ہے، میرے دل کے ٹکڑے!،، وہ پکارے۔
''اے رب العالمین! شکر ہے تیرا، جو کچھ ہے اس کا شکر، میرے

قہر کا، تیری نعمت کا شکر!.. شکر ہے تیرے سورج کا، جو طوفان کی تاریکیوں کے بعد ہمارے سروں پر جگمگاتا ہے! پروردگار! میں اس لمحے کا تیری درگاہ میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہوں! تو، چاہے ہم پر کوئی ستم کیوں نہ ٹوٹے، چاہے کتنی ہی ذلتیں کیوں نہ آئیں، ہم پھر ایک ساتھ ہیں۔ اور وہ غرور و تکبر سے بھرے ہوئے سر، جنہوں نے ہمیں ٹھکرایا، ہماری تذلیل کی، بلند ہوتے رہیں! وہ ہم پر پتھر پھینکتے رہیں! پروا نہ کرو نتاشا!.. ہم ہاتھوں میں ہاتھ لئے جائیں گے اور میں ان سے کہوں گا — یہ ہے میری انمول، میری پیاری بیٹی، میری بےقصور بیٹی جس کی تم نے توہین کی، جس کی عزت آبرو کو تم نے خاک میں ملایا، اور میں اس سے پیار کرتا ہوں، اسے دعا دیتا ہوں، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے!..“

”وانیا، وانیا“، نتاشا نے نقاہت بھری آواز میں مجھے پکارا اور باپ کے بازوؤں سے ایک ہاتھ نکال کر میری طرف بڑھایا۔

میں دل سے بھلا نہیں سکتا کہ ایک ایسے لمحے میں نتاشا کو میرا خیال آیا اور اس نے مجھے پکارا۔

”مگر نیلی کہاں گئی؟“ بڑے میاں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں — وہ گئی کہاں؟“ بڑی بی نے زور سے پکارا۔ ”میری بچی، ہم تو تجھے بھلائے ہی دے رہے ہیں!“

کمرے کے اندر نیلی کا پتہ نہ تھا۔ وہ وہاں سے کھسک کر اندر سونے کے کمرے میں چلی گئی تھی اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ ہم اس کمرے میں گئے۔ نیلی ایک کونے میں دروازے کے پیچھے چھپی سہمی ہوئی اور ڈری ہوئی سی تھی۔

”نیلی، تمہیں کیا ہو گیا، میری بچی؟“ بڑے میاں نے اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔ لیکن نیلی نے جواب میں ان پر ایک عجیب قسم کی تنی ہوئی نظر ڈالی۔

”ماں! کہاں ہو تم اماں؟“ اس کے منہ سے ایسے نکلا جیسے سرسام میں بڑبڑ رہی ہو۔ ”اماں کہاں ہیں میری؟“ ایک بار اس نے پھر صدا لگائی اور ہماری طرف اپنے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے اور ایک دم خوفناک آسیب زدہ چیخ اس کے حلق سے نکلی۔ چہرے پر تشنج کے آثار پیدا ہوئے، سخت دورہ پڑا اور وہ دھم سے فرش پر گر گئی۔

اختتامیہ

آخری یادیں

وسط جون کا زمانہ ہے۔ گرمی اور گھٹن کا دن۔ شہر میں رہنا ممکن نہیں: ہر طرف خاک دھول، چونا مٹی، عمارتوں کی ادل بدل، کنکر پتھر کا برادہ اور ہوا میں طرح طرح کی بو بسی ہوئی... مگر واہ، کیا مزا ہے! بہت دور کڑک گونج ہوئی۔ آسمان رفتہ رفتہ تاریک ہو گیا اور ہوا کا ایسا بگولا اٹھا کہ شہر کے سارے گرد و غبار کو اپنے آگے آگے لے چلا۔ زمین پر کچھ موٹی موٹی بوندیں پڑیں اور پھر معلوم ہوتا تھا کہ سارا آسمان کھل گیا ہے اور شہر پر دریا کا دریا ٹوٹ پڑا ہے۔ جب آدھ گھنٹے بعد پھر سورج ابھرا تو میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھول اور بےصبری سے تھکے ہوئے بےدم پھیپھڑوں کو تازہ ہو بھرنے لگا۔ ایسی ترنگ آئی کہ کام چھوڑ چھاڑ، قلم ہاتھ سے رکھ دوں، بستر تک کی فکر سے بےنیاز ہو کر نکل کھڑا ہوں اور واسی لیفسکی جزیرے میں اپنے عزیزوں سے ملنے چل دوں۔ حالانکہ جی بہت مچل رہا تھا پھر بھی میں نے ضبط سے کام لیا، اور اپنے کام میں جٹ گیا ایک قسم کی شدت کے ساتھ۔ کچھ بھی ہو، اب اسے نمٹانا ہی ہے! اشاعت گھر والے تھے کہ مطالبے پر مطالبہ کر رہے تھے اور جب تک کام پورا کرکے نہ دبا جاتے وہاں سے پیسہ ملنے والا نہیں۔ اخمنیف گھرانے میں میرا انتظار سہی لیکن دوسری طرف رات تک کام نمٹا لینے کی بھی امید تھی کہ اس کے بعد میں آزاد اور جھونکے کی طرح بالکل ہلکا ہو جانے والا تھا اور ادھر کے دو دنوں اور دو راتوں میں جو لگاتار محنت کی تھی جس میں سارے تین کاپیاں لکھ کر ختم کر دی تھیں اس کا تمام تر رات کی فرصت سے ملنے والا تھا۔

آخر کام ختم ہو گیا۔ قلم ہاتھ سے رکھ کر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ کمر اور سینہ درد سے چٹخ رہا ہے اور سر بھاری ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میرے اعصاب بری طرح چسک رہے ہیں، اور لگتا ہے کہ اپنے بوڑھے ڈاکٹر کے الفاظ کانوں میں گونج رہے ہیں: ''کوئی تندرستی اس کی تاب نہیں لا سکتی، یہ بالکل ناممکن ہے!'' اب تک تو بہرحال یہ بات ممکن رہی تھی! سر گھوم رہا ہے، مشکل سے سیدھا کھڑا ہو سکتا ہوں، لیکن مسرت، بےپایاں مسرت میرے دل میں بھری جا رہی ہے۔ ناول پورا ہو گیا اور اگرچہ میں اپنے پبلشر کا بہت زیر بار اور قرضدار ہوں تاہم جب یہ انعام اس کے ہاتھوں میں پہنچے گا تو وہ مجھے کچھ نہ کچھ دے دے گا — زیادہ نہیں تو پچاس روبل ہی سہی۔ زمانے گزر گئے کہ اتنی رقم سے بھی میری جیب محروم رہی ہے! آزادی اور روپیہ!.. خوشی سے میں نے اپنا ٹوپ اٹھایا اور مسودہ بغل میں دبا کر پوری رفتار سے اپنے سرکار الکساندر پترووچ کی طرف لپکا کہ ان کے باہر نکلنے سے پہلے ہی انہیں گھیر لوں۔

وہ چل دئیے تھے مگر ہاتھ آ گئے۔ انہوں نے ابھی ابھی ایک بہت منافع کا سودا طے کیا ہے، اگرچہ وہ ادبی سلسلے کا نہیں ہے۔ ایک سانولے اور چھوٹے قد کے یہودی کو رخصت کر کے جس کے ساتھ وہ دو گھنٹے سے اپنے دفتر کے کمرے میں بیٹھے تھے، انہوں نے تپاک سے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا اور نرم اور خوشگوار انداز میں میری صحت کے بارے میں دریافت کیا۔ آدمی بڑے شریف اور نیک دل ہیں۔ مذاق سے قطع نظر — میں واقعی ان کا بڑا احسان‌مند ہوں۔ یہ بھی کیا کوئی ان کا قصور ہے کہ ادب میں وہ عمر بھر کے لئے صرف ایک پبلشر ہو کر رہ گئے۔ یہی دوراندیشی اور ذہانت ان میں تھی کہ اندازہ کر لیں کہ ادب کو پبلشروں کی ضرورت ہے اور عین وقت پر اس کا اندازہ کر لیں۔ کاروباری آدمی کی حیثیت سے ان کی جتنی عزت اور تعظیم کی جائے — برحق ہے!

وہ اطمینان سے مسکرا دیتے ہیں جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ میرا ناول پورا ہو گیا اور اب ان کے رسالے میں جہاں تک خاص مضمون کا سوال ہے، تیسرے نمبر کی طرف سے اطمینان ہے، انہیں تعجب ہوتا ہے کہ میں اور بھلا کوئی کام انجام تک پہنچا دوں یہ کیسے ہو سکتا ہے! اور اس پر ذرا مزے کی چھیڑ چھاڑ بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنی تجوری کی طرف بڑھتے ہیں کہ وعدے

کے پچاس روبل نکال کر میرے حوالے کریں، اسی اثنا میں ایک موٹا سا مخالف رسالہ میری طرف بڑھا دیتے ہیں اور تنبیہ کے حصے میں بعض سطروں کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس میں میرے پچھلے ناول کے بارے میں بھی ایک آدھ لفظ لکھا ہے۔

میں نظر دوڑاتا ہوں — کسی ''نقل نویس'' صاحب کا مضمون ہے۔ اس میں نہ تو مجھے برا بھلا کہا گیا ہے اور نہ تعریف کی گئی ہے۔ اس سے مجھے بڑی تسلی ہوتی ہے۔ لیکن نقل‌نویس نے تبصرے میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ میری تحریروں میں عام طور سے ''پسینے کی بو'' آتی ہے، یعنی یوں کہیے کہ میں اپنی کہانیوں میں اس قدر پسینہ بہاتا ہوں، اتنی محنت کرتا ہوں، ان کی اتنی منجھائی کرتا ہوں کہ اس کا حاصل ناگوار ہوتا ہے۔

پبلشر اور میں دونوں خوب ہنستے ہیں۔ میں انہیں بتاتا ہوں کہ پچھلی کہانی کے لکھنے میں دو راتیں صرف ہوئی تھیں اور اس بار ساڑھے تین کاپی کا مسودہ تیار کرنے میں دو دن دو راتیں لگی ہیں۔ کاش اس نقل‌نویس کو جو مجھے اپنی تحریروں پر ضرورت سے زیادہ مشقت اور سخت کاٹ پیٹ کا الزام دے رہا ہے، یہ حقیقت معلوم ہوتی۔

''آپ ہی کا قصور ہے، ایوان پترووچ۔ لکھنے میں آپ اتنی ڈھیل کیوں دیتے ہیں کہ بعد میں راتوں کو بیٹھنا پڑے؟''

بےشک، الکساندر پترووچ بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں اگرچہ ان میں ایک خاص کمزوری بھی ہے یعنی یہ کہ اپنی ادبی پرکھ پر خاص ان لوگوں کے آگے بھی خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں جن کے متعلق ان کو یہ گمان ضرور ہے کہ وہ ان کی ذات شریف کو بہت اچھی طرح سر تا سر جانتے ہیں۔ مگر میرا دل نہیں چاہتا کہ ان سے ادبی بحث کروں۔ روپیہ لے کر میں ٹوپ اٹھا لیتا ہوں۔ الکساندر پترووچ جزیرے* میں اپنے شہر سے باہر کے بنگلے کو روانہ ہونے والے ہیں۔ اور یہ سن کر کہ میں بھی اسی طرف کا

---

* پیٹرسبرگ کے نزدیک دریائے نیوا کے دہانے میں کئی جزیرے ہیں جہاں انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے شروع میں پیٹرسبرگ کے امیر لوگوں کے گرمیوں کے بنگلے تھے۔ (ایڈیٹر)

رخ کئے ہوئے ہوں وہ بڑی خوشی سے اپنی گاڑی میں وہاں تک لے چلنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

"نئی گاڑی لی ہے میں نے، آپ نے شاید دیکھی نہیں؟ بہت عمدہ ہے۔"

ہم باہر نکلتے ہیں۔ واقعی، خوب ہے گاڑی۔ اور چونکہ ابھی اس کو لئے ہوئے بہت دن نہیں ہوئے، تو الکساندر پتروویچ اپنے دوستوں کو اس گاڑی کی سیر کراکے خاص لطف لیتے ہیں بلکہ ایک قسم کا اندرونی تقاضہ محسوس کرتے ہیں۔

گاڑی میں بیٹھے بیٹھے الکساندر پتروویچ دورحاضر کے ادب پر کئی بار بحث چھیڑتے ہیں۔ میرے ساتھ ان کا تکلف نہیں ہے اور کافی سکون کے ساتھ وہ مختلف رائیں میرے سامنے بیان کرتے ہیں جو انہوں نے دو ایک دن ہوئے ایسے ادبی لوگوں سے سنی ہیں جن کی بات کا انہیں یقین اور دل میں عزت ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ الکساندر پتروویچ بعض نہایت غیرمعمولی رایوں کو وقعت دینے لگتے ہیں اور بعض اوقات ان کے دل میں کوئی غلط خیال آتا ہے یا یہ کہ غلط طور پر اس کی تعبیر کر بیٹھتے ہیں جس کا حاصل اس کا بالکل واہیات ہونا ہے۔

میں خاموشی سے سنتا رہتا ہوں اور انسانی جذبات کی رنگارنگی اور ونجی اڑان کے بارے میں خیال‌آرائی کرتا رہتا ہوں۔ میں اپنے جی میں سوچتا ہوں "یہ ہے ایک شخص جو دولت سمیٹتا ہے، ہاں سمیٹتا ہے، مگر نہیں، صرف اسی پر بس نہیں، شہرت بھی چاہئے، ادبی شہرت، اول درجے کے پبلشر اور نقاد کی حیثیت سے شہرت!"

اب اس وقت وہ کوشش میں ہیں کہ ایک ایسے خیال کی پاسداری کریں جو انہوں نے تین دن ہوئے، کسی اور سے نہیں، مجھی سے سنا تھا۔ تب انہوں نے اس کے خلاف بحث کی تھی، مگر اب وہ اسی کے نکتے وضع کر رہے ہیں گویا خود ان کا خیال تھا۔ الکساندر پتروویچ میں یہ پھکڑپن روزمرہ کی بات ہے اور جتنے لوگ ان سے واقف ہیں، سب میں ان کی یہ بےضرر کمزوری مشہور تھی۔ نئی گاڑی میں جاتے ہوئے وہ اپنے زور بیان سے کس قدر خوش ہیں، اپنی قسمت سے کیسے مطمئن ہیں اور کس قدر خوش و خرم! وہ ایک فاضلانہ ادبی گفتگو چھیڑے ہوئے ہیں اور ان کے ملائم اور آراستہ لب و لہجہ سے بھی علم و فضل کی شان

ٹپک رہی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ آزاد خیالی کی راہ پر جا پڑتے ہیں اور پھر سادگی‌بھری تشکیک کا یہ فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ ہمارے ادب میں اور ہمارے ہی کیا، کسی ادب میں بھی، کسی زمانے میں بھی ایمان‌داری یا انکسار نہیں پایا جا سکتا، اور سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ "ایک دوسرے کی ناک پر گھونسہ جمائے جاؤ"۔ خاص طور سے جب پبلشر کے ساتھ معاہدے کی نوبت آتی ہے۔ میں اپنے جی میں سوچتا ہوں کہ الکساندر پتروویچ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک ایمان‌دار اور مخلص ادیب کو، صرف اس وجہ سے کہ اس میں ایمان‌داری اور خلوص پایا جاتا ہے، اگر بےوقوف نہیں تو بدھو ضرور سمجھیں۔ ان کا یہ رجحان لازمی طور پر سیدھا نتیجہ ہے ان کی انتہا درجے کی سادہ‌لوحی کا۔

لیکن اب میں ان کی کوئی بات نہیں سن رہا ہوں۔ واسی‌لیفسکی جزیرے پر پہنچ کر وہ مجھے گاڑی سے رخصت کر دیتے ہیں اور میں اپنے عزیزوں کی طرف تیز تیز قدم بڑھاتا ہوں۔ یہ رہی تیرھویں سڑک، یہ ہے ان کا چھوٹا سا مکان۔ مجھے دیکھتے ہی آنّا اندریئونا انگلی اٹھاکر اشارہ کرتی ہیں اور بازو ہلاکر "شیہہ" کردیتی ہیں، مطلب یہ کہ خاموش رہو۔ آواز نہ ہو۔

"نیلی ابھی ابھی سوئی ہے، بیچاری بچی!" وہ جلدی سے سرگوشی میں کہہ رہی ہیں۔ "خدارا اسے اٹھا نہ دینا! بہت ہی کمزور ہے، بیچاری لڑکی! ہمیں تو اس کی فکر پڑ گئی۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں، مگر بھلا تمہارے ڈاکٹر سے کوئی عقل کی بات سیوڑنی نکلتی ہے! آپ کو اپنی حرکت پر شرم تو نہ آتی ہوگی، ایوان پتروویچ! کیوں؟ کب سے آپ کی راہ دیکھتے رہے تھے ہم لوگ، کھانے پر انتظار کرتے رہے... دو دن سے صورت نہیں دکھائی!"

"مگر میں تو آپ سے پرسوں ہی کہہ چکا تھا کہ دو دن نہیں آ سکوں گا"، میں نے آنّا اندریئونا سے زیرلب کہا۔ "مجھے اپنا کام نمٹانا تھا..."

"مگر آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ آج شام کے کھانے پر آئیں گے! آئے کیوں نہیں؟ نیلی جان بوجھ کر بستر سے اٹھی، ننھا سا فرشتہ! ہم نے اسے آرام کرسی پر لٹا دیا اور کھانے پر لے گئے اور وہ

بولی: 'میں بھی آپ کے ساتھ وانیا کا انتظار کرنا چاہتی ہوں۔
مگر ہمارے وانیا صاحب پہنچے ہی نہیں۔ اب چھ بجنے کو
آئے! کہاں سیر سپاٹے کرتے پھرے تم پاجی، بےایمان کہیں
کے؟ وہ اس قدر پریشان تھی کہ میری سمجھ میں نہ آیا کیسے
چپ کروں... اچھا ہوا کہ اس کی آنکھ لگ گئی بیچاری۔ نکولائی
سرگئیچ شہر گئے ہوئے ہیں (چائے کے وقت تک آ جائیں گے)۔
اب میں یہاں اکیلی دوڑ دھوپ کر رہی ہوں... انہیں ایک
نوکری مل رہی ہے، ایوان پترووچ۔ مگر جب میں سوچتی ہوں
کہ نوکری یہاں سے نئی دور پیرم کے علاقے میں ہے، تو مجھے
ہول کے مارے جھرجھری آتی ہے...''

''اور نتاشا کہاں ہے؟''

''باغ میں ہے، ڈارلنگ میری! جاؤ اس کے پاس چلے جاؤ...
اسے بھی کچھ ہو گیا ہے... میری تو سمجھ میں نہیں آتا اس
کا معاملہ... آہ، میرا دل بوجھل ہے ایوان پترووچ! ویسے وہ تو
اپنی طرف سے یقین دلائے جاتی ہے کہ خوش و خرم ہے مگر مجھے
اس کا یقین نہیں آتا... اس سے مل آؤ وانیا اور پھر چپکے سے
بتانا، کہ اسے ہو کیا گیا... سنتے ہو میری بات؟''

مگر میرے کان دوسری طرف تھے۔ میں باغ کی طرف تیزی
سے روانہ ہو جاتا ہوں۔ یہ چھوٹا سا باغیچہ مکان کا ہی ایک
حصہ ہے۔ لمبائی میں کوئی ۲۵ قدم اور چوڑائی میں بھی اسی
قدر۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی۔ تین اونچے اور خوب چھائے
ہوئے پرانے درخت ہیں۔ کچھ سفیدے ہیں، جن کی عمر کم ہے۔
کچھ جھاڑیاں ہیں لائلاک کی۔ کونے میں رس بھری کی بھی دو
جھاڑیاں موجود ہیں۔ اسٹرابری کے کچھ تختے ہیں۔ اور دو
تنگ پیچ دار روشیں باغ کے طول و عرض میں سے گزرتی ہیں۔
بڑے میاں اس پر مگن ہیں اور ان کا بیان ہے کہ عنقریب کھمبیاں
بھی یہاں اگیں گی۔ خاص بات یہ کہ نیلی کو اس باغیچے سے
پیار ہو گیا ہے اور اسے آرام کرسی پر ڈال کر اکثر باغیچے
کی روش پر گھمایا جاتا ہے۔ نیلی اب سارے گھر کی چہیتی بن چکی
ہے۔ اور اب لیجئے یہ رہی نتاشا۔ وہ ہاتھ آگے بڑھا کر خوش
خوشی سے سواگت کرتی ہے۔ کتنی دبلی ہو گئی۔ پیلی پڑ گئی!
ابھی ابھی بیماری سے اٹھی ہے وہ بھی۔

''وانیا، کہو تم نے کام پورا کر لیا؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

''بالکل، قطعی! اور اب رات گئے تک فرصت ہے۔''

''خیر، شکر ہے خدا کا! کیا، تم نے بہت جلدی کی؟ کچھ
گڑبڑ تو نہیں ہو گیا؟''

''کیا کیا جائے۔ کوئی بات نہیں۔ جب اتنے ذہنی بوجھ
کے ساتھ مجھے کام کرنا ہوتا ہے تو اعصاب کھنچتے کھنچتے
تن جاتے ہیں۔ تصور بہت واضح ہوتا ہے، احساس زیادہ کھلا
کھلا اور گہرا ہو جاتا ہے اور طرز بیان بھی پوری طرح میرے
قابو میں ہوتا ہے، چنانچہ خوب جٹ کر مشقت سے جو کام میں
کرتا ہوں وہ بہتر نکلتا ہے۔ اب سب ٹھیک ہے...''

''ہائے، وانیا، وانیا!''

میں دیکھ رہا ہوں کہ نتاشا ادھر کچھ عرصے سے میری ادبی
ترقی اور شہرت پر جلن کی نگاہ رکھنے لگی ہے۔ پچھلے سال میری
جتنی تحریریں شائع ہوئی ہیں، نتاشا نے ان میں سے ایک ایک کو
پڑھا ہے۔ اور آئندہ کے لئے کیا منصوبے ہیں۔ ان کی سے برابر
کرید رہتی ہے۔ ان پر ہر تنقید و تبصرے سے دلچسپی ہے۔
بعض پر ناراض ہوتی ہے اور اس کے دل کو لگی ہے کہ میں
ادبی دنیا میں اونچا مقام حاصل کروں۔ اس کی پسند اپنے آپ کو
اتنی شدت اور ضد کے ساتھ ظاہر کرتی ہے کہ مجھے نتاشا کے موجودہ
نقطۂ نظر پر حیرت ہونے لگی ہے۔

''بس، تم لکھتے لکھتے اپنا خاتمہ کر لوگے، وانیا، وہ مجھ
سے کہتی ہے۔ ''اپنے اوپر بہت بوجھ ڈالوگے اور لکھتے لکھتے
تھک کر گر جاؤگے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ صحت خاک میں مل
جائے گی۔ فلاں صاحب 'س' ہیں، وہ ایک ناول لکھنے میں دو سال
لگاتے ہیں اور 'ن' صاحب نے دس برس میں صرف ایک ناول لکھا
ہے۔ مگر ذرا دیکھو، منجھی ہوئی اور نوک پلک سے درست
تحریریں پیش کی ہیں۔ ان میں کہیں لاپروائی کا نام و نشان
نہیں پاؤگے۔''

''ہاں، مگر ان کی اپنی آمدنی کے ذرائع موجود ہیں۔ انہیں
مقررہ میعاد میں نہیں لکھنا پڑتا۔ میں ٹھہرا ڈاک کا گھوڑا، مگر
خیر، یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ چھوڑو اس قصے کو، کہو
کوئی خیر خبر؟''

"بہت سی خبریں ہیں۔ اول تو یہ کہ اس کا ایک خط آیا ہے..."

"پھر آیا!"

"جی ہاں — پھر۔"

اور اس نے مجھے الیوشا کا ایک خط دیا۔ جدائی کے بعد سے یہ الیوشا کا تیسرا خط ملا تھا۔ پہلا خط ماسکو سے لکھا گیا اور معلوم ہوتا تھا کہ سخت الجھن میں لکھا گیا۔ الیوشا نے اطلاع دی تھی کہ معاملات نے ایسی صورت اختیار کی کہ ماسکو سے پیٹرسبرگ آنا جیسے کہ جدائی کے وقت طے کیا تھا، اس کے لئے ناممکن ہو گیا۔ دوسرے خط میں اعلان تھا کہ میں چند روز کے اندر آ رہا ہوں تاکہ نتاشا سے شادی کرنے میں تاخیر نہ ہو۔ اب یہ بات طے ہو چکی ہے اور اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اس کے باوجود خط کے لب ولہجے سے ظاہر تھا کہ وہ مایوس ہے۔ اور باہر کے اثرات اور دباؤ اسے بہت بھاری پڑ رہے ہیں اور جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر اسے خود یقین نہیں ہے۔ ضمنی طور پر یہ بھی ذکر تھا کہ کاتیا میرے لئے ہاتف غیبی ہے اور وہی اکیلی شریک غم اور تسلی دینے والی ہستی ہے۔ میں نے اشتیاق سے اس کا تیسرا خط کھولا۔

اس میں کاغذ کے دو ورق موجود تھے۔ بے ربط اور اوٹ پٹانگ طریقے سے جلدی جلدی عالم اضطراب میں لکھا ہوا خط تھا جس میں روشنائی اور آنسو خلط ملط ہو گئے تھے۔ شروع اس سے ہوتا تھا کہ الیوشا نے نتاشا سے بے تعلقی اختیار کی اور اس سے درخواست کی کہ میری خطا معاف کر دی جائے۔ اس نے یہ بھی بتانے کی کوشش کی کہ اب ہماری شادی نہیں ہو سکتی۔ باہر کے مخالفانہ اثرات اتنے زبردست ہیں کہ ان کے سامنے بس نہیں چلتا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ صحیح راستہ یہی ہے۔ نتاشا اور وہ ایک ساتھ خوش نہیں رہ سکتے کیونکہ وہ برابر کے نہیں ہیں۔ مگر وہ اس پر آخر تک قائم نہیں رہا۔ اور ایک دم اپنا استدلال اور قائل معقول کرنے کا طرز چھوڑکر اور اپنے خط کی پہلی آدھی عبارت کو قلمزد کئے یا چاک کئے بغیر اقرار کیا کہ اس نے نتاشا کے ساتھ مجرمانہ برتاؤ کیا ہے، وہ ایک شکست خوردہ آدمی ہے جس میں اتنی قوت نہیں کہ باپ کے مقابلے پر کھڑا ہو سکے

اور باپ خود یہاں دیہات میں آ پہنچا ہے۔ الیوشا نے لکھا تھا کہ میں اپنا قلق بیان نہیں کر سکتا۔ اور دوسری باتوں کے علاوہ اس کا یہی اعتراف تھا کہ وہ بذات خود نتاشا کو خوش رکھنے کا یقین رکھتا ہے۔ اس نے ایک دم یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ دونوں بالکل برابر کی جوڑ تھے اور اپنے باپ کی دلیلوں کو غصے اور شدت کے ساتھ رد کر دیا، اور اداس ہوکر اس کا نقشہ کھینچا تھا کہ اگر نتاشا اور وہ ساتھ رہ سکتے، شادی کر سکتے تو ساری زندگی کس آسایش اور راحت سے بسر ہوتی۔ خود کو بزدلی پر لعنت ملامت کی تھی اور — ہمیشہ کے لئے خدا حافظ کہہ دیا تھا! خط بڑی جان لیوا مصیبت کے عالم میں لکھا گیا تھا۔ ظاہر تھا کہ جب اس نے لکھا ہوگا تو وہ آپے میں نہ رہا ہوگا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے... نتاشا نے ایک اور خط دیا، کاتیا کا۔ یہ خط الیوشا کے ہی لفافے میں رکھ کر بھیجا گیا تھا، لیکن الگ سے مہربند تھا۔ اختصار کے ساتھ چند سطروں میں کاتیا نے نتاشا کو اطلاع دی تھی کہ الیوشا کو واقعی سخت صدمہ ہے، بہت رویا دھویا ہے اور نڈھال لگتا ہے۔ بلکہ کچھ طبیعت بھی بگڑ گئی ہے۔ مگر خیر، میں اس کے ساتھ ہوں اور اسے چین مل جائے گا۔ اور ان باتوں کے علاوہ کاتیا نے نتاشا کو اس اندیشے سے باز رکھنے کی بھی کوشش کی تھی کہ الیوشا کو جلدی قرار آ جائے گا یا یہ کہ اسے سچ مچ کا غم نہیں ہے۔ "وہ آپ کو کبھی بھلا نہیں سکتا،" کاتیا نے لکھا تھا۔ "حقیقت ہے کہ وہ آپ کو دل سے محو نہیں کر سکتا، اس کا دل ہے نہیں۔ وہ آپ سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اور ہمیشہ محبت کرتا رہے گا۔ اور اس نے اگر کبھی آپ سے محبت کرنا چھوڑا اور اگر کبھی ایسا ہوا کہ آپ کا خیال آئے اور وہ غمزدہ نہ ہو تو میں فوراً اس سے محبت ترک کر دوں گی..."

دونوں خط میں نے نتاشا کو واپس کر دئے۔ ہم نے ایک دوسرے سے نگاہ چار کی مگر کہا کچھ نہیں۔ پہلے کے دونوں خطوں کے بارے میں بھی یہی صورت پیش آ چکی تھی۔ عام طور سے اب ہم پچھلے دنوں پر ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے تھے جیسے ہمارے درمیان کوئی پختہ معاہدہ ہو چکا ہو۔ نتاشا کو ناقابل برداشت دکھ تھا، میں نے محسوس کیا، مگر وہ اپنے جذبات

ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی، میرے سامنے بھی نہیں۔ باپ کے گھر لوٹنے کے بعد وہ تین ہفتے تو بستر پر پڑی رہی۔ اس پر بخار کا حملہ ہوا تھا۔ اب اس سے افاقہ ہو چلا تھا۔ ہم دونوں کو بھی جس نئی حالت سے دوچار ہونا تھا اس کے بارے میں بھی ہم بہت بات چیت نہیں کرتے تھے اگرچہ نتاشا کو معلوم تھا کہ اس کے ابا کو نوکری مل گئی ہے اور عنقریب ہم دونوں کو بچھڑ جانا ہے۔ اس کے باوجود نتاشا ہر وقت میرے ساتھ بڑی خوش‌دلی سے پیش آتی تھی۔ اس قدر خصوصیت اور توجہ سے کام لیتی تھی، میرے ہر معاملے سے گہری دلچسپی رکھتی تھی، جو کچھ میں اس سے اپنے بارے میں کہتا اس پر وہ اس قدر شدید توجہ کرتی تھی کہ شروع شروع میں تو مجھے گراں گزرا، ایسا لگتا تھا جیسے وہ گزرے ہوئے واقعات کی تلافی کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن جلد ہی یہ احساس مٹ گیا — میں نے محسوس کیا کہ نہیں، یہ تو کوئی نئی سی ہے۔ حقیقت صرف یہ ہے کہ وہ مجھے چاہتی ہے۔ بہت بے تحاشا چاہتی ہے۔ میرے بغیر یا ہر وہ چیز جس سے میرا واسطہ ہے اس سے دلچسپی رکھے بغیر نتاشا جی نہیں سکتی۔ اور مجھ کو یقین ہے کہ کسی بہن نے اپنے بھائی سے اتنی محبت نہیں کی جتنی محبت نتاشا نے مجھے دی ہے۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ہمارے درمیان جدائی کے جو دن قریب آ رہے ہیں وہ نتاشا کے دل پر بھاری بوجھ بن گئے ہیں اور نتاشا کے دل میں دکھ بیٹھ گیا ہے۔ وہ یہی جانتی ہے کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر اس کے بارے میں ہم نے ایک دوسرے سے کچھ نہ کہا اگرچہ جو واقعات ہمارے آگے آنے والے تھے ان پر بڑی تفصیل سے باتیں کیں...

میں نے نکولائی سرگیئچ کی خیریت دریافت کی۔

''میں جانوں وہ اب آتے ہی ہوں گے،'' نتاشا نے کہا۔ ''جانے کے وقت تک گھر آنے کا وعدہ کر گئے ہیں۔''

''کیا وہ اسی ملازمت کے سلسلے میں باہر گئے ہیں؟''

''جی ہاں، مگر اب ملازمت کے بارے میں شبہ کی تو گنجائش رہی نہیں۔ اور میرے خیال میں آج انہیں باہر جانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی،'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے اضافہ کیا ''کل چلے جاتے...''

''تو پھر گئے کیوں؟''

''کیونکہ مجھے یہ خط ملا تھا...'' نتاشا نے کہا اور پھر ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد اضافہ کیا۔ ''میں ان کے لئے مستقل بیماری بن گئی ہوں اور یہ بات وانیا، مجھے واقعی دکھ دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوتے میں بھی انہیں اور کسی بات کی فکر ہی نہیں ہے سوائے میرے۔ بلکہ یقین ہے مجھ کو کہ وہ اور کچھ نہیں سوچتے ہیں بجز اس کے کہ میں کیسی ہوں، میری طبیعت کیسی ہے، کیا سوچ ہے۔ مجھے جو فکر بھی ہو، ان کے دل سے اس کی صدائے بازگشت اٹھتی ہے۔ میں دیکھتی ہوں کہ بعض اوقات وہ بھدے طریقے سے خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور میرے معاملے میں تغافل سے کام لیتے ہیں۔ تکلف سے خود کو ہنسی خوشی رکھنے کی، خود کو اور ہم کو ہنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر اماں کے دل کو بھی قرار نہیں ہوتا۔ انہیں ایسے ہنسی قہقہوں کا اعتبار نہیں آتا۔ اور وہ لمبے سانس بھرا کرتی ہیں... ہوشیاری ان میں نام کو نہیں ہے، ایسی سیدھی... صاف صنعت کی دی ہیں وہ،'' وہ ہنس کر بولی۔ ''چنانچہ آج جب مجھے خط ملا تو فوراً انہیں کھسک جانا پڑا تاکہ میری آنکھوں سے آنکھیں چار نہ ہوں... میں ابا کو اپنے آپ سے زیادہ چاہتی ہوں۔ دنیا میں ہر ایک سے زیادہ ان سے محبت کرتی ہوں، وانیا،'' اس نے کہا اور سر جھکا لیا۔ میرا ہاتھ دبایا اور بولی ''تم سے بھی زیادہ انہیں...''

ہم نے باغ کے دو چکر اس سرے سے اس سرے تک لگائے تب اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

''آج یہاں مسلوبویف آیا تھا اور کل بھی آیا تھا۔''

''ہاں اب اس کا ادھر آنا جانا بہت بڑھ گیا ہے۔''

''اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیوں آتا ہے یہاں؟ اماں کو اس کی بات کا سب سے بڑھ کر اعتبار ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ مسلوبویف اس قسم کی باتوں کو (مثلاً قانون وغیرہ کے معاملات کو) بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ اور کچھ بھی سے بگاڑ سکتا ہے۔ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ اماں کے دماغ میں کس قسم کا خیال پکتا جا رہا ہے؟ ان کے دل کی گہرائیوں میں یہ غم بیٹھ گیا ہے کہ میں پرنسس ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس فکر میں ان کا چین آرام

اڑ گیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ انھوں نے مسلوبویف کے آگے یہ راز کھول دیا ہوگا۔ اس کے بارے میں وہ ابا سے بات کرتے ڈرتی ہیں اور دل کو لگی ہے کہ عجیب نہیں جو مسلوبویف اس معاملے میں ان کے کچھ کام آسکے۔ ممکن ہے کوئی قانون، کوئی تدبیر چل جائے۔ مسلوبویف نے بھی بظاہر تو ان کی بد خوش فہمی دور نہیں کی۔ وہ آتا ہے تو شراب سے اس کی تواضع کی جاتی ہے،، نتاشا نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اس طرح سے بھی کچھ ہوتا ہے مگر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟،،

''کیوں، اماں نے خود میرے سامنے بات منہ سے نکالی ... اشاروں اشاروں میں ...،،

''نیلی کا کیا حال ہے؟ کیسی ہے وہ؟،، میں نے پوچھا۔

''واہ، تم پر حیرت ہے — اب تک تم نے اس کے بارے میں پوچھا ہی نہیں!،، نتاشا نے ملامت بھرے انداز میں کہا۔

نیلی سارے گھر کی لاڈلی بن چکی تھی۔ نتاشا کو اس سے بےحد پیار تھا۔ اور نیلی بھی دل و جان سے بالآخر اس پر فدا ہوگئی تھی۔ بیچاری لڑکی! اسے کبھی امید نہ تھی کہ ایسے بھلا چاہنے والے مل جائیں گے، ایسی محبت دستیاب ہو جائے گی۔ اور مجھے یہ دیکھ کر لطف آتا تھا کہ اس کا تلخی بھرا ننھا سا دل نرم پڑتا جا رہا تھا اور اس کی روح ہم پر کھلتی جاتی تھی۔ نیلی اب المناک اشتیاق سے اس محبت کا جواب دینے لگی تھی جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی اور اس ماضی کے برعکس تھی جس نے بچی میں بےاعتباری، غصہ، کڑھن اور ہٹ پیدا کر دی تھی۔ ابھی تک اس میں سے سخت ہالکہٹ گئی نہ تھی کیونکہ ایک زمانے تک وہ جان بوجھ کر ہماری نظروں سے ان آنسوؤں کو چھپاتی رہی تھی جو نئی صورت حال سے نباہ کرتے وقت اس کے سینے میں جلتے رہتے، آخر پوری طرح ہتھیار ڈال دئیے۔ اسے نتاشا سے رفتہ رفتہ بڑی محبت ہو گئی اور پھر نکولائی سرگیئچ سے بھی اور نہ جانے کیسے، میری موجودگی اس کے لئے اتنی ضروری چیز ہو گئی تھی کہ اگر میں غائب رہتا تو اس کی حالت خراب ہونے لگتی۔ اس بار جو میں دو دن کے لئے اس سے جدا ہوا تاکہ اپنا ناول پورا کر لوں تو اسے سمجھانے بجھانے میں بڑی مشکل ہوئی...

ظاہر ہے گھما پھرا کر کہنا پڑا۔ نیلی [illegible] کی بات صاف صاف، بےتکلف، بےروک کہہ دینے میں شرم آتی [illegible]

ہم سب کو اس کی طرف سے فکر لگی رہتی تھی۔ کچھ [illegible] سنے بغیر ہی یہ بات آپ سے آپ طے پا گئی [illegible] لئے نکولائی سرگیئچ کے ہاں رہےگی۔ مگر اب جبکہ [illegible] وقت قریب سے قریب تر آ رہا تھا اس کی حالت بگڑتی جا رہی [illegible] وہ اسی دن سے بیمار تھی جب میں اس کو نکولائی سرگیئچ کے ہاں چھوڑ کر آیا اور نتاشا سے ان کی صلح صفائی ہو گئی۔ مگر میں یہ کیا کہہ رہا ہوں؟ بیمار تو وہ شروع سے ہی تھی۔ بیماری رفتہ رفتہ جڑ پکڑتی جا رہی تھی لیکن اب بیماری کی رفتار بہت تیز تھی۔ اسے کیا تکلیف تھی، یہ نہ تو ٹھیک سے سمجھتا ہوں اور نہ صحیح طور پر بیان کر سکتا ہوں۔ اب اس کو پہلے سے زیادہ جلدی جلدی دورے سے پڑنے لگے تھے، یہ درست ہے، لیکن اس سے بڑھ کر جو خطرے کی علامت تھی وہ یہ کہ توڑ جوڑ دے رہی تھی، حرارت اور اعصابی تناؤ مستقل ہوکر رہ گیا تھا۔ چند روز سے اس کی تنی شدت تھی کہ وہ بستر تک سے نہ اٹھ پاتی تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ نیلی پر جس قدر بیماری کا تسلط بڑھتا جاتا تھا اسی قدر وہ ہمارے ساتھ نرم، زیادہ میٹھی اور زیادہ بےتکلف ہوتی جا رہی تھی۔ تین دن ہوئے جب میں [illegible] سے گزرنے لگا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے پاس کھینچ لیا۔ کمرے کے اندر کوئی نہ تھا۔ وہ سوکھ کر کانٹا ہو چکی تھی۔ چہرہ بخار سے تمتما رہا تھا، آنکھیں جل رہی تھیں۔ اس نے میری جانب بےاختیار جذباتی حرکت کی اور جب میں اس کے پاس جھکا تو میرے گلے میں اس نے سنولائے ہوئے پتلے پتلے بازو حمائل کر دئیے اور گرمجوشی سے پیار کیا اور پھر فوراً نتاشا کو اپنے پاس بلوایا۔ میں نے نتاشا کو بلا دیا تو نیلی نے ضد کی کہ وہ اس کی پٹی پر قریب بیٹھ جائے اور اسے دیکھے...

''میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو دیکھے جاؤں۔ کل رات میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ اور آج بھی آپ کو دیکھوں گی...

اکثر آپ خواب میں آتی ہیں... ہر رات...،،

وہ نتاشا سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر [illegible] خود اپنے جذبات کو نہ سمجھ سکی اور انہیں زبان پر نہ لا سکی...

وہ نکولائی سرگیئیچ کو، میرے علاوہ بقی سب سے زیادہ چاہتی تھی اور کہنا چاہئے کہ خود وہ بھی قریب قریب اسے نانا کی طرح چاہتے تھے۔ نیلی کا جی بہلانے اور اسے خوش کرنے کے لئے نہیں عجب کرامات آتی تھی۔ جیسے ہی وہ اس کے پاس آتے کہ ایک دم قہقہوں کی بلکہ خوش گپیوں کی آواز بلند ہونے لگتی۔ بیمار بچی چھوٹے بچے کی سی شرارتیں کرنے لگتی اور بڑے میاں سے چوبچے کرتی، ان پر ہنستی، انہیں اپنے خواب سناتی، ہمیشہ کوئی نہ کوئی شرارت سوچ کے رکھتی اور ان سے قصے کہانیاں کہلوا لیتی تھی۔ بڑے میاں بھی ایسے خوش اور ایسے مگن ہوتے تھے "پنی ننھی سی نیلی بیٹی" کو دیکھ کر کہ روز بروز اس کے پاس ان کا جی زیادہ بہلتا جاتا تھا۔

"خداوند عالم نے اسے ہمارے پاس اس لئے بھیجا کہ ہمارے پرائے دکھوں کی جزا ہو جائے" ایک بار انہوں نے نیلی کے پاس سے اٹھتے ہوئے اور اسے حسب معمول شب بخیر کی دعا دے کر مجھ سے کہا۔

روزانہ رات ہوتے ہم سب اکٹھے ہو جاتے (مسلوبویف کا قریب قریب ہر شام کا آنا ہو گیا تھا) اور ہمارے بڑے میاں ڈاکٹر صاحب بھی آجایا کرتے تھے، انہیں اخمنیف کے گھرانے سے خاص نسبت پیدا ہو گئی تھی۔ نیلی کو آرام کرسی میں پڑے پڑے گول میز تک لایا جاتا۔ برآمدے کی طرف کھلنے والا دروازہ کھول دیا جاتا۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنوں میں ہرے باغیچے کا پورا منظر آنکھوں کے سامنے ہوتا اور اس سے تازہ ہریالی کی اور کھلتے ہوئے لائلاک پھولوں کی مہک آیا کرتی۔ نیلی اپنی آرام کرسی پر بیٹھی رہتی اور ہم سب کو پیار کی نظروں سے دیکھے جاتی۔ ہماری باتیں سنے جاتی۔ کبھی کبھی جب اسے موج آتی تھی تو وہ بھی رفتہ رفتہ باتوں میں شریک ہو جاتی... مگر ایسے موقعوں پر ہم اس کی بات بےچینی سے سنا کرتے کیونکہ اس کی یاد میں جو باتیں پڑی ہوئی تھیں ان میں ایسے موضوع بھی تھے جنہیں چھیڑنا نہیں چاہئے تھا۔ ناتاشا اور میں اور اخمنیف میاں بیوی کو بھی اس جرم کا احساس تھا اور اندازہ تھا کہ نیلی کے ساتھ انہوں نے کتنی زیادتی کی جب اس روز اسے مجبور کیا گیا تھا کہ ناچنے اوڑھنے والی پوری آپ بیتی بیان کر دے۔ ڈاکٹر خاص طور سے

اس قسم کی یاد رفتہ کے خلاف تھے۔ اور ہم سب جان بوجھ کر بات کا موضوع پلٹنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اگر نیلی یوں بن جاتی جیسے ہماری کوشش کی طرف اس کا دھیان نہیں گیا اور ڈاکٹر کے ساتھ یا نکولائی سرگیئیچ کے ساتھ مل کر ہنسنے لگی...

لیکن اسی اثنا میں نیلی کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ غیرمعمولی طور سے اس پر ایک ایک چیز کا اثر پڑنے لگا۔ دل کی حرکت ناہموار ہو گئی تھی۔ مجھ سے ڈاکٹر نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ کسی وقت بھی مر سکتی ہے۔

میں نے اس ڈر سے کہ ان لوگوں کو صدمہ پہنچے گا، اخمنیف گھرانے والوں سے اس کا ذکر نہ کیا۔ نکولائی سرگیئیچ کو پورا یقین تھا کہ سفر آغاز ہونے تک وہ ٹھیک ہو جائے گی۔

"ابا آ گئے ہیں" ناتاشا ان کی آواز سن کر بولی۔ "چلیں، واپیا۔"

نکولائی سرگیئیچ نے حسب عادت چوکھٹ سے ادھر قدم رکھتے ہی زور زور سے بولنا شروع کر دیا۔ آنا اندریئونا اشاروں سے منع کرنے لگیں کہ خاموش رہو۔ بڑے میاں فوراً دھیمے پڑ گئے۔ اور ناتاشا کو اور مجھے دیکھ کر بہت دھیرے سے مگر جلدی کے انداز میں اپنی سعی کا حاصل بیان کرنے لگے۔ جس ملازمت کی کوشش کر رہے تھے، وہ مل گئی تھی اور انہیں اس کی خوشی تھی۔

"دو ہفتے میں ہم روانہ ہو سکتے ہیں" انہوں نے ہاتھ ملتے ہوئے اور فکرمندی کے مارے ناتاشا کو کنکھیوں سے تکتے ہوئے کہا۔ مگر ناتاشا نے اس کا جواب مسکراہٹ سے دیا اور انہیں یوں گلے لگایا کہ بڑے میاں کے شکوک ایک دم کافور ہو گئے۔

"ہم تو چلتے بنے، دوستو، ہم چلے!" وہ چہچہائے۔ "بس، وانیا، تم، تمہارا یہاں چھوٹ جانا کھٹک رہا ہے..." (یہاں اتنا کہنا چلوں کہ انہوں نے ایک بار منہ تک نہیں چھوا، کہ میں بھی ان کے ساتھ چلا چلوں۔ جو ان کی طبیعت اور مزاج کو دیکھتے ہوئے، انہیں ضرور ہی کرنا چاہئے تھا... دوسرے حالات میں وہ یہ کئے بنا نہ رہتے... یعنی اگر ناتاشا سے میری محبت کی خبر انہیں نہ ہوتی)۔

"خیر تو اب کیا کیا جائے۔ دوستو، مجبوری! وانیا، بھئی، دل میرا کڑھتا ہے مگر نئی جگہ جائیں گے، مقام بدلے گا تو ہم سب میں نئی زندگی پیدا ہو جائے گی... جگہ بدلنے کے معنی ہیں ہر چیز کا بدل جانا!"، انہوں نے ایک بار پھر اپنی بیٹی پر چھچھلتی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

انہیں اس بات پر پکا اعتقاد تھا اور وہ اس اعتقاد سے خوش تھے۔

"اور نیلی؟"، آننا اندریئونا نے پوچھا۔

"ہاں، بیچاری... ابھی تو تکلیف میں ہے لیکن چلنے کے وقت تک ٹھیک ہو جائے گی۔ ابھی سے اس کی حالت تو سنبھلنے لگی ہے۔ کیا خیال ہے، وانیا؟"، انہوں نے ایک دم گھبرا کر کہا اور مجھے بے چینی سے دیکھا جیسے یہ میرا کام ہو کہ ان کے اندیشے دور کروں۔

"اب کیسی ہے وہ؟ نیند کیسی آئی؟ کچھ تو نہیں ہوا ہے؟ اس وقت جاگ تو نہیں رہی ہے؟ جانتی ہو کیا، آننا اندریئونا، ہم چھوٹی میز ادھر نکال لیں گے برآمدے میں۔ سماوار منگا لیں گے۔ دوست احباب آئے ہوں گے، ہم سب وہاں بیٹھ جائیں گے۔ نیلی بھی باہر ہمارے پاس آ جائے گی... خوب رہے گا۔ ہو سکتا ہے وہ جاگ اٹھی ہو؟ میں اسے ذرا دیکھ لوں۔ جگاؤں گا نہیں۔ فکر نہ کرو!"، انہوں نے کہا یہ دیکھ کر کہ آننا اندریئونا انہیں پھر اشارے سے خاموش کرنے لگی تھیں۔

مگر نیلی اس وقت جاگ چکی تھی۔ کوئی پندرہ منٹ بعد ہم سب کے سب حسب معمول شام کی چائے پر سماوار گھیرے بیٹھے ہوئے تھے۔

نیلی کو آرام کرسی پر باہر لایا گیا۔ ڈاکٹر اور مسلوبویف نمودار ہوئے۔ مسلوبویف اپنے ساتھ نیلی کے واسطے لائلاک پھولوں کا بڑا سا گچھا لایا۔ مگر اس کو کسی بات کی فکر اور الجھن معلوم ہوتی تھی۔

یہ ذکر کر دیا جائے کہ مسلوبویف اب قریب قریب ہر شام آنے لگا تھا۔ یہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ وہ ان سب لوگوں کو بہت پسند تھا، خاص طور سے آننا اندریئونا کو، لیکن ہمارے درمیان گفتگو میں الکساندرا سیمیونوونا کے بارے میں ایک

لفظ تک نہ آیا۔ اور نہ مسلوبویف نے ہی اس کی طرف کوئی اشارہ کیا۔ آننا اندریئونا کو میری زبانی معلوم ہو کہ الکساندرا سیمیونونا ابھی تک اس کی بیاہتا بیوی کی حیثیت کو نہیں پہنچی تھی، تو انہوں نے طے کر لیا کہ ایسی حالت میں اس کا گھر پر بلانا یا ذکر تذکرہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا — اس واقعے سے آننا اندریئونا کے مزاج کی خصوصیت ظاہر ہوتی تھی۔ مگر نتاشا کا معاملہ بلکہ جو کچھ اس پر پڑ چکی تھی، اگر وہ سب درمیان میں نہ ہوتا تو شاید آننا اندریئونا اتنی تنگ مزاجی نہ دکھاتیں۔

اس شام نیلی خاص طور سے اداس تھی اور کسی بات میں اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ گویا اس نے کوئی خواب پریشان دیکھا ہو اور اب اسی پر خیال دوڑا رہی ہو۔ مگر مسلوبویف نے جو اسے تحفہ دیا اس پر وہ بہت خوش تھی۔ اور ان پھولوں کو مسرت سے دیکھ رہی تھی جو ہم نے ایک گلدان میں اس کے آگے لگا دئے تھے۔

"تو تمہیں پھولوں کا بہت شوق ہے، نیلی؟"، بڑے میاں نے کہا۔ "اچھا ٹھہر جاؤ!"، وہ اشتیاق سے بولے۔ "کل... چھپی بات ہے تم خود دیکھ لو گی!..."

"جی ہاں، ہے تو شوق مجھ کو"، نیلی نے جواب دیا۔ "مجھے یاد ہے کہ ایک بار ہم نے اماں کا پھولوں سے سواگت کیا تھا۔ جب ہم وہاں تھے باہر (یعنی بدیس میں) تو اماں ایک بار ایسی بیمار ہوئیں کہ مہینے بھر پڑی رہیں۔ ہائن رخ اور میں نے طے کیا کہ جب اماں بستر سے اٹھیں گی اور پہلی بار مہینے بھر بعد اپنے کمرے سے باہر نکلیں گی تو ہم سارے کمروں کو پھول ہی پھول سے سجا دیں گے۔ یہی کیا۔ ایک رات اماں نے ہم سے کہا کہ اگلے دن صبح کو وہ ناشتہ کرنے نیچے ضرور آئیں گی۔ ہم صبح تڑکے اٹھ گئے۔ ہائن رخ پھولوں کا ڈھیر لے آئے۔ اور ہم نے مل کر تمام کمروں کو ہری پتیوں اور ہاروں سے سجا دیا۔ ایک بیل اور کوئی اور چیز تھی جس کے چوڑے چوڑے پتے تھے، معلوم نہیں کیا نام تھا اس کا، کچھ اور پتیاں تھیں جو ہر چیز کو پکڑ لیتی ہیں، اس کے علاوہ بڑے بڑے سفید پھول تھے اور نرگس کے پھول، وہ مجھے سب پھولوں سے زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ گلاب

تھے، اعلیٰ درجے کے گلاب اور بہت سے طرح طرح کے پھول تھے۔
ہم نے ان سب کی مالائیں بنا بنا کر ٹانگ دیں اور باقی گلدستوں
میں لگا دئیے۔ ایسے بھی پھول تھے ان میں کہ بڑے بڑے سوں
میں لگا دیجئے تو اچھے خاصے درخت لگتے۔ ان کو ہم نے گملوں
میں کتر کر دبا اور اماں کی کرسی کے پاس لگا دیا، جب اماں
اندر گئیں تو حیرت سے تکتی رہ گئیں اور انہیں بہت ہی اچھا
لگا۔ شاہ رخ بھی خوش ہوئے... وہ مجھے اب یاد آ رہا ہے...''
نیلی اس شام خاص طور سے کمزور تھی اور اعصاب کی کمزوری
بڑھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اس کی طرف بے چینی سے دیکھ رہے تھے۔
مگر اسے باتیں کرنے کا شوق چرا رہا تھا۔ اور دیر تک، جب
تک کہ خوب گہرا اندھیرا نہ ہو گیا وہ اپنی پہلے کی، وہاں کی
زندگی سناتی رہی۔ ہم نے بھی اسے ٹوکا نہیں۔ نیلی نے ماں اور
شاہ رخ کے ساتھ وہاں بہت سیر و سفر کئے تھے اور اس کے حافظے
میں ان دنوں کی یاد کے نقش صاف ابھر رہے تھے۔ وہ بڑے جوش و خروش
سے باتیں سنا رہی تھی۔ نیلے آسمانوں کی، اونچی پہاڑی چوٹیوں کی،
جن پر وہ برف اور برف کی سلیں دھری دیکھ چکی تھی، پہاڑوں کے
آبشاروں کی، اور پھر اٹلی کی جھیلوں اور وادیوں کی، پھولوں اور درختوں
کی، دیہاتیوں اور ان کے لباس کی، ان کے سنولائے ہوئے چہروں
اور سیاہ آنکھوں کی، ان لوگوں کی جو جو معرکے پیش آئے تھے
ان کے بارے میں سناتی رہی۔ پھر بڑے بڑے شہروں اور محلوں
کا ذکر کیا، ایک بہت اونچے گرجا گھر کا تذکرہ، جس میں
گنبد تھا اور اچانک جھلکے مختلف رنگوں کی روشنیوں سے جگمگانے
لگتا تھا۔ جنوب کے ایک گرم شہر کا تذکرہ جہاں آسمان بھی
نیلا اور سمندر بھی نیلا... اس سے پہلے نیلی نے کبھی اپنی یادیں
یوں تفصیل سے نہ سنائی تھیں۔ ہم محو ہو کر اس کے قصے سنتے
رہے۔ اب تک جو کچھ ہمیں اس کی یادداشتوں کے بارے میں معلوم
تھا وہ سب سے مختلف قسم کی تھیں — تاریک اور ابلتا ہوا شہر —
اس کا گھونٹ دینے والا اور دماغ کو معطل کر دینے والا ماحول۔
اس کی بیکسی ہوئی ہوا۔ گرد و غبار سے اٹے ہوئے مکان و محل۔
پیلی سی پھیکی ہوئی دھوپ، اور بڑے بدمزاج نیم خبطی باشندے،
جن کے ہاتھوں اس نے اور اس کی ماں نے اتنے دکھ اٹھائے تھے۔
جس سے محبوس باندھا نہ بھی وہ اس کی ماں کسی مرطوب اداس

رات کو ایک گندے تہہ خانے کے خستہ حال بستر پر پاس پاس
پڑی ہوئی کیسے پچھلے دنوں کی یاد کرتی ہوں گی۔ مرحوم شاہ رخ
کی اور دوسری دنیا کے عیش کی باتیں کرتی ہوں گی... میں
نے نیلی کا تصور کیا کہ اکیلی رہ گئی ہے ماں کے بغیر اور وہی
سب یاد کر رہی ہے۔ اوپر سے بڑھیا مار مار کر، درندوں کی
طرح بے رحمی کا برتاؤ کر کے اس کی امنگوں کو مٹا دینے اور ایک
گندی زندگی بسر کرانے کی کوشش کر رہی ہے...
آخر کہتے کہتے نیلی کی طبیعت بگڑ گئی اور اسے اندر
لے جایا گیا۔ نکولائی سرگیئچ بہت بری طرح پریشان ہوئے اور
تاسف کرنے لگے کہ اسے ہم نے اتنا بولنے ہی کیوں دیا۔ پہلے
بھی اس کو ایسے ہی کئی دورے پڑ چکے تھے۔ جب دورہ گزر
گیا تو نیلی نے بڑی لجاجت سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ وہ مجھ سے
اکیلے میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اس قدر التجا پائی جاتی تھی
اس کی خواہش میں کہ ڈاکٹر نے فوراً اصرار کیا کہ جو وہ چاہتی
ہے اس کی تعمیل کی جائے اور سب لوگ کمرے سے اٹھ گئے۔
جب ہم اکیلے رہ گئے تو نیلی بولی ''سنو، وانیا، میں جانتی
ہوں کہ وہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ میں ان کے ساتھ جا رہی ہوں گی۔
مگر میں جاؤں گی نہیں کیونکہ جا نہیں سکتی۔ اور فی الحال تمہارے
پاس ٹھیروں گی۔ بس میں اتنا ہی کہنا چاہتی تھی۔''
میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، کہا کہ اخمینیف گھرانے
کے سب لوگ تم سے اس قدر محبت کرتے ہیں اور تمہیں اپنی
بیٹی کی طرح مانتے ہیں، تمہاری بہت کمی محسوس کریں گے، اور
دوسری طرف تمہیں میرے ساتھ رہنے میں مشکل ہوگی اور یہ کہ
میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔ لیکن اس کا کوئی چارہ نہیں — بچھڑنا
ہی ہوگا۔
''نہیں — ناممکن!'' نیلی نے سختی سے جواب دیا۔ ''کیونکہ
اب مجھے اماں اکثر خواب میں دکھائی دیتی ہیں اور وہ کہتی
ہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ جانا۔ یہیں رہنا، وہ کہتی ہیں
کہ نانا کو اکیلا چھوڑ دیا، بھی بڑا گناہ کیا میں نے، یہ کہتے
وقت ہمیشہ روتی ہیں۔ میں یہیں رہنا اور نانا جان کی دیکھ بھال
کرتی رہتی ہوں، وانیا۔''
''مگر تمہیں تو معلوم ہے کہ ہمارے نانا جان مر چکے،

نیلی، میں نے اس کی بات کو حیرت سے سنتے ہوئے جواب دیا۔
اس نے ذرا غور کیا اور پھر گہری نگاہ سے مجھے دیکھا۔
"بتاؤ تو سہی وانیا، مجھے تم پھر بتاؤ، کیسے ان کا انتقال
ہوا۔ سب کچھ بتا دو اور دیکھو کوئی بات رہ نہ جائے۔"
اس درخواست پر میں حیران رہ گیا مگر میں نے اس سے پورا
قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اس
کے دماغ کو گرمی چڑھی ہوئی ہے یا کم از کم دورے کے بعد
ذہن صاف نہیں ہے۔
جو کچھ میں کہتا گیا وہ بہت توجہ سے سنتی گئی اور مجھے
یاد ہے کہ اس کی سیاہ آنکھیں جو بخار کی تپش سے چمک رہی
تھیں جب تک میں بیان کرتا رہا مجھے جم کر اور ٹکٹکی باندھ کر
دیکھتی رہیں۔ کمرے کے اندر اندھیرا ہو چکا تھا۔
"نہیں، وانیا، وہ نہیں مرے!" جب وہ میرا تمام بیان سن
چکی تو اس نے ذرا خیال دوڑانے کے بعد قطعی انداز میں کہا۔ "اماں
اکثر نانا جان کے بارے میں باتیں کرتی ہیں۔ اور کل جب میں
نے ان سے کہا کہ 'نانا تو مر گئے' تو انہیں سخت ملال ہوا،
رونے لگیں اور بولیں کہ نہیں، وہ نہیں مرے ہیں۔ جان بوجھ کر
کسی وجہ سے مجھے ایسا بتایا گیا ہے۔ بلکہ وہ تو سڑک پر
گھومتے پھر رہے ہیں اور بھیک مانگ رہے ہیں 'جیسے ہم بھیک
مانگا کرتے تھے،' اماں نے مجھ سے کہا۔ 'وہ اب بھی وہاں ٹہلتے
ہیں جہاں ہم پہلی بار ان سے ملے تھے، جب میں ان کے سامنے
زمین پر گر پڑی تھی اور ازورکا نے مجھے پہچان لیا تھا'..."
"وہ ایک خواب تھا، نیلی۔ خواب پریشاں، کیونکہ تم آجکل
بیمار ہو،" میں نے کہا۔
"میں خود یہی سمجھتی تھی کہ وہ کوئی خواب ہو،" نیلی
بولی "اور میں نے کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ صرف تم سے
کہنے کا انتظار تھا۔ لیکن آج جب تم نہیں آئے اور میری آنکھ
لگ گئی تو میں نے نانا جان کو خواب میں دیکھا۔ وہ گھر پر
بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے۔ اس قدر دبلے اور وحشت ناک
لگتے تھے۔ کہنے لگے کہ میں نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا اور
نہ ازورکا نے کھایا ہے۔ مجھ سے بہت ناراض تھے اور برا بھلا کہنے
لگے۔ انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ نسوار بالکل نہیں رہی

ہے اور اس کے بغیر وہ جی نہیں سکتے۔ وانیا! ایک بار جیسے ہی
انہوں نے مجھ سے یہی بات کہی تھی۔ ماں کے مرنے کے بعد
جب میں ان سے ملنے گئی تو ان کی طبیعت بہت خراب تھی اور
مشکل سے ہی کوئی بات ان کی سمجھ میں آتی تھی۔ جب میں
نے وہی بات آج ان کے منہ سے سنی تو میں نے سوچا کہ دوڑ کی
اور پل پر کھڑے ہوکر خیرات مانگوں گی اور جو پیسے ملیں گے
اس کی روٹی، ابلے ہوئے آلو اور نسوار خرید کر لے جاؤں گی۔ مجھے
ایسا لگا کہ میں پل پر کھڑی ہوں اور نانا جان قریب سے گزرے
ہیں۔ ذرا وہ اٹکے اور پھر میرے پاس آئے اور دیکھا کہ مجھے کیا ملا
ہے اور جو تھا، لے لیا۔ 'یہ میری روٹی کے ہیں'، وہ بولے اور کہنے
لگے 'اب کچھ نسوار کے لئے بھی ہونا چاہئے۔' میں بھیک
مانگتی ہوں، وہ آتے ہیں اور جو کچھ ہوتا ہے لے جاتے ہیں۔ میں
ان سے کہتی ہوں، جتنا کچھ ملے گا سب آپ کے حوالے کر دوں گی۔
اپنے لئے چھپاؤں گی نہیں۔ وہ جواب دیتے ہیں: 'نہیں۔ تم مجھ
سے چراتی ہو۔ ببنووا نے بھی یہی کہا ہے کہ تم چور ہو۔
اس لئے میں تمہیں اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔ اور جو اکنی ملی
تھی وہ کہاں چھپا لی تم نے؟' میں اس پر رو پڑی کہ انہیں میرے
کہنے کا بھی یقین نہیں۔ مگر وہ میری نہیں سنتے اور ڈانٹنے لگتے
ہیں 'تم نے اکنی چرائی ہے!' اور وہیں پل پر کھڑے کھڑے
مجھے مارنے لگتے ہیں۔ چوٹ لگی تو میں اور زور سے چلائی... تو
مجھے خیال آنے لگا ہے، وانیا، کہ ہو نہ ہو وہ زندہ ضرور ہیں۔
اور کہیں نہ کہیں ٹہل رہے ہوں گے اور میرے آنے کا انتظار کر
رہے ہوں گے..."
ایک بار پھر میں نے اسے ٹھنڈا کرنے کی اور یہ سمجھانے کی
کوشش کی کہ کوئی بات نہیں، صرف خواب ہے۔ اور آخر مجھے
لگا کہ اسے قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ بولی کہ اب مجھے
سوتے ہوئے ڈر لگتا ہے کیونکہ شاید نانا جان پھر خواب میں
آئیں گے۔ آخر اس نے مجھے کھینچ کر گلے لگا لیا...
"پھر بھی وانیا، میں تم کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی،" اس نے
اپنے گالوں سے میرے گال لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر نانا جان کی
وجہ نہ ہو تب بھی میں تم کو نہیں چھوڑوں گی۔"
نیلی پر جو دورہ پڑا تب اس نے گھر میں ہر شخص کو سہما دیا

تھا۔ میں ڈاکٹر کو ایک طرف لے گیا اور ان کو نیلی کے تمام خواب پریشاں سنا دئے۔ اور پوچھا کہ اس کی بیماری کے بارے میں ان کی قطعی تشخیص کیا ہے؟

"کوئی بات بھی یقینی نہیں ہے"، انہوں نے سوچ کر جواب دیا۔ "اب تک میں صرف قیاس دوڑا رہا ہوں، نظر رکھتا اور دیکھتا رہا ہوں۔ لیکن... یقینی کچھ نہیں۔ البتہ یہ یقینی ہے کہ وہ بالکل تندرست نہیں ہو سکتی۔ مر جائے گی۔ میں ان لوگوں کو اس لئے نہیں بتاتا ہوں کہ آپ نے منع کر رکھا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے اور کل آپ کئی ڈاکٹروں کو ایک ساتھ بٹھاکر مشورہ کیجئے۔ ممکن ہے کہ ان کی تشخیص سے بیماری اور کوئی موڑ اختیار کر لے۔ مگر مجھے اس بیچاری بچی کے حال پر ترس آتا ہے جیسے میری اپنی بچی ہو... بڑی پیاری، بڑی اچھی لڑکی ہے اور طبیعت کیسی شوخ پائی ہے!"

نکولائی سرگیئچ کو خاص طور سے پریشانی تھی۔

"میں تمہیں بتاؤں کیا سوچا ہے میں نے، وانیا"، وہ بولے۔ "اس لڑکی کو پھولوں کا بہت شوق ہے۔ جانتے ہو کیا؟ کل جب وہ سوکے اٹھے تو ہم پھولوں سے اس کی تواضع کریں، ٹھیک ایسے، جیسے اس نے اور اس شائق رخ نے اس کی ماں کی تواضع کی تھی اور وہ بیان کر چکی ہے... کس قدر بھرے ہوئے دل سے بیان کر رہی تھی!..."

"میں کہوں گا کہ ہاں اس نے بیان تو ضرور ایسے ہی کیا مگر یہی جذباتی کیفیت اس کے لئے مضر ہے ان دنوں۔"

"ہاں، لیکن خوشگوار جذبات کا ابھر آنا بالکل دوسری بات ہے! میری مانو، صاحب‌زادے، میرے تجربے پر اعتبار کرو۔ ایسا جذبہ جس سے طبیعت کو راحت ملتی ہو، نقصان نہیں کرے گا۔ بلکہ صحت دے گا اور مزاج کو صحت کی طرف مائل کرے گا..."

بڑے میاں خود اپنے خیال میں اس قدر بہہ گئے تھے کہ انہیں اس کا نشہ چڑھا تھا۔ اب انہیں قائل کرنا فضول تھا۔ میں نے اس کے بارے میں ڈاکٹر سے مشورہ کیا، مگر اس سے پہلے کہ ڈاکٹر صاحب کو سوچنے کی فرصت دی جاتی، بڑے میاں نے ٹوپ اٹھایا اور پھولوں کا انتظام کرنے نکل گئے۔

"معلوم ہے تم کو"، چلتے وقت انہوں نے مجھ سے کہا "یہاں

نزدیک ہی ایک گرم‌خانہ ہے جہاں چیزیں تازہ رکھی جاتی ہیں، بڑا عمدہ گرم خانہ ہے۔ وہاں ہر سالی پھول بیچتے ہیں۔ اور سستے داموں مل جاتے ہیں!.. واقعی عجیب بات ہے کہ اتنے کم پیسوں میں بیچ دیتے ہیں!.. تم ذرا آنا الیگزاندرووناکے دماغ میں بات ڈال دو نہیں تو وہ بگڑیں گی خرچ پر... تو یہ بات ہوئی... ہاں، ایک بات اور، برخوردار، یہ تو بتاؤ کدھر کا ارادہ ہے تمہارا؟ فرصت ہے نا تم کو؟ کام تو پورا کر ہی چکے ہو، اب کاہے کی جلدی گھر جانے کی؟ رات یہیں کرو، اوپر بالاخانے پر۔ یاد ہے تم کو، پہلے بھی رات کو سو چکے ہو۔ پلنگ موجود ہے اور بچھونا بھی وہی جوں کا توں دھرا ہے۔ کسی چیز کو چھوا تک نہیں گیا۔ بالکل شاہ فرانس کی طرح خراٹے بھروگے، ہے نا؟ بس ٹھہر ہی جاؤ۔ کل ہم صبح سویرے اٹھیں گے۔ پھول وہ لوگ پہنچا دیں گے اور آٹھ بجے دن تک ہم مل کر سارا کمرہ سجا دیں گے۔ نتاشا ہاتھ بٹائے گی ہمارا — تم جانو، مجھ سے اور تم سے اس کا ذوق عمدہ ہے۔ ہاں، تو پھر... رہے، ٹھہروگے نا؟"

طے ہو گیا کہ رات کو میں وہیں ان کے ہاں رہوں۔ نکولائی سرگیئچ نے پھولوں کی خریداری کا سارا انتظام کر دیا تھا۔ ڈاکٹر اور ماسلوبوئیف نے خدا حافظ کہا اور چلے گئے۔ اخمینیف کے ہاں سویرے سونے چلے جاتے کوئی گیارہ بجے۔ جاتے وقت ماسلوبوئیف کو کوئی ادھیڑبن سی تھی اور لگتا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر ٹال گیا۔ البتہ جب میں نے بڑے میاں اور بڑی بی کو شب بخیر کہہ لیا تو اوپر ہی آرام‌گاہ، یعنی بالاخانے پر پہنچا، دیکھتا ہوں تو ماسلوبوئیف یہاں موجود۔ حیرت ہوئی۔ وہ چھوٹی سی میز کے پاس بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا اور کسی کتاب کے ورق الٹ پلٹ رہا تھا۔

"میں آدھے راستے جاکر لوٹ آیا وانیا، کیونکہ اب تم سے کہہ دینا مناسب ہوگا۔ بیٹھ جاؤ۔ معاملہ واہیات سا ہے، سو، بات ذلیل کی ہے بلکہ..."

"کیوں ایسی کیا بات ہے؟"

"ہوا کیا وہ جو تمہارا پاجی پرنس ہے، اس نے کوئی دو ہفتے ہوئے مجھے غصہ دلا دیا، ایسا غصہ دلایا، ایسی آگ لگائی کہ اب تک مجھ پر جیونجی سوار ہے۔"

"مگر کیا ہو گیا؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارا اس پرنس کے ساتھ اب تک سلسلہ چل رہا ہے۔"

"تو پھر تم نے وہی پنا 'مگر کیا ہو گیا؟' لگا دیا۔ جیسے خدا نخواستہ کوئی آفت ہو گئی ہو! میرے بھیا وانیا، دنیا کے معاملوں میں تم کورے ہو بالکل، جیسے میری الکساندرا سیمیونوونا ہے اور عام طور سے ناک میں دم کر دینے والی عورتیں ہوتی ہیں۔ بس مجھے عورتوں کی سہار نہیں رہی۔ کوا بھی کائیں کائیں کرے تو انہیں فوراً سوجھےگی 'کیا ہو گیا؟'"

"خیر، چھوڑو ناراض نہ ہو۔"

"میں بالکل ناراض نہیں ہوں۔ مگر ہر معاملے کو معقولیت کے ساتھ دیکھنا چاہئے، بڑھا چڑھا کے نہیں... بس میرا کہنا ہی کہنا ہے۔"

وہ ذرا دیر کو چپ ہو گیا، جیسے مجھ سے ابھی تک ناراض ہو۔ میں نے اس کی خاموشی میں خلل نہیں ڈالا۔

"دیکھتے ہو، وانیا،" اس نے پھر کہنا شروع کیا "مجھے ایک دور کی کوڑی مل گئی ہے... یعنی یوں کہوں کہ میں نے نہیں لائی اور نہ واقعی کوئی دور کی کوڑی ہے، لیکن ہاں، کڑی اسی طرح ملتی ہے کہ... یعنی بعض خاص نکتوں پر غور کرکے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ نیلی... شاید... مطلب یہ کہ نیلی پرنس کی بیوی اور جائز اولاد ہے۔"

"نہیں!"

"پھر تم دہرانے لگے 'نہیں!'، ایسے لوگوں سے بات کرنا بڑا مشکل ہے!" وہ ماسلوبوئیف کے سخت انداز میں زور سے چیخ کر بولا۔ "ارے بابا، میں نے تم سے ابھی کوئی دوٹوک بات تو کی نہیں۔ عجب الٹی کھوپڑی ہو تم بھی! بھلا میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا کہ نیلی پرنس کی جائز بیٹی ہے اور اس کا ثبوت موجود ہے۔ میں نے کہا یا نہیں؟..."

"سنو، میرے دوست،" میں نے پھر اس کی بات کاٹی۔ "خدا کے لئے شور نہ مچاؤ بلکہ جو بات ہے صاف صاف اور سیدھے سیدھے کہو۔ قسم کھا کے کہتا ہوں، مان لوں گا۔ تم کیا نہیں سمجھتے کہ یہ معاملہ کس قدر نازک ہے اور اس کے نتیجے کیا نکل سکتے ہیں..."

"ضرور، نتیجے تو نکلیں گے ہی۔ مگر ہم ان تک پہنچیں کیسے؟ ثبوت کہاں دھرے ہیں؟ ہم سے نہیں بتائے جاتے۔ اور میں تم سے یہ بات راز میں کہتا ہوں۔ بعد میں بتا دوں گا کہ میں نے کہا کیوں۔ یقین کرنا کہ اس کی وجہ ہے دراصل۔ بس سو، زبان کو لگام دئے رہو۔ اور خوب سمجھ لو کہ یہ سب راز ہے..."

"قصہ سارا یہ ہے کہ جیسے ہی پرنس سردیوں میں وارسا سے واپس آیا، اسمتھ کی موت سے بھی پہلے کا ذکر ہے، تو اس نے آتے ہی اس معاملے کی چھان‌بین شروع کر دی۔ یعنی شروع کئے بہت دن ہوئے، ایک سال ہو گیا۔ لیکن اس وقت پرنس کو ایک اور ہی بات کی تلاش تھی اور اب اسے بالکل دوسری چیز کی کھوج ہوئی۔ اصل چیز جو خاص ہے یہ کہ ایک کڑی اسے نہیں مل رہی تھی۔ وہ پیرس میں اسمتھ والی سے جدا ہوا اور اسے چھوڑ کر چل دیا اس واقعے کو تیرہ سال گزر چکے تھے مگر تبھی سے اس عورت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ہائن‌رخ کے ساتھ رہتی ہے — یہ وہی ذات شریف ہیں جن کا ذکر آج نیلی نے کیا، یہ بھی اس کو معلوم تھا کہ نیلی اس کے پاس ہے اور وہ بیمار ہے۔ اصل میں اسے سب معلوم رہتا تھا مگر اتنے میں ایک کڑی گم ہو گئی۔ لگتا ہے کہ یہ ہائن‌رخ کی موت کے فوراً بعد ہوا جب اسمتھ‌والی وہاں سے پیٹرسبرگ روانہ ہوئی۔ یہاں اس شہر میں چاہے وہ روس کے اندر کسی نام سے بھی رہتی، وہ اس کا بہرحال کھوج نکال لیتا لیکن ہوا یہ کہ بدیس میں جو اس کے آدمی تھے انہوں نے غلط اطلاع دے کر اسے بھٹکا دیا — اطلاع دینے‌والوں نے اسے یہ باور کرا دیا کہ وہ جنوبی جرمنی کے ایک چھوٹے سے دورافتادہ قصبے میں رہنے لگی ہے۔ انہیں خود بھی لاپروائی کی وجہ سے ٹھیک پتہ نہ تھا۔ وہ ایک اور عورت کے دھوکے میں رہ گئے۔ تو کوئی سال بھر یا سال بھر سے زیادہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ لیکن اس کے بعد پرنس کو شبہ ہونے لگا۔ بعض واقعات اسے پیش آئے کہ پہلے ہی سے اس کو شک گزرنے لگا تھا کہ جنوبی جرمنی کے قصبے والی وہ نہیں ہے جس کی اسے تلاش ہے۔ اب سوال اٹھا کہ اسمتھ والی گئی تو کہاں گئی؟ تب اسے خیال آیا، اگرچہ اس خیال کے لئے کوئی سراغ اس کے پاس نہ تھا، کہ وہ پیٹرسبرگ میں ہی ہوگی۔

س نتا میں جبکہ روس سے باہر چھان‌بین چل رہی تھی اس نے یہاں بھی سراغ لگانا شروع کر دیا۔ لیکن بظاہر سرکاری ذریعوں سے مدد ملنے کی طرف اس نے کوئی توجہ نہ کی اور مجھ سے جان پہچان ہو گئی۔ کسی نے اسے میرا پتہ نشان دیا اور میرے بارے میں بتا دیا کہ یہ یوں ہیں، ووں ہیں۔ اور شوقیہ سراغ‌رسانی کا کام کرتے ہیں — وغیرہ، وغیرہ...

"خیر، تو اس نے میرے سامنے مدعا بیان کیا۔ مگر صاف صاف نہیں بلکہ گول مول۔ لعنت ہو کمبخت پر۔ بتایا بھی تو ایسے کہ لپیٹ کر، مبہم کرکے، گول‌مول۔ بڑی غلط بیانیاں کیں۔ اپنی بات کو کئی کئی بار دہرایا۔ اور ایک ہی واقعات کو مختلف پہلوؤں سے رکھا... ہم سب جانتے ہیں کہ آپ چاہے کتنے ہی ہوشیار بنتے پھریں لیکن سارے راستے تو بند کرنے اور چھپانے سے رہے۔ خیر، تو میں نے بھی آنکھیں بند کرکے فرماں‌برداری کے ساتھ، سادہ‌دلی کے ساتھ، غلاموں کی طرح جی جان لگا کر وغیرہ وغیرہ کام شروع کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی اس اصول پر بھی کاربند رہا جو میں نے یک بار ہمیشہ کے لئے اپنا لیا ہے اور وہ اصول فطرت ہے (ہے ہی اصول فطرت اور کیا) کہ پہلے تو یہ دیکھنا کہ سامنے والا جو کہتا ہے وہ دل کا اصلی مدعا بیان کرتا ہے کہ نہیں۔ دوسرے یہ پرکھنا کہ جو مدعا اس نے بیان کیا ہے اس کے پیچھے کہیں کوئی اور الٹا مطلب تو نہیں ہے اس کا؟ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کے معنی یہ ہوئے، اور تم بھی میرے دوست اپنی شاعرانہ کھوپڑی سے یہ سیدھی سی بات سمجھ لوگے کہ وہ میرے نقصان کے درپے ہے۔ وہ کیسے کہ کوئی کام ہے ایک روبل بھر کا۔ اور دوسرا ہے اس سے چوگنی قیمت کا۔ اب میں جو بیوقوف ٹھیرا نا کہ چار روبل کی حیثیت کا کام اسے یک روبل میں کرکے دے دوں۔ خیر، تو میں نے چھان پھٹک شروع کی اور اپنے عقلی گھوڑے دوڑائے۔ اور یک ایک قدم ٹٹول کر راستے کا نشان ملنے لگا۔ ایک بات خود اس کے منہ سے نکلوائی، دوسری کسی اور سے پتہ چلائی، اور تیسری، اپنی عقل سے نکالی۔ تم چاہو تو بوجھ سکتے ہو کہ ایسا کرنے سے میرا کیا مطلب؟ تو میں جواب دوں گا کہ ایک وجہ تھی جس کی کہ پرنس کو اس معاملے کی بہت ہی بے کلی معلوم ہوتی تھی۔ وہ کسی خاص وجہ سے وہ

بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اب سوال یہ کہ آخر اسے ڈر کس بات کا ہے؟ ایک لڑکی کو باپ کے بس سے بہکا کر لے گیا اور جب اس کے بچہ ہونے والا ہوا تو چھوڑ دیا۔ اس میں [illegible] بات کیا ہوئی؟ ایک مزےدار خوشگوار شرارت ہو گئی — بس اور کیا؟ پرنس جیسے آدمی کو اس میں ڈرنے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن پھر بھی وہ خوف‌زدہ... اسی سے مجھ کو شک ہو گیا۔ میرے یار، اب میں کہہ دوں کہ ہائن‌رخ کے ذریعے بڑی بڑی دلچسپ باتوں کا کھوج نکال لیا۔ وہ خود تو سدھار گیا تھا دنیا سے، مگر اس کی ایک رشتے کی بہن تھی (جو یہاں پیٹرسبرگ میں ایک بیکری والے سے بیاہی ہے) اسے کسی زمانے میں ہائن‌رخ سے والہانہ محبت تھی اور پندرہ برس تک محبت کرتی ہی چلی گئی، حالانکہ جوان مرد بیکرباوا سر پر موجود تھے جن سے ایک دو نہیں اتفاق سے آٹھ بچے پیدا ہوئے۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس عورت سے میں نے بہت ہی الٹی سیدھی ترکیبیں اور چالیں کرکے ایک نہایت خاص بات کا اتہ پتہ نکال لیا — اور وہ یہ کہ ہائن‌رخ، جرمن عادت کے مطابق، اسے خط اور ڈائریاں لکھا کرتا تھا اور موت سے پہلے اپنے کچھ کاغذات بھی اسے بھیج دئے تھے۔ اس احمق کو یہ تو پتہ تھا نہیں کہ خطوں میں کونسی بات اہم لکھی ہے، اس کی عقل شریف میں صرف وہی حصے آتے تھے جہاں چاند تاروں کا ذکر ہو، 'اگسٹین میری جان'، کا جملہ ہو اور وائی‌لینڈ* وغیرہ لکھا ہو۔ میں جانوں۔ مگر میں نے جو کام کی بات تھی وہ وہاں سے پار کر دی اور ان خطوں کی مدد سے ایک نئی کڑی ملی۔ مثال کے طور پر مجھے مسٹر اسمتھ کا پتہ چلا، اس رقم کا پتہ چلا جو بیٹی کے ہاتھ پڑی اور یہ کہ پرنس نے اس کی بیٹی کے ذریعے اس رقم پر ہاتھ صاف کر دیا۔ آخر ان خطوں کے اندر آہ، ہائے، وائے کے درمیان... اور طرح طرح کی سٹھیوں کے بیچ میں سے مجھے سب سے خاص حقیقت کی جھلک مل گئی — یعنی سمجھے وہ [illegible] کہ کوئی دوٹوک بات نہیں۔ اس کے بارے میں وہ پاجی اناڑی ہائن‌رخ دم سادھے گیا اور لکھا بھی تو صرف اشاروں اشاروں میں۔ اور جب ان اشاروں کو ایک ساتھ

* وائی‌لینڈ، کرسٹف مارٹن (۱۷۳۳ء تا ۱۸۱۳ء) — جرمن مصنف، جرمن روسویت پسندی کے پیش‌روؤں میں سے ایک۔ (ایڈیٹر)

دوڑا تو میرے دماغ میں ان سے تال میل بننے لگا—نتیجہ یہ ملا کہ سمتھ والی سے پرنس کی قانونی شادی ہوئی تھی، اس میں کہیں کوئی غلطی نہیں ہے! شادی ہوئی کہاں، کیسے ہوئی، کب ہوئی، ٹھیک ٹھیک، غیرملک میں ہوئی یا یہاں ہوئی—اس کے کاغذات کہاں ہیں؟ یہ سب ابھی تک نہیں معلوم ہو سکا۔ اصل بات یہ ہے میرے دوست وانیا کہ جھلاہٹ کے مارے میں نے اپنا سر دھنک ڈالا ہے، کاغذوں کی تلاش میں لگا رہا ہوں، دن رات اسی میں لگا رہا ہوں۔

"آخر اسمتھ کا تو کھوج نکال لیا میں نے، لیکن وہ چل ہی بسا۔ جب وہ زندہ تھا تو اس کا بھی موقع نہ ملا کہ ایک نظر اس پر ڈال لیتا۔ پھر اتفاق سے اچانک مجھے پتہ چلا کہ ایک عورت جس پر میری شبہ کی نظر تھی واسی‌لیفسکی میں مر گئی۔ میں نے اتہ‌پتہ نکلا اور کھوج مل گیا۔ دوڑا ہوا واسی‌لیفسکی گیا اور وہیں پر، یاد ہے تم کو، ہماری تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔ اس بار میں نے کافی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اور قصہ مختصر یہ کہ نیلی اس معاملے میں میرے بہت کام آئی..."

"سنو"، میں نے اس کی بات کاٹی "تمہیں البتہ یہ خیال تو نہ ہوگا کہ نیلی کو بھی اس کا علم ہے؟..."

"کیا؟"

"یہ کہ وہ پرنس والکوفسکی کی بیٹی ہے؟"

"کیوں، تم کو تو بذات خود معلوم ہے کہ وہ پرنس کی بیٹی ہے" اس نے مجھے خفگی کی ملامت بھری نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایسے فضول کے سوال کیوں کرتے ہو؟ بدھو ہو بالکل! اصل بات یہ کہ اسے صرف اتنا ہی معلوم نہیں ہے کہ وہ پرنس کی بیٹی ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہے کہ اس کی جائز قانونی بیٹی ہے۔ سمجھے اب!..."

"یہ نہیں ہو سکتا!" میں چیخ پڑا۔

"میں نے بھی شروع میں یہی سمجھا تھا کہ 'ایسا نہیں ہو سکتا'، اور اب بھی یہی کہوں گا۔ مگر پتہ چلتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے بلکہ گمان غالب ہے کہ ایسا ہی ہے۔"

"نہیں مسلوبوف، یہ نہیں ہو سکتا، صرف تمہارا گمان تمہیں بہکا رہا ہے!" میں نے چیخ کر کہا۔ "نیلی کو اس کے بارے

میں کچھ خبر نہیں۔ اور اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ وہ غیرقانونی یا ناجائز اولاد ہے۔ اگر اس کی ماں کے پاس کوئی دستاویزی ثبوت موجود ہوتا جو وہ دکھا سکتی تو بھلا وہ ایسے مصائب کیوں جھیلتی پھرتی اور پیٹرسبرگ میں ایسی دکھی زندگی کیوں بسر کرتی؟ پھر یہ کہ اپنی بچی کو اس قدر لاوارثی اور بےکسی کی حالت میں چھوڑ کر کیوں مر جاتی؟ بکواس! بالکل ناممکن!"

"خود میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ واقعہ یہ کہ آج تک یہ بات میرے لئے معمہ بنی ہوئی ہے۔ لیکن پھر دیکھئے تو یہ اسمتھ والی نہایت دیوانی اور سخت ضدی پگلی عورت تھی دیپ پیر کی۔ عجیب و غریب عورت، ذرا سارے حالات کو نظر میں رکھو—اس عورت کا جذباتی پن۔ وہ سب خرافات۔ ستاروں سے آگے کے جہانوں کے تصور۔ دیوانگی اور حماقت کی انتہا کو پہنچے ہوئے۔ ایک یہی نکتہ لے لو۔ شروع سے اس عورت کے خوابوں میں زمین سے اوپر ایک جنت اور معصوم فرشتے بسے ہوئے تھے۔ محبت کی تو بےپناہ کی، اعتبار کیا تو حد سے زیادہ کیا۔ اور مجھے تو یقین ہے کہ بعد میں وہ غم سے پاگل ہو گئی تھی، اس لئے نہیں کہ وہ اس سے اکتا گیا اور چھوڑ کر چلتا بنا۔ بلکہ اس لئے کہ اس کی ذات سے دھوکا ہوا، اس غم سے کہ وہ اور اسے دھوکا دے جائے، اسے چھوڑ دے، جسے معصوم فرشتہ سمجھتا تھا وہ شیطان نکلے، اسے ٹھکرا دے اور ذلت و خواری کے حوالے کر دے۔ اس کی رومانوی اور ناپ تول سے بےنیاز روح اس کایاپلٹ کی تاب نہ لا سکی۔ اور سب پر طرہ یہ کہ توہین۔ کس بلا کی توہین، اندازہ کر سکتے ہو تم؟ دہشت کے مارے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ خودداری کے مارے وہ عورت نہایت نفرت وحقارت کے ساتھ اس سے ایک طرف کو سمٹ گئی۔ سارے تعلقات توڑ دئے، جو کاغذات تھے، چاک کر دئے۔ روپیے پر لات مار دی اور یہ بھی خیال نہ رکھا کہ روپیہ خود اس کا نہیں بلکہ باپ کا تھا۔ یہ رقم کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کی طرح ٹھکرا دی تاکہ اپنی روحانی عظمت سے اس شخص کو کچل ڈالے، جس نے اس کو فریب دیا تھا۔ تاکہ وہ اسے ایسا شخص سمجھ کر نفرت کرتی رہے جس نے اسے لوٹ لیا، اور ساری زندگی اسے ذلیل اور قابل نفرت سمجھتی رہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ بعد میں اس نے یہ بھی کہہ دیا ہو کہ خود کو

سہاری بیوی کہنا میں اپنی بےآبروئی سمجھتی ہوں۔ روس میں ہمارے ہاں طلاق تو ہوتی نہیں۔ مگر علیحدگی تو ان کے درمیان طے شدہ بات تھی۔ اور اس کے بعد وہ مدد مانگتی تو کس منہ سے مانگتی؟ ذرا اسے یاد تو کرو کہ بستر مرگ پر اس نے جنون کی حالت میں اپنی بیٹی سے کیا کہا تھا: ان کے پاس نہ جانا، محنت مزدوری کر لینا، تباہ ہو جانا، مگر ان کے پاس نہ جانا۔ چاہے تمہیں کوئی بلائے (یعنی اسے اب تک یہ خبط باقی تھا کہ اسے بلایا جائے گا، اس لئے ایک موقع ابھی باقی ہے انتقام لینے کا۔ ابھی ایک بار اور سامنے والے کو ذلت و حقارت کی ٹھوکر رسید کی جا سکتی ہے — مختصر یہ کہ روٹی کے بجائے وہ غصے میری کلپناؤں کی خوراک پر جی رہی تھی)۔ میں نے نیلی کی زبانی بہت کچھ پتہ چلا لیا ہے، میرے یار، اور واقعہ یہ ہے کہ میں اب بھی پتہ چلاتا رہتا ہوں۔ اس کی ماں بیمار تھی، اس کے بدن کی طاقت گھل گئی تھی۔ اور یہ بیماری ایسی ہے کہ تلخی اور ہر قسم کی جھلاہٹ بڑھا دیتی ہے۔ تاہم مجھے یہ بھی پکی طرح معلوم ہے، پیتروا کے ہاں میری ایک سنے والی رہتی ہے، اس کی زبانی پتہ چلا کہ اس نے پرنس کو خط لکھا تھا، جی ہاں، پرنس کو پرنس کے نام خط...''

''اس نے خط لکھا! اور پرنس کو ملا وہ خط؟'' میں چیخ پڑا۔

''یہی تو بات ہے۔ مجھے ٹھیک نہیں معلوم کہ خط ملا یا نہیں۔ ایک موقع پر اسمتھ والی ماں سے، وہ جو پیتروا کے ہاں میری آشنا تھی اس سے ملی (تمہیں یاد ہے وہ لمبی پتلی عورت جو پیتروا کے ہاں موجود تھی؟ آجکل وہ پاگل خانے میں ہے)، ہاں تو نیلی کی ماں نے خط لکھا اور اس کے حوالے کر دیا کہ جاکر دے آئے۔ لیکن بعد میں بھیجنے کی نوبت نہ آئی اور واپس لے لیا۔ مرنے سے تین ہفتے پہلے کا واقعہ ہے... بہت ہی اہم بات۔ اگر وہ ایک بار خود کو اس پر آمادہ کر سکتی تھی کہ خط بھجوائے تو چاہے اس وقت واپس ہی لے لیا ہو لیکن کسی اور وقت بھی بھیج سکتی تھی۔ اس لئے میں ٹھیک طرح نہیں جانتا کہ خط بھیجا یا نہیں بھیجا۔ لیکن ایک سبب ایسا ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ خط بھیجا ہی نہیں گیا۔ کیونکہ یہ کہ وہ پیٹرسبرگ میں رہتی ہے اور کس جگہ رہتی ہے، میرے خیال میں، اس کا پکا پتہ پرنس کو تب چلا جب

وہ مر گئی۔ اس پر اس نے جو اطمینان کا سانس لیا ہوگا وہ میری سمجھ میں آتا ہے!''

''ہاں، مجھے بھی یاد پڑتا ہے کہ الیوشا نے کسی خط کا ذکر کیا تھا، جسے پاکر اس کے باپ کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ مگر یہ بہت دن کی بات نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ ہوگی تو دو مہینے کی۔ اچھا تم کہے جاؤ۔ پرنس سے تمہارا واسطہ کیسا رہا؟''

''ان کا کیا تھا؟ سمجھو کہ میرے پاس کوئی باضابطہ ثبوت تو موجود تھا نہیں، البتہ اپنی جگہ پکا یقین تھا، سارے جتن کئے میں نے مگر ان کو ایک بھی ثبوت نہ بن سکا۔ حالت نازک ٹھہری! میرے لئے لازم تھا کہ باہر کے ملکوں میں بھی تحقیق کروں۔ مگر کہاں؟ کچھ معلوم نہ تھا۔ مجھے یہ بہرحال اندازہ ہو گیا کہ واسطہ بےڈھب پڑا ہے۔ صرف ادھر ادھر کے اشارے کرکے میں اسے فکر میں ڈال سکتا ہوں اور جتنا مجھے واقعی پتہ ہے اس سے زیادہ کا دکھاوا کر سکتا ہوں...''

''اچھا تو پھر کیا ہوا؟''

''وہ جھانسے میں آیا نہیں۔ مگر ہاں اس کے دل میں ڈر بیٹھ گیا۔ اور ایسا ڈر بیٹھا کہ اب تک چکرایا ہوا ہے۔ ہماری کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ بھی شروع میں کیا بلا کا گربہ مسکین تھا! ایک دفعہ یاری میں آکر مجھ سے پورا قصہ بیان کرنے لگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ سمجھتا تھا کہ میں سب کچھ جان گیا ہوں۔ خوب کھلے کھلے انداز میں جذبے کے ساتھ اس نے کہا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ بےشرمی سے جھوٹ بول رہا تھا۔ سبھی میں نے ناپ لیا کہ وہ کس حد تک مجھ سے گھبراتا ہے۔ کچھ عرصے تو میں اس کے سامنے سادہ لوح اور بدھو بنا رہا اور ساتھ ہی ظاہر کیا کہ میں بن رہا تھا۔ میں نے بھدے طریقے سے اسے گھبرانے کی کوشش کی — یعنی جان بوجھ کر بھدے طریقے سے۔ دیدہ و دانستہ ذرا کھرے پن کے ساتھ پیش آیا۔ خطرے جتانے لگا کہ شاید وہ مجھے بےوقوف سمجھ کر کچھ کہے اور زبان سے کوئی بات کہہ نکلے۔ لیکن وہ یہ چال بھانپ گیا۔ بچی کہیں کا! ایک اور موقع پر میں شرابی بن گیا۔ مگر یہ تدبیر بھی نہ چلی۔ بڑی چالاک آدمی ہے وہ! سمجھتے ہو واسیا؟ مجھے یہ پتہ چلانا تھا کہ دیکھوں کہ یہ شخص مجھ سے کہاں تک گھبرایا ہوا ہے، اور ساتھ ساتھ اس کے

دماغ میں بٹھا دوں کہ مجھے بہت کچھ پتہ ہے۔ یعنی اتنا جتنا اصل میں تھا نہیں...''

''اچھا تو پھر نتیجہ بتاؤ کیا نکلا؟''

''کچھ نہیں نکلا۔ مجھے ثبوت اور واقعات کی ضرورت تھی۔ وہ میرے پاس تھے نہیں۔ اسے صرف ایک اندازہ ہو گیا کہ کچھ بھی سہی، میں اسے بدنام تو کر ہی سکتا ہوں۔ اور یہ واقعہ ہے، بدنامی اور رسوائی ایک چیز تھی جس سے وہ ڈرتا تھا۔ زیادہ اندیشہ ادھر سے ہوتا بھی تھا کیونکہ اس نے یہاں اپنے رشتے بنانے شروع کر دئے تھے۔ معلوم ہے تمہیں، وہ شادی کرنے والا ہے؟''

''نہیں، مجھے تو نہیں معلوم...''

''اگلے برس۔ پورے ایک سال پہلے ہی اس نے اپنے لئے دلہن کا انتخاب کر لیا تھا۔ تب لڑکی کی عمر چودہ سال تھی۔ اب پندرہ ہے۔ بیچاری، ابھی تو گینگھریا میں گھومتی ہوگی۔ ماں باپ بھی خوش ہیں! دیکھتے ہو، اسے کتنی فکر ہوگی اس بات کی کہ بیوی مر جائے؟ یہ نئی منگیتر، ایک فوجی جنرل کی بیٹی ہے۔ دولتمند چھوکری — روپے کے ڈھیر لگے ہیں۔ تم یا میں کبھی اس طرح کی شادی نہیں کریں گے۔ دوست وانیا... کچھ ہے جو میں عمر بھر اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا!'' مسلوبویف نے میز پر گھونسہ مارتے ہوئے زور سے کہا ''کہ اس نے کوئی دو ہفتے ہوئے مجھے تڑی دے دی... کمینہ کہیں کا!''

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے ہوا کہ میں نے دیکھا اسے یہ تو اندازہ ہو گیا ہے کہ میرے پاس باقاعدہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے کام نکال سکوں۔ اور میں نے بھی بالآخر محسوس کر لیا کہ معاملے کو جتنا میں طول دوں گا اس سے وہ بھی نتیجہ نکالے گا کہ بس، میں کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتا۔ تو میں راضی ہو گیا کہ چلو، دو ہزار پر معاملہ کر لوں۔''

''تو تم نے دو ہزار لے لئے!...''

''چاندی کے لئے تھے۔ وانیا، میرے تو ہی میں آ لگے مگر لے دیئے جا سکتے تھے؟ اتنی حقیر رقم قبول کرنا ذلت کی بات ہے۔ میں نے تو ایسا محسوس کیا جیسے اس نے میرے منہ پر تھوک دیا ہو۔

وہ مجھ سے بولا 'میں نے اب تک تمہیں کچھ دیا دلایا نہیں مسلوبویف، اس کام کا، جو تم نے کرکے دیا ہے (مگر وہ بہت دن پہلے مجھے ڈیڑھ سو روبل کی طےشدہ رقم دے چکا تھا) اچھا، تو اب میں باہر جا رہا ہوں۔ یہ لو، دو ہزار ہیں۔ اور امید ہے کہ ہمارے معاملے میں سب کچھ بےباق ہے۔' میں نے جواب دیا: 'جی ہاں پرنس صاحب، سب بےباق طے۔' پھر میں اس کے گندے تھوبڑے کی طرف نظر نہیں اٹھا سکا۔ میں نے سوچا کہ اس کی صورت پر صاف لکھا ہوگا کہ: 'بس، تم زیادہ سے زیادہ اتنی ہی رقم مجھ سے وصول کر سکتے ہو۔ میں ایک بےوقوف کو صرف اپنی شرافت کی وجہ سے یہ بخشش دے رہا ہوں!' یاد نہیں، پھر میں اس سے جدا کیسے ہوا!''

''مگر یہ گری ہوئی بات ہے مسلوبویف!'' میں دھیمی آواز میں بولا۔ ''تم نے نیلی کا کیا کیا!''

''صرف گری ہوئی بات نہیں... یہ جرم ہے، گھناؤنا۔ یہ... یہ... اس کی مذمت کے لئے الفاظ نہیں ہیں!''

''خدا سمجھے، ارے اس کا فرض تھا کہ کم از کم نیلی کا خرچ اٹھائے!''

''یقیناً فرض تو تھا۔ مگر کوئی مجبور کیسے کر سکتا ہے؟ اسے ڈرا کیسے سکتا ہے؟ اس کی سبیل نہیں ہے کوئی۔ اب اسے دھمکی بھی نہیں لایا جا سکتا — دیکھو نا، روپیہ میں نے لے لیا۔ میں نے خود ہی اس کے سامنے قبول کر لیا کہ مجھ سے اسے جس چیز کا بھی ڈر ہو سکتا تھا وہ دو ہزار روبل کے برابر کی ہے۔ خود میں نے ہی یہ قیمت لگائی۔ اب اسے کوئی ڈرائے تو کیسے ڈرائے؟''

''تو کیا مطلب یہ کہ اب نیلی کو کچھ نہیں ملنے والا؟'' میں قریب قریب مایوسی سے چیخ پڑا۔

''نہیں، ہرگز نہیں!'' مسلوبویف نے اچھل کر، گرم ہو کر زور سے کہا۔ ''نہیں، میں اسے ایسے ہی نہ چھوڑ دوں گا، و[illegible] پھر سے سارا معاملہ چھیڑ دوں گا۔ میں نے ہی [illegible] ہوا اگر میں نے دو ہزار کی رقم لے بھی لی ہو؟ جہنم میں جائے یہ رقم۔ میں یہی سمجھوں گا کہ میرے ساتھ جو زیادتی ہوئی یہ اس کا بدلہ ہے۔ کیونکہ اس نے مجھے جانتا دیا، بدمعاش

نے۔ وہ میرا مذاق اڑایا! لین دین کا معاملہ اور اس نے مجھے فریب دے دیا، میرا مذاق اڑایا! نہیں، میں اپنی ہنسی نہیں اڑوا سکتا... اب میں نیلی کو لے کر سارا معاملہ شروع سے چھیڑوں گا وانیا۔ جو چیزیں میری نظر میں آئی ہیں، ان سے یہ تو تاڑ لیا ہے میں نے پکی طرح کہ نیلی کے ہاتھ میں کنجی ہے پورے معاملے کی۔ سے سب کچھ معلوم ہے، قطعی طور پر سب کچھ... ماں نے ہی اسے تمام باتیں بتا دی تھیں۔ جب اسے ہوش و حواس پر قابو نہ تھا، دماغ کو گرمی چڑھی تھی، اس وقت نیلی سے ماں نے سب کچھ کہہ دیا ہوگا۔ اور کون تھا جس سے وہ اپنا دکھ کہتی۔ نیلی ہی اس کے قریب تھی چنانچہ نیلی ہی کے سامنے اس نے اگل دیا۔ اور ممکن ہے، کوئی دستاویز ہمارے ہاتھ پڑ جائے،، مسلوبویف نے اپنے ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے مزے میں آکر کہا۔ ''اب سمجھے، وانیا، میں کیوں یہاں پر منڈلاتا رہتا ہوں؟ اس کی پہلی وجہ تو یہی کہ تم سے دوستی کا جذبہ، لیکن بڑی وجہ ہے نیلی پر نظر رکھنا۔ اور ایک اور بات بھی ہے وانیا، چاہے تمہیں اچھا لگے، چاہے برا۔ میری مدد کرنی ہوگی کیونکہ نیلی پر تمہارا کچھ اثر ہے!..،،

''ضرور مدد کروں گا، قسم کیا کے کہتا ہوں!،، میں نے زور سے کہا۔ ''اور مجھے امید ہے، مسلوبویف، کہ تمہاری خاص کوششیں نیلی کے لئے وقف ہوں گی۔ اس غریب کے لئے، بن ماں باپ کی بچی کے لئے۔ اور صرف اپنے ذاتی فائدے کے لئے نہیں...،،

''مگر تمہیں اس سے کیا غرض کہ کس کے فائدے کے لئے میں زور لگاؤں گا، بھولے میاں؟ جب تک کام چلتا ہے چلنا چاہئے۔ یہ ہے کام کی بات! یقینی بات ہے کہ بن ماں باپ کی بچی ہی کی خاطر کیا جائے گا۔ یہ تو عام انسانیت کا تقاضہ ہے۔ مگر تم میرے بارے میں بری رائے مت رکھنا، اگر اسی لپیٹ میں کچھ اپنا بھی فائدہ کر لوں۔ میں خود غریب آدمی ہوں، اس کی یہ ہمت ہے۔ سودے میں مجھ کو دھوکا دے کیا پاجی۔ وہ سمجھے مرے ہی بل پر لوٹ رہا ہو کہ صاحب کو میں یوں ہی نکل جانے دوں گا؟ جانے نہیں دوں گا!،،

دوسرے دن پھولوں کے جشن کی جو ہم نے سوچی تھی، اس کی نوبت ہی نہ آئی۔ نیلی کی حالت اور بگڑ گئی اور وہ اپنے کمرے سے باہر نہ آسکی۔

اور اس کے بعد کمرے سے باہر نکلنے کی نوبت ہی کبھی نہ آئی۔

دو ہفتے بعد نیلی کا انتقال ہو گیا۔ اور آخری جان کاہی کے ان دو ہفتوں میں اسے کبھی ٹھیک سے ہوش نہ آیا اور کبھی اس کے عجیب و وہموں سے نجات نہ ملی۔ دماغ کی رو دھندلا گئی تھی۔ مرنے کے دن تک اسے یہ پکا یقین تھا کہ نانا بلا رہے ہیں اور خفا ہو رہے ہیں کہ وہ بلانے پر کیوں نہیں۔ اس پر اپنی لاٹھی جما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ بھیک مانگنے جاؤ تاکہ مجھے روٹی اور نسوار میسر آسکے۔ سوتے سوتے وہ اکثر رونے لگتی اور جب آنکھ کھلتی تو کہتی کہ اماں کو خواب میں دیکھا تھا۔

صرف بعض اوقات ایسا لگتا تھا کہ وہ پوری طرح اپنے بس میں ہے۔ ایک بار جب ہم دونوں کمرے میں رہ گئے تھے وہ یک دم میری طرف مڑی اور اپنے دبلے سوکھے اور بخار سے تپتے ہوئے ہاتھ سے میرا ہاتھ مضبوط پکڑ لیا اور بولی:

''وانیا، جب میں مر جاؤں تو نتاشا سے شادی کر لینا۔،،

میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال ایک زمانے سے مستقل اس کے دماغ میں بسا ہوا تھا۔ میں کچھ کہے بغیر اس پر مسکرا دیا۔ مجھے مسکراتے دیکھ کر وہ بھی مسکرا دی۔ اور شرارت بھری نظروں سے مجھ پر اپنی پتلی انگلی اٹھائی اور ایک دم پیار کرنے لگی۔

مرنے سے صرف تین دن پہلے کی بات ہے۔ گرمیوں کی ایک نہایت ہی نفیس شام تھی۔ نیلی نے ہم سے کہا کہ پردے اٹھا دیں اور کمرے میں کھڑکی کے پٹ کھول دیں۔ یہ کھڑکی باغیچے میں کھلتی تھی۔ دیر تک وہ گھنی ہریالی کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی، ڈوبتے سورج کو تکتی رہی اور پھر ایک دم کیا ہوا کہ بولی، سب چلے جائیں اور ہم دونوں کو اکیلا چھوڑ دیں۔

''وانیا،، اس نے ایسی آواز میں کہا جو مشکل سنی جا سکتی تھی کیونکہ وہ بہت کمزور ہو گئی تھی۔ ''میں مرنے والی ہوں۔ بہت جلد مر جاؤں گی۔ مجھے یاد رکھنا۔ یہ، میں اپنی نشانی دئے جاتی ہوں،، اور اس نے ایک بڑا سا لاکٹ مجھے دکھایا جو صلیب کے ساتھ سینے پر لٹکا ہوا تھا۔ ''اسے نے دیا تھا مجھ کو جب وہ دنیا سے جا رہی تھیں۔ اور جب میں مر جاؤں تو یہ تعویذ اتار لینا اور اسے کھول کے پڑھ لینا۔ آج میں ان سب لوگوں سے

کہہ دوں گی کہ یہ تم کو دیا جائے۔ تمہارے سوا اور کسی کو
نہیں۔ اور جب تم پڑھو کہ اس میں کیا لکھا ہے تو اس کے پاس
جانا اور اس سے کہہ دینا کہ میں مر گئی لیکن میں نے اسے بخشا
نہیں۔ اسے یہ بھی بتا دینا کہ میں آخری وقت میں انجیل پڑھتی
رہی ہوں۔ اس میں آیا ہے کہ 'ہمیں اپنے دشمنوں کو معاف کر
دینا چاہئے'۔ میں نے وہ پڑھا۔ لیکن اس پر بھی اسے معاف نہیں
کیا۔ کیونکہ جب اماں دم توڑ رہی تھیں اور ان کے منہ سے لفظ
نکل سکتے تھے، تو آخری لفظ جو ان کی زبان سے نکلے یہی تھے 'میں
اس کے حق میں بددعا کرتی ہوں۔'۔ اب میں بھی اس کے حق
میں بددعا کر رہی ہوں۔ اپنی خاطر نہیں بلکہ اماں کی طرف سے...
اسے بتا دینا کہ اماں کس حال میں مری ہیں اور میں لاوارث بینووا
کے ہاں رہ گئی۔ تم نے وہاں مجھے دیکھا، یہ سب تفصیلیں اس
کو بتا دینا۔ ایک ایک بات۔ اور میری طرف سے کہہ دینا کہ
تیرے پاس آنے سے بینووا کے ہاں رہ جانا مجھے قبول تھا...''

بولتے بولتے نیلی پیلی پڑ گئی، آنکھیں تپنے لگیں، دل اس زور سے
دھڑکنے لگا کہ وہ تکیے پر ڈھلک گئی اور دو ایک منٹ تک زبان
سے بات نہ نکل سکی۔

''وانیا، ان لوگوں کو بلاؤ''، آخر اس نے ڈوبتی ہوئی آواز
میں کہا۔ ''میں ان سب کو خداحافظ کہنا چاہتی ہوں۔ خداحافظ،
وانیا!...''

آخری بار اس نے مجھے گرمجوشی سے گلے لگایا، سب لوگ اندر
آ گئے۔ بڑے میاں کی سمجھ میں نہ آسکا کہ وہ دنیا سے جا رہی
ہے۔ کسی طرح وہ یہ بات مانتے ہی نہ تھے۔ آخری لمحے تک ہم
سب سے بحث کئے جاتے تھے اور یہی اصرار کرتے تھے کہ اس کی
حالت سدھر جائے گی۔ فکر کے مارے وہ بہت بوکھلائے ہوئے تھے۔
آخری وقت میں تو وہ دنوں اور راتوں تک نیلی کی پٹی سے لگے
بیٹھے رہے۔ اور آخری چند راتوں انہیں بالکل نیند نہ آئی... کوشش
کرتے تھے کہ نیلی کو ذرا سا بھی کسی چیز کا خیال ہو، ذرا بھی
کسی شے کی خواہش ہو تو اسے پورا کیا جائے، اس کے کمرے
سے نکل کر ہمارے پاس آتے تو پھوٹ پھوٹ کر روتے۔ مگر منٹ
بھر بعد پھر سے امید کرنے لگتے اور ہم سب کو یقین دلانے لگتے
کہ اس کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ انہوں نے نیلی کے کمرے

کو پھولوں سے بھر دیا۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنی نیلی کے لئے
نہایت نفیس سفید اور لال گلاب کا ایک گچھا خریدا۔ ان پھولوں
کی خاطر انہیں گھر سے بہت دور جانا پڑا تھا... نیلی پر ان سب
باتوں کا گہرا اثر ہوتا تھا۔ اور جو محبت اسے چاروں طرف سے
گھیرے ہوئے تھی اس کا بھرپور جواب دئے بغیر نہیں رہ سکتی۔
اس شام جب نیلی نے ہم سب کو خداحافظ کہا بڑے میاں خود کو
آمادہ نہ کر سکے کہ نیلی کو ہمیشہ کے لئے خداحافظ کہہ دیں۔
نیلی ان پر مسکرائی اور رات گئے تک کوشش کرتی رہی کہ
خوش خوش نظر آئے۔ وہ ان سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہی بلکہ ہنسی
بھی... ہم اس کے کمرے سے اٹھ کر چلے آئے اور ہمیں کچھ آس
سی بندھ گئی تھی۔ لیکن دوسرے دن اس سے بولا تک نہ گیا۔
اور دو دن بعد وہ چل بسی۔

مجھے یاد ہے کہ بڑے میاں نے اس کے ننھے سے تابوت کو
کس طرح پھولوں سے بھر دیا تھا۔ اس کے ستے ہوئے چہرے کو،
جو موت میں بھی مسکرا رہا تھا، اور اس کے ہاتھوں کو جو
سینے پر بندھے ہوئے تھے، وہ دیر تک غم سے تکتے رہے۔ وہ نیلی
کی موت پر ایسے روئے جیسے وہ ان کی اپنی اولاد ہو۔ نتاشا نے
اور ہم سب نے انہیں صبر کی تلقین کی، چپ کرنے کی کوشش
کی لیکن انہیں کسی صورت قرار نہ آتا تھا اور نیلی کے کفن دفن
کے بعد سخت بیمار پڑ گئے۔

آننا اندریئونا نے خود ہی نیلی کی گردن سے اتارا ہوا وہ چھوٹا سا
لاکٹ مجھے دے دیا۔ اس میں نیلی کی ماں کا وہ خط تھا جو
پرنس کے نام لکھا گیا تھا۔ نیلی کی موت کے دن ہی میں نے وہ
خط پڑھا۔ اس نے پرنس کو بددعا دی تھی اور لکھا تھا کہ میں
معاف نہیں کر سکتی۔ اپنی زندگی کے آخری حالات بیان کئے تھے،
لکھا تھا کہ کن مصیبتوں میں نیلی کو چھوڑ کر جا رہی ہوں، ہو
سکے تو کچھ اس کے لئے کرنا۔ ''یہ آپ کی بیٹی ہے، آپ کی اولاد۔
اور آپ کو خوب معلوم ہے کہ وہ واقعی آپ کی جائز، قانونی بیٹی
ہے۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ جب میں مر جاؤں تو وہ آپ
کے پاس چلی جائے اور یہ خط آپ کو پڑھوا دے۔ اگر آپ نے نیلی
کو دھتکارا نہیں تو شاید میں آپ کو بخش دوں۔ اور وہاں حشر
کے دن خود خدائے ذوالجلال کے حضور میں کھڑی ہوں اور التجا

کروں کہ وہ آپ کے گناہ معاف کر دے۔ نیلی کو معلوم ہے کہ خط میں کیا لکھا ہے۔ میں نے اسے پڑھ کے سنا دیا ہے۔ سب کچھ بتا دیا ہے۔ اسے سب کچھ معلوم ہے۔ ایک ایک بات کی خبر ہے...،،

لیکن نیلی نے اپنی ماں کا کہنا نہیں کیا۔ اسے سب علم تھا مگر وہ پرنس کے پاس نہ گئی اور اسے معاف کئے بغیر دنیا سے سدھار گئی۔

جب ہم نیلی کو دفنا کے واپس آئے تو نتاشا اور میں باہر باغیچے میں چلے گئے۔ دن تپش کا تھا اور دھوپ تیز چمک رہی تھی۔ ہفتہ بھر بعد اس خاندان کو سفر درپیش تھا۔ نتاشا نے دیر تک مجھے ایک عجب نگاہ سے نظر جما کر دیکھا۔

''وانیا، یہ ایک خواب تھا۔ تھا نا خواب؟،،

''کیا تھا خواب؟،، میں نے پوچھا۔

''یہی سب، سب کچھ، اس سال جو بیت گیا۔ وانیا، میں نے تمہاری خوشی کاہے کو غارت کی؟،،

اور میں نے اس کی آنکھوں میں لکھا دیکھا:

''ہم دونوں ہمیشہ ہمیشہ ایک ساتھ چین کی زندگی بسر کر سکتے تھے!،،

پڑھنے والوں سے

''رادوگا،، اشاعت گھر آپ کا بہت شکرگزار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب، اس کے ترجمے، ڈیزائن اور طباعت کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم ممنون ہوں گے۔

ہمارا پتہ: زوبوفسکی بلوار، نمبر ۱۷،
ماسکو— ۱۱۹۸۵۹
سوویت یونین
17, Zubovsky Boulevard,
Moscow — 119859
USSR

Редактор русского текста *К. Богданова*
Контрольный редактор *Е. Щербакова*
Редактор *Е. Васильченкова*
Художники *А. Гончаров, В. Зуенков*
Художественный редактор *М. Трубецкой*
Технический редактор *Г. Немтинова*

ИБ № 903

Сдано в набор 10.03.86. Подписано в печать 22.09.86.
Формат 84×108 1/32. Бумага типографская № 1. Гарнитура урду.
Печать высокая. Условн. печ. л. 28,98. Усл. кр.-отт. 29,30.
Уч.-изд. л. 40,52. Тираж 3955 экз. Заказ № 1651.
Цена 4 р. 55 к. Изд. № 3030
Издательство «Радуга»
Государственного комитета СССР
по делам издательств, полиграфии
и книжной торговли.
Москва, 119859, Зубовский бульвар, 17.
Фирма-партнер: Пиплз Паблишинг Хаус, г. Дели, Индия.
Ордена Трудового Красного Знамени
Московская типография № 7 «Искра революции»
«Союзполиграфпрома» Государственного
комитета СССР по делам издательств,
полиграфии и книжной торговли.
Москва, 121019, пер. Аксакова, 13.

''دستوئیفسکی کی تصانیف میں ایک خصوص
مشترک ہے جو ان کی تمام تخلیقات
ہمیں کم یا زیادہ واضح انداز میں نظ
آتی ہے: یہ خصوصیت اس انسان کے
دل‌سوزی ہے جس میں اپنے آپ کو ایک
حقیقی، مکمل اور ایک آزاد انسان، ایک
قائم بالذات انسان سمجھنے کی نہ طاقت ہے
اور نہ ہی بالآخر اسے یہ حق حاصل ہے۔
'ہر انسان کو ایک انسان ہونا چاہئے
اور دوسروں سے اس طرح پیش آنا چاہئے
جیسے ایک انسان، انسان کے ساتھ پیش
آتا ہے' — یہ وہ تصور ہے جو مصنف کے
دل میں بیٹھ چکا ہے۔''

نکولائی دبرولیوبوف (۱۸۳۶ء تا ۱۸۶۱ء)
مشہور روسی تنقیدنگار اور صحافی

''دستوئیفسکی کے بارے میں یہ نہیں
پوچھا جا سکتا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا،
اسے جہاں سے بھی کھولو، اس کے خیالات
اور جذبات، ارادے اور احساسات اور
سب کچھ جو اس میں جمع ہو چکا تھا،
جس سے وہ لبریز تھا اور جو باہر نکل
آنا چاہتا تھا صاف نظر آتا ہے...''

لیو تالستائی

فیودر دستوئیفسکی نے ''اپنے دل و دماغ کی تمام قوتوں، اپنے فکروخیال کے تمام زور اور ضمیر کی تڑپ کے ساتھ اس المناک وقت کے پیچیدہ اور تکلیف‌دہ سوالوں کا جواب دیا، جب پیسہ، جبر اور مکاری لوگوں کو بےرحم اور بےہودہ مقصد — نفع کے لئے طاقت اور طاقت کے لئے نفع — کو حاصل کرنے کے ذرائع میں تبدیل کر دیتے تھے۔
''دستوئیفسکی کی تخلیقات اس وقت بھی کہہ رہی تھیں اور آج بھی کہہ رہی ہیں کہ انسانی روح بغاوت کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہے، روح راہ کی تلاش میں بےقرار ہے، وہ اپنے آپ کو بکاؤ مال میں تبدیل کر دینے سے پہلے، موت کو گلے لگا لے گی...''

کنستنتین فیدین (۱۸۹۲ء تا ۱۹۷۷ء)
سوویت مصنف

ISBN 5—05—001450—6 4 p. 55 к.